مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

مطالعۂ

تلمیحات و اشارات اقبال

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

ناشر

پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ناظم

اقبال اکادمی پاکستان

حکومت پاکستان

قومی ورثہ وثقافت ڈویژن

چھٹی منزل، ایوانِ اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

Tel: [+92-42] 36314510, 99203573
Fax: [+92-42] 36314496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 978-969-416-593-6

طبع اوّل	:	۱۹۸۶ء
طبع دوم	:	۲۰۰۴ء
طبع سوم	:	۲۰۲۲ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۴۴۰/- روپے
مطبع	:	ایچ آئی ٹریڈرز، لاہور

محل فروخت: گراؤنڈ فلور، ایوانِ اقبال، ایجرٹن روڈ، لاہور

تہدیہ

پروفیسر رشید احمد صدیقی (مرحوم) کے نام

اگر سیاہ دلم ، داغ لالہ زارِ تو ام
وگر کشادہ جبینم ، گلِ بہار تو ام

فہرست

	صفحہ نمبر
دیباچہ	(الف)
باب اول:	
اقبال کا ماحول اور شخصیت	۱
باب دوم:	
تلمیحاتِ قرآن	۱۵
باب سوم:	
تلمیحاتِ حدیث	۸۹
باب چہارم:	
فلسفیانہ تلمیحات	۱۲۱
باب پنجم:	
تاریخی تلمیحات	۱۴۹
باب ششم:	
سیاسی تلمیحات	۲۳۱
باب ہفتم:	
اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق ومغرب کا ذکر	۲۴۵
باب ہشتم:	
اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر	۳۲۱
باب نہم:	
اقبال کی بعض نظموں کے مآخذ	۳۹۵
باب دہم:	
تلمیحات واشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات پر ایک نظر	۴۶۵
کتابیات	۴۸۱
اشاریہ	۴۹۵

دیباچہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن انجمن ترقی اردو، ہند نے ۱۹۶۲ء میں دہلی سے طبع کیا تھا۔اس کا پاکستانی ایڈیشن، اقبال اکادمی، پاکستان نے لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔موجودہ ایڈیشن،طبع ثانی کی شکل میں، اضافوں کے ساتھ، اقبال اکادمی ہی چھاپ رہی ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر میرے پی ایچ ڈی کے مقالے بعنوان ''مطالعۂ تلمیحات واشاراتِ اقبال' پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ استاد گرامی قدر پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں لکھا گیا تھا اور اس پر مجھے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۵۶ء میں ڈگری عطا کی گئی۔اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو تلمیح اور اشارے کی تعریف سے خارج ہیں۔ان کو محض اس لیے شامل کیا ہے کہ وہ تلمیح اور اشارے سے قریب تر ہیں۔نیز ان سے مقالے کی جامعیت اور افادیت بھی بڑھ جاتی ہے۔لیکن چونکہ مقالہ زیادہ تر تلمیحات و اشارات ہی پر مشتمل ہے، اس لیے کتاب کا عنوان جوں کا توں رکھا ہے۔مقالے کی ترتیب میں یہ امر خاص طور پر ملحوظ رہا ہے کہ کوئی چیز حد سے متجاوز نہ ہو، اس لیے اختصار پیشِ نظر رہا ہے۔مشہور واقعات اور مشہور شخصیات کے بارے میں تفصیل سے گریز کیا ہے؛ البتہ جن حضرات کو تفصیلات مطلوب ہیں، ان کے لیے چند مستند حوالے موجود ہیں، وہ انہیں پڑھ کر اپنی تشفی کا سامان کر سکتے ہیں۔مقالے میں اقبال کی کتابوں کی ترتیب تاریخی ہے، اس لیے 'اسرارِ خودی' سب سے پہلے ہے۔اگرچہ 'بانگِ درا' میں 'اسرار' سے بہت پہلے کی نظمیں اور غزلیں موجود ہیں، لیکن چونکہ بانگ درا کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی، اس لیے قدرتی طور پر اس کا شمار بعد میں آتا ہے۔تاریخی ترتیب کے علاوہ قاری کی سہولت کے لیے اکثر کتب کے حوالے کے ساتھ ان کا سال طباعت درج ہے۔اس کتاب میں اقبال کے وہ نسخے پیش نظر رہے ہیں جو لاہور میں اقبال اکادمی نے کلیات اقبال کے نام سے شائع کئے ہیں۔قرآنی تلمیحات میں ترجمہ مولانا عبدالماجد دریابادی کا ہے۔یہ ترجمہ اپنی صحت، سلاست اور لطفِ زبان کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہے۔

اس مقالہ کی تکمیل استاد محترم پروفیسر رشید احمد صدیقی کی شفقت اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ میں ان کا دل سے ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ جن حضرات نے میری دستگیری فرمائی، میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں: پروفیسر خواجہ منظور حسین، پروفیسر اے جے آربری، مولانا ضیاء احمد بدایونی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا امتیاز علی خان عرشی، مولانا حامد حسن قادری، مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد اسلم جیراج پوری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قاضی عبدالودود، جناب اسلوب احمد انصاری، خان بہادر ظفر حسین، جناب سید وزیر الحسن عابدی، جناب میکش اکبرآبادی، جناب خواجہ غلام السیدین، جناب غلام احمد پرویز، جناب اثر لکھنوی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد عزیر، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی وغیرہم۔ ان میں سے اکثر حضرات وفات پا چکے ہیں، مقالے کی تحریر کے وقت سب بقید حیات تھے۔ ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے اقبال کے احباب اور اعزہ کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان تمام حضرات کی توجہ ہی سے یہ مقالہ مکمل ہوا اور کتابی صورت میں پیش کیا جا سکا ورنہ من آنم کہ من دانم!

مقالے کے دس ابواب میں یہ کوشش رہی ہے کہ وہ تمام تلمیحات و اشارات آ جائیں جو اقبال کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اس مقالے کی تیاری میں جن کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے، ان میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ، رضا پبلک لائبریری رام پور اور کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی
(سابق) صدر شعبۂ اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجوٹ کالج
اصغر مال، راولپنڈی

باب اول

اقبال کا ماحول اور شخصیت

شیخ محمد اقبال کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے - یوں تو ہندوستان میں برہمن اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے عموماً معزز سمجھے جاتے ہیں لیکن کشمیری برہمن کشمیر میں علمی حیثیت سے بھی خاص امتیاز رکھتے تھے - اگرچہ اسلام کے زیر اثر اقبال ذات پات اور نسل کے افتخار کو صحیح نہیں سمجھتے تھے تاہم جابجا ان کے اشعار میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں کہ ان کو اپنے برہمن زادہ ہونے پر بھی فخر تھا - مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں -

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم وتبریز است

برہمنوں کی ذہانت اور فلسفہ دانی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور غالبًا از روئے قانونِ توارث اقبال کو اس میں اچھا خاصہ حصہ ملا تھا -

اقبال کے آباء واجداد کشمیر سے آ کر پنجاب میں بس گئے تھے - آپ کے اجداد سترہویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور تقریباً اسی زمانے میں کشمیر سے ترک وطن کر کے مختلف اطراف میں پھیل گئے - علامہ اقبال کے خاندان کے مورثِ اعلی نے سیالکوٹ کو اپنا وطن قرار دیا - اسی شہر میں اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں انتقال کیا - ان کی پیدائش سے چند روز قبل ان کے والد شیخ نور محمد نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ''ایک بڑا ہی عجیب وغریب پرندہ فضا میں زمین کے قریب اڑ رہا ہے اور بڑی کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہے اور اس ہجوم میں میں بھی ہوں ، وہ پرندہ کسی کی کوشش سے ہاتھ نہیں آتا لیکن خود بخود میرے دامن میں آ کر گرا اور میں نے اس کو پکڑ لیا'' اس کے بعد اقبال پیدا ہوئے تو انہوں نے اس خواب کی یہ تاویل کی کہ وہ پرندہ یہی بچہ ہے اور یہ ضرور کوئی غیر معمولی کمال پیدا کرے گا -

اقبال کے والد اگرچہ صاحب ثروت نہ تھے لیکن اپنے شہر میں اپنی مذہبی و اخلاقی پاکیزگی کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے - ان پر تصوف کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا اور اقبال نے اپنی اس آبائی بلکہ خاندانی خصوصیت کی طرف بعض اشعار میں خود بھی اشارہ کیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں -

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

اس بنا پر اقبال نے ایک صوفیانہ ماحول میں نشو ونما پائی اور ان کے والد نے ان کی تربیت بالکل مذہبی اور اخلاقی اصول پر کی - چنانچہ اقبال کا بیان ہے کہ ''جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا - والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے - ایک دن صبح کو میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتلاؤں گا۔ بالآخر انہوں نے ایک مدت کے بعد یہ بات بتائی - ایک دن صبح کو جب میں حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آئے اور فرمایا ''بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے'' -

اسلام سے محبت اور اولیائے کرام سے عقیدت آپ کے آبا واجداد کا شیوہ رہا ہے - آپ کے والدین بھی مذہب کے سچے پرستار اور محبتِ رسول میں سرشار تھے - اسلام اور پیغمبر اسلام کی یہی محبت اقبال کو ورثے میں ملی اور ان تک پہنچتے پہنچتے اس شرابِ عشق میں اور بھی تیزی آ گئی تھی -

اقبال نے اپنے والد کی خدا ترسی کا ایک واقعہ رموزِ بیخودی میں نہایت موثر طریقہ سے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک سائل کو بری طرح ڈانٹا - والد سن رہے تھے، انہوں نے اس درد انگیز طریقے سے میری اس درشتی پر سرزنش کی کہ اس کے بعد سے آج تک میں کبھی کسی سائل کے ساتھ کسی قسم کی سخت کلامی نہیں برت سکتا۔ نہ صرف اقبال کے والد بلکہ والدہ بھی ایک دیندار اور عبادت گزار خاتون تھیں اس لیے انہوں نے بھی ان کی مذہبی اور اخلاقی تربیت میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ اقبال نے اپنی والدہ مرحومہ کا جو مرثیہ لکھا ہے اس میں اس کی طرف صاف اشارے ملتے ہیں -

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت تک آپ نے مکتب میں پڑھا - اقبال کے والد کو مولوی سید میر حسن سے خصوصیت تھی اور آپ ان کے فیضِ صحبت اور علمی فضیلت سے بخوبی واقف تھے - اس لیے انہوں نے اقبال کو میر حسن کے زیرِ سایہ مشن اسکول میں داخل کرا دیا - یہاں پانچویں جماعت میں نمایاں کامیابی کے صلہ میں اقبال نے وظیفہ پایا - اسی طرح مڈل کے درجات میں ہم درسوں میں ممتاز رہے اور آٹھویں جماعت کے امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا - انٹرنس کا امتحان بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور سرکاری وظیفہ کے مستحق قرار پائے -

مولوی سید میر حسن کی زندگی خالص علمی زندگی تھی اور ان کو شعرائے عرب، شعرائے ایران اور شعرائے اردو کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے اور ان کی تعلیم کا یہ خاصہ تھا کہ جو شخص ان سے عربی یا فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرتا تھا اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے تھے - چنانچہ اقبال نے ان کی تعلیم و صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا اور میلانِ طبیعت کے علاوہ یہ انہی کا فیضِ صحبت تھا کہ اقبال کو اساتذہ کے ہزاروں اشعار ازبر تھے -

بہرحال اقبال میں عربی اور فارسی دانی اور شعر و سخن کا جو ذوق پیدا ہوا وہ انہی بزرگ کی تعلیم اور صحبت کا نتیجہ تھا - چنانچہ سفرِ انگلستان کے موقع پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر انہوں نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے جو نظم پڑھی اس میں عقیدت مندانہ طور پر ان کے اس علمی احسان کا اعتراف کیا -

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

مولوی میر حسن کے ساتھ اقبال کی یہ عقیدت مندی عمر بھر قائم رہی -

جب اقبال اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخل ہونے لگے تو آپ کے والد نے آپ سے عہد لیا کہ تم تعلیمی زندگی میں کامیاب ہونے کے بعد اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دو

گے - آپ اس عہد پر تا دمِ مرگ قائم رہے اور تمام عالم کو معلوم ہے کہ کس طرح اقبال نے اسلام کی خدمت کی-

مشن کالج سیالکوٹ سے ایف - اے پاس کر کے اقبال لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی - اے میں داخل ہوئے - ۱۸۹۷ء میں بی - اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور وظیفہ پایا - عربی اور انگریزی میں اول آنے پر دو طلائی تمغے حاصل کیے - اس زمانے میں پروفیسر تھامس آرنلڈ ایم - اے ۔او کالج علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے تھے - ان کی فلسفہ دانی کی شہرت اور اپنے طبعی رجحان نے اقبال کو ایم - اے میں فلسفہ کا مضمون لینے کی ترغیب دی- آرنلڈ شاگرد کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اقبال کو شاگرد سے ترقی دے کر احباب کے زمرے میں داخل کر لیا- آرنلڈ کہا کرتے تھے کہ '' ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے'' - ۱۸۹۹ء میں اقبال نے ایم - اے پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آنے کے باعث طلائی تمغے کے مستحق قرار پائے -

لیکن آرنلڈ اقبال میں علمی ذوق پیدا کر کے انگلستان واپس چلے گئے اور اقبال نے ان کے رخصت ہونے پر '' نالہ ءفراق'' کے عنوان سے ایک الوداعی نظم لکھی جس میں اس علمی ذوق کا خاص طور پر تذکرہ کیا جو ان کے فیضِ صحبت نے ان میں پیدا کر دیا تھا -

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم
''شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند''

آرنلڈ کی تعلیم و تربیت اور فیضِ صحبت نے اقبال میں جو علمی ذوق بیدار کر دیا تھا وہ ابھی ناتمام تھا اور اس کی تکمیل کے لیے وہ خود انگلستان جانا چاہتے تھے لیکن ایم - اے ہونے کے بعد وہ پہلے اورئینٹل کالج لاہور میں تاریخ فلسفہ اور سیاستِ مدن کے لیکچرار مقرر ہو گئے تھے پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اس لیے ملازمت کا یہ تعلق زنجیر پا ہو رہا تھا اور نظم مذکور کے اس مصرع میں :

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

''پنجاب کی زنجیر'' سے غالبًا ملازمت کے اسی تعلق کی طرف اشارہ ہے لیکن بالآخر وہ اس

زنجیر کو توڑ کر ۱۹۰۵ء میں رخصت لے کر عازمِ انگلستان ہوئے اور خاندانی تصوف کی عقیدت و اثر کی بناء پر سب سے پہلے دلی میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضر ہو کر ایک نظم پڑھی جس میں اظہارِ عقیدت کے بعد اپنے مقصدِ سفر کا اس طرح اظہار کیا -

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

بہرحال اقبال انگلستان پہنچ کر کیمبرج میں داخل ہوئے اور جیسا کہ ڈاکٹر مُلک راج آنند نے لکھا ہے- خوش قسمتی سے انگلستان پہنچتے ہی ان کی ملاقات میک ٹیگرٹ جیسے فلسفی سے ہوئی جو ہیگل کا متبع تھا اور اس زمانے میں فلسفی کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکا تھا' پھر فارسی ادب کے مشہور مؤرخ براؤن اور ''اسرارِ خودی'' کے مترجم ڈاکٹر نکلسن سے ملاقات ہوئی - ابتدا میں اقبال کو فلسفہ اور فارسی ادب سے بہت شغف تھا، لیکن جب ان کا رجحان وطنیت اور قومیت کی طرف ہوا اور وہ ان موضوعات پر نظمیں لکھنے لگے تو یہ شوق دب کر رہ گیا تھا - اب یہ پھر ابھرا اور ان لوگوں کے اثر و تربیت نے اسے پختہ کر دیا- میک ٹیگرٹ کے لیکچروں سے انہوں نے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا سائنٹفک انداز سیکھا - براؤن اور نکلسن کی دوستی سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے وطن میں جو علم حاصل کیا تھا اس میں پختگی آ گئی -

لیکن کیمبرج یونیورسٹی میں زیادہ تر تعلق پروفیسر وارڈ، سارلے اور براؤن سے رہا - انہوں نے پورے تین سال انگلستان اور جرمنی میں طالب علمانہ حیثیت سے بسر کیے اور اس مدت میں بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا - کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق میں اور میونخ یونیورسٹی سے '' میٹافزکس آف پرشیا'' یعنی ایرانی الٰہیات پر ایک مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی - جرمنی میں اقبال نے تین خاتون پروفیسروں کی نگرانی میں کام کیا جن کے نام تھے زینے خال (Senechal)، ویگے ناست (Wegenast) اور شات (Schat)۔

جب اقبال کا مقالہ ''ایران کا فلسفہ مابعد الطبیعیات'' انگلستان میں شائع ہوا تو فضلائے یورپ پر آپ کا علمی وقار قائم ہو گیا - ماہرین فن نے اس کتاب پر بہت عمدہ ریویو لکھے - اس مقبولیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو لیکچر دینے کے لیے لندن مدعو کیا گیا - چنانچہ آپ نے اسلام پر متعدد لیکچر دیئے، جن سے آپ کی مذہبی اور فلسفیانہ معلومات کا سکہ بیٹھ گیا اور اس زمانے میں

پروفیسر آرنلڈ نے چھ ماہ کی رخصت لی تو لندن یونیورسٹی نے اقبال کو اس مدت کے لیے عربی کا پروفیسر مقرر کیا -

اقبال تین سال انگلستان اور یورپ میں رہ کر واپس ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی - اہل اللہ سے ارادت اور مردانِ خدا سے عقیدت آپ میں بدرجۂ غایت پائی جاتی تھی - چنانچہ جس طرح آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر حاضری دے کر عازمِ سفر ہوئے تھے اسی طرح ولایت سے واپسی میں بھی پہلے آپ دہلی آئے اور آستانہ شریف پر خاک بوس ہونے کے بعد لاہور روانہ ہوئے -

سفرِ یورپ نے اقبال کی تشنگیٔ علم کو ضرور قدرے سیراب کیا لیکن دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ مغرب زدگی کا کوئی اثر ان پر نہ تھا - سچ یہ ہے کہ جس کی تربیت اہل نظر نے کی ہو وہ نمائشی باتوں اور فریب کاریوں سے کب متاثر ہو سکتا ہے - اقبال کی زندگی میں تو اس اصول کی کارفرمائی نظر آتی ہے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر اور یہی اصول تھا جس کے تحت انہوں نے ''حکیمانِ فرنگ'' سے ''درسِ خرد'' لیا اور اس کو علم ونظر کی کسوٹی پر کس کر اس کا میل دور کر دیا - یہی وجہ ہے کہ سفرِ یورپ نے موصوف پر کوئی ناپسندیدہ اثر نہیں ڈالا - ایک مقام پر وہ کہتے ہیں-

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

ولایت سے واپس آنے کے بعد اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اعلیٰ کی خدمات انجام دینے لگے مگر ۱۸ ماہ بعد اس سے سبکدوشی حاصل کر لی اور بیرسٹری کرنے لگے- بیرسٹری کا سلسلہ ۱۹۳۴ء تک قائم رہا- ۱۹۳۴ء میں مستقل علالت کی بنا پر اس سے بھی کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر گوشہ نشینی اور قناعت گزینی میں گذار دی- پروفیسری کے زمانے میں بھی اقبال کے ساتھ یہ مخصوص رعایت تھی کہ وہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کر سکتے تھے اور جج صاحبان کو یہ ہدایت تھی کہ آپ کے مقدمات دن کے آخری حصہ میں پیش ہوا کریں -

اقبال کے خادم علی بخش کا بیان ہے کہ '' جس دن وہ استعفٰی دے کر آئے ، میں نے پوچھا کہ '' شیخ صاحب آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی ؟'' کہنے لگے '' علی بخش انگریز کی ملازمت میں بڑی مشکلیں ہیں - سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنہیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں مگر انگریز کا نوکر رہ کر کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا - اب میں بالکل آزاد

ہوں جو چاہوں کہوں اور جو چاہوں کروں - شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے اب نکل جائے''

اقبال نے تین شادیاں کیں - ان کی پہلی بیوی گجرات کی تھیں۔ ان سے آفتاب اقبال اور ایک بیٹی پیدا ہوئی - بیٹی نے جوانی میں انتقال کیا - اقبال کی یہ بیوی اکثر بیمار رہا کرتی تھیں اس لیے ان کا قیام زیادہ تر اپنے والدین ہی کے یہاں رہا - اقبال ان کو خرچ برابر بھیجتے رہے - ان کا انتقال علامہ کے بعد ہوا -

اقبال کی دوسری بیوی لدھیانہ کی تھیں - ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا ، بیٹے کے بعد وہ زچگی کے امراض کا شکار ہوئیں اور اسی میں وفات پائی - بیٹے نے بھی عالمِ طفولیت میں انتقال کیا -

اقبال کی تیسری بیوی لاہور کی تھیں- ان سے اقبال کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے- جاوید اقبال اور منیرہ بانو- ان بیوی کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا- ان کے انتقال کے بعد اقبال کو چھوٹے بچوں کی تربیت کی فکر دامن گیر ہوئی - چنانچہ اقبال کی خواہش پر خواجہ غلام السیدین نے علی گڑھ سے ایک جرمن خاتون کو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا - اس جرمن خاتون نے اقبال کے چھوٹے بچوں کی تربیت بڑی توجہ سے کی - اقبال خود اس خاتون کے معترف تھے -

اقبال کے اپنے معاصرین سے بڑے اچھے تعلقات تھے - ان کے بیشتر معاصرین ان کے بڑے مداح تھے اور ان معاصرین میں سب ہی قسم کے افراد تھے - علامہ شبلی، مولانا حالی اور حضرت اکبر الہ آبادی آپ کے بڑے قدر دان تھے - ان بزرگوں سے خط و کتابت کے ذریعہ مراسمِ دوستانہ قائم تھے - (چونکہ ان حضرات کے اصلاحی پروگرام سے اقبال کو عملی اتفاق تھا اس لیے یہ اقبال کے کارناموں کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور پسند کرتے تھے) سر عبدالقادر ، نواب سر ذوالفقار علی خان ، مہاراجہ سرکشن پرشاد ، سر راس مسعود ، مولانا سید سلیمان ندوی ، سر محمد شفیع ، سر فضل حسین اور سردار جوگندر سنگھ سے علامہ کے خصوصی تعلقات تھے - اس حلقے میں مولانا محمد علی جوہر ، ڈاکٹر انصاری ، حکیم اجمل خان وغیرہم بھی شامل تھے - ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی بتانا یہاں مقصود نہیں جن سے اقبال کے مراسم تھے - مقصد صرف یہ ہے کہ علامہ کے حلقۂ احباب میں سب ہی قسم کے افراد شامل تھے - مولانا گرامی سے بھی اقبال کے تعلقات خصوصی تھے - اقبال کے سلسلے میں مولانا گرامی کا یہ شعر ضرب المثل کی طرح مشہور ہو گیا ہے -

در دیدۂ معنی نگراں حضرت اقبال
پیغمبریٔ کرد و پیمبر نتواں گفت

اقبال اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ تھے - خلیق اور ملنسار تھے - ملنے والوں کو آپ کے دروازے پر دیر تک انتظار کی زحمت اٹھانی نہیں پڑتی تھی - ہر کہ ومہ سے آپ بے تکلف خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کرتے تھے - آپ کے دوستوں کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ متبسم نظر آتے تھے - ہم نے کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا - کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا تو آپ ضبط کرتے - تحمل اور ضبطِ نفس غایت درجہ کا تھا - عزم، حوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے مالک تھے - جس کی نیت کرتے اس کو تکمیل تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھتے - صداقت اور حق گوئی کو پسند کرتے تھے - تسلیم و رضا کا مجسمہ نظر آتے تھے - تکبر، ریا، جاہ پسندی اور ہوسِ دنیا نام کو بھی آپ میں نہ تھی - تواضع و انکسار آپ کی خو تھی اور نمود و نمائش سے گریز کرتے تھے -

بزرگوں سے عقیدت سے ملتے اور چھوٹوں سے محبت سے پیش آتے تھے - اپنے والد مرحوم اور بڑے بھائی کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کا بہت لحاظ کرتے - ملازمین سے مساوات برتتے تھے -

جس زمانے میں اقبال سیالکوٹ میں تعلیم پاتے تھے اسی وقت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا - مولوی میر حسن مرحوم اپنے کسی شاگرد کو شعر کہنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے - بلکہ بعض حالات میں تو سختی سے منع کر دیتے تھے مگر اقبال کے شعر سن کر ان کی ژرف نگاہی نے شاعر کے جوہر کو معلوم کر لیا اور اس کی ہمت افزائی کی - بعض موقعوں پر تو مولوی میر حسن نے اقبال کے اشعار کی ایسی داد دی جو ایک نو عمر نومشق کو بھٹکا دینے کے لیے کافی ہو سکتی تھی - مگر وہ شاعر جو فطرت سے خاص طور پر شعر کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کی شانِ استغنا داد و تحسین سے بالاتر تھی، اس ہمت افزائی سے اور سنورتا چلا گیا -

اقبال نے جب شاعری شروع کی تو اس وقت داغ دہلوی کا سکہ شاعری کی دنیا میں چل رہا تھا - چنانچہ اقبال نے چند ابتدائی غزلیں داغ کے پاس بغرضِ اصلاح روانہ کیں - داغ نے چند ہی روز کے بعد یہ لکھ بھیجا کہ اب ان میں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے -

جب اقبال لاہور آئے تو یہ وہ زمانہ تھا جب انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے مرجع خاص و عام بنے ہوئے تھے - مولانا حالی، مولانا نذیر احمد دہلوی، میرزا ارشد گورگانی جیسے برگزیدۂ ادب حضرات ان اجتماعات کو اپنی شرکت سے زینت بخشا کرتے تھے - ان محفلوں میں کسی نومشق

شاعر کے لیے مرکزِ توجہ بن جانا اور ایسا چمکنا کہ اپنی تابانی و درخشانی سے آفاق کو خیرہ کر دے ایک غیر معمولی بات تھی - اقبال نے بعض معرکے کی چیزیں ان حضرات کے سامنے پڑھیں اور ان سے خراجِ تحسین حاصل کیا - ایک شعر پر تو میرزا ارشد گورگانی تڑپ اٹھے تھے -

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

غالباً سب سے پہلی نظم جو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے عام جلسے میں سنائی وہ ''نالہ یتیم'' تھی - یہ واقعہ ۱۸۹۹ء کا ہے - یہ دلگداز نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ اقبال کے متلاشی رہا کرتے - علامہ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کر سکتے اور جلسوں میں شرکت کر کے اپنی مؤثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی روتے -'' ہمالہ'' اور ''ترانۂ ہندی'' اسی زمانے کی نظمیں ہیں جو ان ہی جلسوں میں سنائی گئیں اور مقبولِ خاص و عام ہوئیں - انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے -

ایک اجلاس میں مولانا حالی ، ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی ، میرزا ارشد گورگانی،میاں سر محمد شفیع ، میاں سر فضل حسین ، سر شیخ عبدالقادر ،مولانا ابوالکلام آزاد اور خواجہ حسن نظامی جیسے اکابر جمع تھے- رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے - ایک شاعر نے نظم پڑھی ، مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ عطا کیا - سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا - شاعر کی ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ حالی جیسا سخنور اور نقاد اس کے کلام کی داد دے - کچھ دیر کے بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی - یہ وہ وقت تھا کہ ان پر ضعفِ پیری کا اس قدر غلبہ ہو چکا تھا کہ معمولی صحبتوں میں بھی ان کی آواز سننی مشکل ہوتی تھی چہ جائیکہ اس جلسے میں جہاں بے شمار انسانوں کا مجمع تھا لوگ بے قرار تھے کہ خود اس مصلحِ اعظم کی زبانِ فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں - اس لیے عجیب افراتفری سی پیدا ہونے لگی - آخر سر عبدالقادر نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے ، بعد میں یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے -

جب اقبال مولانا حالی کی نظم سنانے کے لیے کھڑے ہوئے تو اول ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے نہایت خوب ہے - کہا تھا-

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشور شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

۱۹۰۵ء میں علامہ ولایت چلے گئے تو انجمن کے اجلاس چند سال تک آپ کے نغموں سے محروم رہے۔ ۱۹۰۸ء میں ولایت سے واپس آئے تو پھر انجمن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ اپریل ۱۹۰۹ء کے اجلاس میں اپنی مشہور و مقبول نظم ''شکوہ'' سنا کر حاضرین سے خراجِ تحسین وصول کیا۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اقبال نے یورپ اور انگلستان میں تین سال قیام کیا۔ یہ تین سال اقبال کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں اقبال نے کیمبرج لندن اور برلن کے کتب خانوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ ساتھ ہی یہاں کے فضلاء سے تبادلۂ خیالات کے سلسلے میں استفادہ بھی کیا۔ یورپ کے قیام میں اقبال نے جب وہاں کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہاں کے بہت سے امراض کی اصل وجہ قومیت کا غلط تصور ہے۔ اس لیے ان کو اس قومیت سے نفرت ہو گئی جو محدود اور تنگ تھی جس کے حدود جغرافیائی تھے بین الاقوامی نہ تھے۔ یہیں اقبال نے یہ بھی محسوس کیا کہ یورپی اقوام اپنے مقصدِ حیات کے لیے کس طرح سر گرم عمل ہیں۔

ایک اور اہم تبدیلی اقبال کے قیام یورپ کے زمانے میں یہ ظہور پذیر ہوئی کہ وہ بجائے اردو کے فارسی میں شعر کہنے لگے۔ اس طرح ان کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچنے لگا۔ ظاہر ہے کہ اردو صرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مادری زبان تھی اور فارسی اس کے مقابلے میں برصغیر کے علاوہ اور ملکوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے نیز یہ کہ اقبال کے ہم وطن بھی فارسی سے کچھ ایسے نابلد نہیں تھے۔

اقبال نے یورپ سے واپسی کے بعد مغربی قومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ خضرِ راہ کا مندرجہ ذیل شعر ان کے مسلک پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے۔

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

اقبال نے ۱۹۳۱ ء اور ۱۹۳۲ء میں یورپ کا پھر سفر کیا - اس سفر میں فرانس کے مشہور فلسفی برگساں سے بھی ملے - آ نزی برگساں اگر چہ پیرس میں اس وقت فالج میں مبتلا تھا لیکن جب اقبال نے اس حدیث نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کیا جس میں کہا گیا ہے کہ زمانے کو برا مت کہو تو وہ بیمار فلسفی اپنی کرسی سے اچھل پڑا -

اقبال نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ عرصے قیام بھوپال میں کیا - یہ ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے - یہیں ان کے تعلقات نواب بھوپال سے استوار ہوئے - نواب صاحب نے ان کی ہر طرح خبر گیری کی - نواب بھوپال اور اقبال کے ان تعلقات کو دیکھ کر ویمر کے ڈیوک اور گوئٹے کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ جس طرح نواب بھوپال نے اقبال کے علاج میں بے دریغ خرچ کیا بالکل اسی طرح ویمر کے ڈیوک نے گوئٹے کے لیے کیا تھا - یہیں بھوپال میں سر راس مسعود اور بیگم راس مسعود نے اقبال کی تیمارداری میں بڑی توجہ اور انہماک سے اپنا وقت صرف کیا -

اقبال مسلم فقہ پر ایک نادر کتاب لکھنا چاہتے تھے اور اسے شروع بھی کر دیا تھا لیکن افسوس کہ موت نے مہلت نہ دی اور یہ نادر کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی -

یہ امر تعجب انگیز تھا کہ فلسفے کی گہرائیوں پر عبور حاصل کرنے کے باوجود اقبال مذہب سے اس قدر متاثر تھے - جب تک ان کو قریب سے نہ دیکھا جائے اس شیفتگی اور عشق کا اندازہ کرنا مشکل ہے جو ان کو اسلام اور رسول کریم ﷺ سے تھا -

قرآن عزیز سے ان کو بہت شغف تھا - وہ بچپن سے بلند آواز سے قرآن پڑھنے کے عادی تھے - قرآن حکیم پڑھتے وقت وہ بے حد متاثر معلوم ہوتے تھے- بیماری کے دنوں میں بھی جب کوئی قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتا تھا تو ان کے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور ان پر لرزش طاری ہو جاتی تھی -

اقبال کی دنیا فطرۃً اصول پرستی سے بے نیاز تھی - وہ عمل کا مدار ایمان اور نیت پر رکھنا چاہتے تھے ،ظواہر ان کے نزدیک معتبر نہ تھے - وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ انسان کیا کرتا ہے یا اس کو کیا کرنا چاہیے بلکہ ان کی نظر اس کے ایقان و اعتقاد پر ہوتی - یہی وجہ تھی کہ وہ اس امر کو ضروری نہ سمجھتے کہ ان کا طرز عمل ضرور ان کے فرمودات یا معاشرے کے مصنوعی اصولوں کے مصداق ہی ٹھہرے - ان کے نزدیک زندگی نہ تو شباب کے نشے میں اس مدہوش نوجوان کی طرح محض نقد عیش تھی جو جوانی کی ہوس پرستی میں غرق ہو کر اس کی ہلاکت آفرینیوں پر غور وفکر سے

کام نہیں لیتا اور نہ اس گمراہ کی طرح مذہب و معاشرے سے بغاوت تھی جو انہیں اپنے رستے میں حائل دیکھ کر ان دونوں کو ٹھکرا دیتا ہے بلکہ ان کی آزادہ روی اس صاحب دل کی سی تھی جو زندگی کے تمام مخالف عناصر سے جنگ کرتا ہوا اس کے ہلاکت خیز طوفانوں میں اپنے تجربات سے جادۂ مستقیم تلاش کر لیتا ہے۔

اقبال کی طبیعت میں عقلیت کا پہلو بہت نمایاں تھا لیکن وہ عقل کی کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عشق یا وجدان ہی ایک ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت موجودات کے تمام اسرار کا انکشاف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اکثر صوفیائے کرام کی روایات بیان کیا کرتے تھے جن سے ان کے اس رجحان کا ثبوت ملتا ہے۔

اقبال کے یہاں جو سوز و گداز اور جذب و وجدان ملتا ہے وہ محض اسلام اور رسول کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ عقیدت کا ثمرہ ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جب اقبال کے سامنے رسول اکرم ﷺ کا اسم مبارک آتا تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

اقبال اپنے استاد مولوی سید میر حسن کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ اسوۂ رسول ﷺ پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ میر حسن سیالکوٹی ہیں۔ وہ اکثر میر حسن کے یہاں کی پرُ لطف صحبتوں کا ذکر کیا کرتے اور کہتے تھے کہ ان کے یہاں ہمیشہ اہل علم کی محفل جمی رہتی تھی۔

۱۹۲۶ء سے علامہ اقبال نے عملی سیاست کی خارزار وادی میں قدم رکھنا شروع کیا اور ۱۹۳۸ء یعنی اپنی وفات تک وہ اس وادی کے کانٹوں میں برابر الجھے ہوئے اپنی منزلیں طے کرتے رہے، البتہ اس دوران میں وہ اپنا دامن کبھی کبھی ان کانٹوں سے بچاتے بھی رہے۔ اقبال کے اس سفرِ زندگی کی تین منزلیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ابتدائی منزل جس کو انہوں نے ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۳۱ء تک طے کیا۔ دوسری منزل جس پر وہ ۱۹۳۵ء میں پہنچے اور تیسری منزل کی مسافت انہوں نے ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک طے کی۔

۱۹۲۶ء سے قبل کے قیام انگلستان کے زمانہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ برٹش آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن بن گئے تھے۔ یہی ان کا عملی سیاسیات سے پہلا تعلق ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کے اندر ابتدائے بیسویں صدی میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان کا علامہ اقبال پر بہرحال اثر ہوا۔ مگر یہ واضح رہے کہ لندن کی یہ برٹش کمیٹی ان معنوں میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ نہ تھی جن معنوں میں آج کل مسلم لیگ کی شاخیں ہوا کرتی ہیں۔ دراصل بات یہ تھی کہ انگلستان

میں جو تعلیم یافتہ ہندوستانی مسلمان جمع ہو جاتے تھے ان کا یہ ایک اجتماعی ادارہ تھا - بعد میں اس ادارے نے سیاسی نوعیت اختیار کر لی اور ہندوستانی سیاسیات کے متعلق وہی نقطۂ نظر اختیار کیا جو آل انڈیا مسلم لیگ کا تھا - اس ادارے کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ سید امیر علی کی قیادت میں اس ادارے نے منٹو مارلے اصلاحات کے سلسلہ میں مسلم نقطۂ نظر کو بڑے مؤثر طریقہ پر انگلستان کے ارباب اقتدار کے سامنے پیش کیا - اس لحاظ سے اقبال کا اس ادارے سے تعلق ان کی ابتدائی سیاسی زندگی کا ایک اہم واقعہ شمار کیا جا سکتا ہے -

علامہ اقبال نے اپنی عملی سیاسی زندگی کے پہلے دور میں نہ صرف پنجاب کی سیاست میں حصہ لیا بلکہ کل ہند سیاسیات میں بھی نمایاں کام انجام دیئے - پنجاب کونسل میں ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے بعض بہت ہی مفید اور اپنے نتائج کے لحاظ سے دور رس تجاویز پیش کیں - کل ہند سیاسیات میں وہ بعض بنیادی مسائل میں اپنی فکر و رائے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے - جداگانہ انتخاب کو وہ مسلمانوں کی حیات قومی کے لیے ضروری سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کسی صورت میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے - تجاویز دہلی سے ان کی مخالفت کی یہی بنیاد تھی - سائمن کمیشن سے انہوں نے تعاون کیا تاکہ مسلم نقطۂ نظر کو پیش کر سکیں اور اس نقصان کی تلافی کی سعی کریں جو میثاقِ لکھنؤ کی وجہ سے مسلمانوں کو پہنچا تھا -

پھر نہرو رپورٹ کے خلاف آواز بلند کی اور آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے جلسے منعقدہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء میں شرکت کی اور مسلم مطالبات کو مدون کرنے میں حصہ لیا - دسمبر ۱۹۳۰ء الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور اپنے خطبہ میں ایک ذمہ دار پبلک پلیٹ فارم سے آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کا نعرہ بلند کیا اور بہت ہی وضاحت کے ساتھ ملک کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ برصغیر میں ایک اسلامی مملکت کی تشکیل کی تجویز پیش کی -

اقبال نے اپنی زندگی کے دوسرے دور میں دوسری گول میز کانفرنس میں حصہ لیا - کل ہند مسلم کانفرنس کی ایسے زمانے میں صدارت کی جب کہ مسلمانوں کا مؤقف دستور ہند میں متعین کیا جانے والا تھا - پھر تیسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور کشمیر اور الور کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لی - اقبال کی ساری سیاسی جدو جہد اس دوران میں اس امر پر مرکوز رہی کہ برصغیر کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مؤقف ہو جس میں انکے جداگانہ حقوق کا تحفظ کیا جائے -

سیاست میں مقدور بھر کوشش کے باوجود اقبال مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں جو کامل اتحاد اور نظم پیدا کرنا چاہتے تھے، اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوسکی - جماعتی انتشار مسلمانوں کی سیاست کا ایک ناسور رہا ہے - اقبال اس ناسور کا انسداد نہ کر سکے - غالبًا ملت کے انتشار اور کچھ اپنی گرتی ہوئی صحت کے باعث مسلم کانفرنس کی صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے ۱۹۳۵ء کے اواخر تک وہ سیاسی مشاغل سے ایک حد تک بے تعلق ہو گئے تھے اور سیاسی جلسوں میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے - ملتِ بیضا کی قومی وحدت کے اس حزنیہ نے انہیں دل شکستہ کر دیا تھا -

باب دوم

تلمیحاتِ قرآن

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغامِ لا تثریب داد

(ص ۴۰/۲۴)

یہاں قرآنِ عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

قال لا تثریب علیکم الیوم ط یغفراللہ لکم وھو ارحم الرّحمین ۔(۹۲/۱۲)
(یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں) آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔
یہی الفاظ (لا تثریب) فتح مکہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے کفار سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے۔

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ انی جاعل سازد ترا

(ص ۱۴/۲۵)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و اذ قال ربّك للملٰئكة انّی جاعل فی الارض خلیفه ط قالوٓا تجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفك الدمآء و نحن نسبّح بحمدك و نقدّس لك ط قال انّی اعلم ما لا تعلمون ۔ (۳۰/۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

❁

پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود
(ص ۴۴/۲۸)

یہاں مصرع ثانی میں معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے۔

اقتربت الساعة وانشقّ القمر ۔(۱/۵۴)

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔

❁

نعرہ زد اے قوم کذابٌ اشر
بے خبر از یوم نحسٍ مستمر
(ص ۳۱/۴۷)

اس شعر میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ء القی الذکر علیہ من بیننا بل ھو کذّاب اشر – سیعلمون غداً من الکذّاب الاشر ۔(۵۴/۲۵-۲۶)

کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے شیخی باز ہے۔ انہیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا۔

انّآ ارسلنا علیھم ریحاً صرصراً فی یوم نحسٍ مّستمر ۔(۱۹/۵۴)

ہم نے ان پر ایک تند ہوا مسلط کی ایک دائمی نحوست کے دن۔

❁

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب
بر خوری از عندہ حسن المآب
(ص ۴۱/۵۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے-

الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت طوبٰی لھم و حسن مآب -(۲۹/۱۳)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے خوشحالی اور خوش انجامی ہے-

می کند از ماسوا قطع نظر
می نہد ساطور بر حلقِ پسر
(ص۵۹/۴۳)

اس شعر میں قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

فلمّا بلغ معه السّعی قال یٰبنیّ انّی اریٰ فی المنام انّی اذبحك فانظر ماذا تریٰ ط قال یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنیٓ ان شآء الله من الصّٰبرین - فلمّآ اسلما و تلّه للجبین - و نادینٰه ان یٰابراھیم - قد صدّقت الرّءیا ج انّا کذٰلك نجزی المحسنین - انّ ھذا لھو لبلٰؤا المبین - وفدینٰه بذبحٍ عظیم -(۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

سو جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے- وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالیے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، آپ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے- پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (وہ وقت ہی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں- بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان- اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا-

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است
(ص۵۹/۴۳)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو نماز کی مدح میں وارد ہوئی ہے-

اتل مآ اوحی الیك من الکتب واقم الصّلٰوة ط ان الصّلٰوة تنھٰی عن الفحشآء و المنکر ط ولذکر الله اکبر ط و الله یعلم ما تصنعون -(۲۹/۴۵)

ترجمہ:۔ جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجیے اور نماز کی پابندی رکھیے، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے۔

۞

دل ز حتّٰی تنفقوا محکم کند
زر فزاید الفت زر کم کند

(ص۵۹/۴۳)

اس شعر کے مصرعِ اولیٰ میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

لن تنالوا البرّ حتّیٰ تنفقوا ممّا تحبّون ط و ما تنفقوا من شیءٍ فانّ الله به علیم-(۹۲/۳)

جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبے) کو نہ پہنچ سکو گے، اور جو کچھ بھی کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

۞

تاجہاں باشد جہاں آرا شوی
تاجدار ملک لا یبلٰی شوی

(صفحہ۶۰/۴۴)

ملک لا یبلٰی کی ترکیب قرآن حکیم کی حسبِ ذیل آیت سے ماخوذ ہے۔

فوسوس الیه الشیطٰن قال یٰآدم هل ادلّك علیٰ شجرة الخلد و ملكٍ لّا یبلی ٗ-(۱۲۰/۲۰)

پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا کہا کہ اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔

۞

مدعائے علم الاسما ستے
سرِّ سبحان الذی اسرا ستے

(ص۶۰/۴۴)

اس شعر کے مصرعِ اولیٰ اور مصرعِ ثانی میں قرآن عزیز کی حسبِ ذیل آیات کی طرف اشارہ ہے۔

وعلّم اٰدم الاسمآء کلّها ثمّ عرضهم علی الملٰئکة فقال انبئونی باسمآء هٰؤلآء ان کنتم صٰدقین - قالوا سبحٰنك لا علم لنا الّا ما علّمتنآ ط انّك انت العلیم الحکیم -(۲/۳۱-۳۲)

اوراللہ نے آدم کونام سکھلا دیئے کل کے کل، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو، وہ بولے تو پاک ذات ہے ہمیں تو کچھ علم نہیں، مگر ہاں وہی جو تو نے ہمیں علم دے دیا۔ بیشک تو ہی ہے بڑا علم والا، حکمت والا-

سبحان الّذیٓ اسریٰ بعبده لیلًا مّن المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الّذی بٰرکنا حوله لنریه من ایتنا ط انّه هو السّمیع البصیر-(۱۷/۱)

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کوراتی رات مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک لے گیا جس کے اردگردکو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تا کہ ان (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں، بیشک سمیع وبصیر (وہی اللہ) ہے-

۞

از عصا دستِ سفیدش محکم است
قدرتِ کامل بعلمش توام است

(ص۴۴/۶۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حضرت موسٰی کے معجزہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے-

فالقیٰ عصاه فاذا هی ثعبان مبین - و نزع یده فاذا هی بیضاء للنّٰظرین -(۷/۱۰۷-۱۰۸)

اس پر (موسٰی) نے اپنا عصا ڈال دیا سووہ دفعتاً ایک صاف اژدھا بن گیا اور (موسٰی نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے روبرو یک بیک خوب روشن تھا-

۞

خشک سازد ہیبتِ او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را

(ص۴۵/۶۱)

اقبال نے شہرت عام کی بنا پر یہاں دریائے نیل کا ذکر کیا ہے حالانکہ جس دریا سے حضرت موسیٰ گذرے اور جس میں فرعون غرق ہوا وہ بحر احمر تھا نہ کہ دریائے نیل۔ اس میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا ترآء الجمعٰن قال اصحٰب موسیٰ انّا لمدرکون - قال کلّآ انّ معی ربّی سیہدین - فا و حینآ الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر ط فا نفلق فکان کل فرق کا لطّود العظیم - واز لفنا ثمّ الا خرین - وانجینا موسٰی و من معه اجمعین - ثمّ اغرقنا الا خرین -(۲۶/۶۱-۶۶)

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (موسیٰ نے) فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا میں مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچا لیا پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا۔

❁

مرسلِ حق کرد نامش بوتراب
حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
(ص ۶۳/۴۷)

یداللہ کا خطاب حضرت علیؓ کے لیے قرآن پاک سے ثابت نہیں ہے۔

❁

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آزر من ز ابراہیم دور
(ص ۷۴/۵۸)

آزر کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

و اذ قال ابراهیم لا بیه اٰزر اتتّخذ اصناماً الهةً ج انّی اراك و قومك فی ضلٰل مّبین (۶/۷۴)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں۔

❁

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

(ص۶۰/۷۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

صبغته الله و من احسن من الله صبغةً و نحن له عٰبدون ۔(۱۳۸/۲)

(ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے؟ ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں۔

❁

خیمہ در میدان الا اللہ ز دست
در جہاں شاہد علی الناس آمدست

(ص۶۰/۷۶)

مصرع ثانی کا مفہوم قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وكذلك جعلنٰكم امّة و سطا لّتكونوا شهداء على النّاس و يكون الرّسول عليكم شهيداً ط(۱۴۳/۲)

اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے، تا کہ تم گواہ رہو لوگوں پر، اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

❁

از ہوس آتش بجاں افروختے
تیغ را ھل من مزید آموختے

(ص۶۱/۷۷)

ھل من مزید قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

يوم نقول لجهنّم هل امتلات و تقول هل من مّزيد ۔(۳۰/۵۰)

ترجمہ:۔(اور انہیں یاد دلائیے) وہ دن جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟

❁

علم مسلم کامل از سوز دل است
معنی اسلام ترک آفل است

(ص۸۱/۶۵)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا جنّ علیہ الّیل را کوکبا قال ھذا ربّی فلمّآ افل قال لآ احبّ الافلین۔ فلمّا رء ا القمر بازغاً قال ھذا ربی فلمّآ افل قال لئن لّم یھدنی ربّی لاکوننّ من القوم الضّآلّین۔ فلمّا رء ا الشّمس بازغۃً قال ھذا ربّی ھذآ اکبرج فلمّآ افلت قال یقوم انّی برئٓءٌ ممّا تشرکون۔(۶/۷۶-۷۸)

تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر چھا گئی، انہوں نے ایک تارے کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو! میں اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو۔

۞

چوں ز بند آفل ابراہیم رست
درمیان شعلہ ھا نیکو نشست

(ص۸۱/۶۵)

تلمیح کے لیے سطور بالا ملاحظہ ہوں۔

۞

حرف اقرا حق بما تعلیم کرد
رزق خویش از دست ما تقسیم کرد

(ص۸۸/۷۲)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اقرا باسم ربّك الّذی خلق (۹۶/۱)

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔

۞

آیتے بنماز آیات مبیں
تا شود اعناق اعدا خاضعین

(ص۳ے۸۹/)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ان نّشا ننزّل علیهم مّن السّماء ء ایةً فظلّت اعناقهم لها خاضعین۔ (۴/۲۶)

ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں۔

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

اہل حق را رمزِ توحید ازبر است
در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است

(ص ۸۸/۱۰۴)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا ء اتی الرحمٰن عبداً (۱۹/۹۳)

(جتنے) جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔

۞

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل
از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل

(ص ۹۰/۱۰۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ھواجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط ملتہ ابیکم ابراھیم ط (۲۲/۷۸)

اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو)۔

۞

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزو ست
زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

(ص ۹۱/۱۰۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علٰی انفسہم لا تقنطوا من رحمته الله ط ان الله یغفرالذنوب جمیعاً ط انه هو الغفور الرحیم -(۵۳/۳۹)

آپ (میری طرف سے) کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو جو اپنے اوپر زیادتیاں کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو- بیشک اللہ سارے گناہ معاف کر دے گا بیشک وہ بڑا غفور بڑا رحیم ہے-

۞

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر
از نبی تعلیمِ لا تحزن بگیر
(ص۹۲/۱۰۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

الا تنصروه فقد تصره الله اذ اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه وایده بجنود لم تروها و جعل کلمة الذین کفرو ا السفلٰی ط و کلمة الله هی العلیا ط والله عزیز حکیم -(۹/۴۰)

اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جب کہ ان کو کافروں نے وطن سے نکال دیا تھا جبکہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے سو اللہ نے اپنی تسلی ان (رسول) کے اوپر نازل کی اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنھیں تم لوگوں نے نہ دیکھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات اونچی رہی اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے-

۞

قوتِ ایماں حیات افزایدت
وردِ لا خوف علیہم بایدت
(ص۹۲/۱۰۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- اس کے علاوہ متعدد آیات میں بھی اس سے ملتے ہوئے الفاظ اور مفہوم موجود ہے-

بلٰی من اسلم وجهه لله و هو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون (۲/۱۱۲)

ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لیے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلب او از لاتخف محکم شود

(ص۹۲/۱۰۸)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں فرعون کے دربار میں لاٹھیوں کو جادو سے سانپ بنتے دیکھ کر حضرت موسیٰ کو خوف ہوا تھا۔

فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ – قلنا لا تخف انك انت الاعلیٰ (۲۰/۶۷-۶۸)

اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا، ہم نے کہا ڈرو نہیں، غالب تو یقیناً تم ہی رہو گے۔

تارکِ آفل براہیم خلیل
انبیا را نقش پائے او دلیل

(ص۹۶/۱۱۲)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

آں خدائے لم یزل را آیتے
داشت در دل آرزوئے ملتے

(ص۹۶/۱۱۲)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربنا و اجعلنا مسلمین لك و من ذریتنآ امة مسلمة لك ص وارنا مناسکنا و تب علینا انك انت التواب الرحیم –(۲/۱۲۸)

اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا دے اور ہماری نسل سے ایک فرماں بردار امت پیدا کر اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے اور ہمارے حال پر توجہ رکھ۔ یقیناً تو تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

جوئے اشک از چشمِ بیخوابش چکید
تا پیامِ طہرا بیتی شنید

(ص ۱۱۳/۹۷)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔

و اذ جعلنا البيت مثابةً للناس و امنا واتخذو من مقام ابراهيم مصلیٰ وعهدنا الٰی ابراهيم و اسمٰعيل ان طهرا بيتی للطآئفين و العٰكفين و الركع السجود۔(۱۲۵/۲)

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کولوگوں کے لیے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا، اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو، طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

بہرِ ما ویرانہ آباد کرد
طائفاں را خانہ بنیاد کرد

(ص ۱۱۳/۹۷)

اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربنآ انیٓ اسكنت من ذريتی بواد غير ذی زرع عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلوة فاجعل افئدة من الناس تهویٓ اليهم و ارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون ۔(۳۷/۱۴)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے معظم گھر کے قریب (یہ اس لیے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں۔

تا نہال تب علینا غنچہ بست
صورتِ کارِ بہارِ ما نشست

(ص ۱۱۳/۹۷)

دیکھیے صفحہ ۲۶ (قرآن ۱۲۸/۲)

آں کہ شان اوست یھدی من یرید
از رسالت حلقہ گردِ ما کشید

(ص ۹۷/۱۱۳)

یہاں مصرعِ اولیٰ میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و کذلک انزلنه ایت بینت و ان الله یهدی من یرید-(۲۲/۱۶)

اوراسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بنا کر) اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کے لیے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے۔

قلبِ مومن را کتابش قوت است
حکمتش حبل الوریدِ ملت است

(ص ۹۸/۱۱۴)

حبل الورید کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے لیکن اقبال نے اپنے شعر میں حکمت قرآنی کو حبل الورید قرار دیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس به نفسه و نحن اقرب الیه من حبل الورید -(۵۰/۱۶)

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک کو) جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں ہم تو اس کی رگ گردن سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِؐ ما رسالت ختم کرد

(ص ۹۸/۱۱۴)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ط(۵/۳)

آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کر لیا۔

ما کان محمد ابآ احد من رجا لکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین ط و کان الله بکل شیءٍ علیماً – (۳۳/۴۰)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۞

مرسلاں و انبیا آبائے او
اکرمِ او نزد حق اتقائے او

(ص۱۰۰/۱۱۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عندالله اتقکم ط ان الله علیم خبیر –(۴۹/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے پرہیز گار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے بیشک اللہ جاننے والا ہے پورا خبر دار ہے۔

۞

کل مؤمن اخوۃ اندر دلش
حریت سرمایہء آب و گلش

(ص۱۰۰/۱۱۶)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون –(۴۹/۱۰)

بیشک مسلمان (آپس میں) بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

۞

ہمچو سرو آزاد فرزندانِ او
پختہ از قالوا بلٰی پیمانِ او

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و اذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم وا شهدهم علىٓ انفسهم الست بربكم ط قالوا بلىٰ ج شهدنآ ج ان تقولوا يوم القيمته انا كنا عن هذا غفلين -(۱۷۲/۷)

اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو اور خود انہی کو ان کی جانوں پر گواہ کیا (اور کہا) کہ میں تیرا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے ضرور ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

۞

گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات

(ص ۱۰۳/۱۱۹)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و لكم فى القصاص حيوة ياولى الالباب لعلكم تتقون -(۱۷۹/۲)

اور تمہارے لیے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

۞

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیۂ بالعدل و الاحسان خواند

(ص ۱۰۳/۱۱۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان اللّٰه يامر بالعدل والاحسان و ايتائى ذى القربىٰ و ينهى عن الفحشآء والمنكر والبغى ج يعظكم لعلكم تذكرون -(۹۰/۱۶)

بیشک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں یہ پند دیتا ہے اس لیے کہ تم نصیحت قبول کرو۔

۞

اللہ اللہ باے بسم اللہ پدر
معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

دیکھیے صفحہ ۱۷ (قرآن ۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

۞

درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ھو اللہ در کتاب

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قل ھو اللّٰہ احد-(۱۱۲/۱)

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔

۞

آں کہ در قرآں خدا اورا ستود
آں کہ حفظِ جانِ او موعود بود

(ص ۱۰۸/۱۲۴)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واصبر لحکم ربك فانك باعيننا-(۵۲/۴۸)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہیے اس لیے کہ آپ تو عین ہماری حفاظت میں ہیں۔

۞

جنتے جستند در بئس القرار
تا احلوا قومھم دارالبوار

(ص ۱۱۰/۱۲۶)

اس شعر میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

الم تر الی الذین بدلوا نعمت الله کفراً واحلوا قومهم دارلبوار- جهنم یصلو نها ط و بئس القرار-(۱۴/۲۸-۲۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے-

گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد
از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد

(ص۱۱۳/۱۲۹)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

و لکل امة اجل ج فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعته ولا یستقدمون-(۷/۳۴)

اور ہر امت کے لیے ایک میعاد معین ہے سو جب ان کی میعاد معین آ جاتی ہے تو وہ ایک ساعت پیچھے نہ ہٹ سکیں گے اور نہ آ گے بڑھ سکیں گے-

امت مسلم ز آیاتِ خداست
اصلش از ہنگامۂ قالوا بلیٰ ست

(ص۱۱۳/۱۲۹)

دیکھیے صفحہ ۳۰ (قرآن ۷/۱۷۲)

از اجل ایں قومِ بے پرواستے
استوار از نحن نزلنا ستے

(ص۱۱۳/۱۲۹)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون-(۱۵/۹)

(اس) نصیحت نامہ کو ہم نے ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں-

تا خدا ان یطفئوا فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است

(ص۱۱۳/۱۲۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر کے تحت رموز کے فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ شعر کے حوالے والی آیت سے مختلف ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم و یا بی اللہ الآ ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ۔(۹/۳۲)

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نا منظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار گزرے۔

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

(ص۱۱۵/۱۳۱)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ذلك الكتاب لا ريب فيه ج (۲/۲)

یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں۔
نیز اس مصرع میں قرآن حکیم کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ ج لا تبدیل لکلمٰت اللہ ط ذلک ھوالفوز العظیم ۔(۱۰/۶۴)

ان کے لیے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

نوعِ انسان را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمتہ للعالمیں

(ص۱۱۵/۱۳۱)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے-

و ما ارسلنك الا رحمته للعٰلمین -(۲۱/۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لیے بھیجا ہے-

۞

آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت
سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت

(ص ۱۳۲/۱۱۶)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- اس شعر کے تحت فٹ نوٹ میں جو آیت دی گئی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی-

لو انزلنا هذا القرء ان علی جبل لرایته خاشعاً متصدعا من خشیته اللّٰه ط و تلك الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون -(۵۹/۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا اور ہم ان عجب (موثر) مضمونوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں-

۞

قطع کردی امر خود را در زبر
جادہ پیمائی الیٰ شئ نکرُ

(ص ۱۳۲/۱۱۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

فتقطعوٓا امرهم بینهم زبراً ط کل حزب بما لدیهم فرحون -(۲۳/۵۳)

پر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اس میں مگن ہے-

اور دوسرے مصرع میں قرآن حکیم کی ایک آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے-

یوم یدع الداع الی شیءٍ نکر -(۵۴/۶)

جس روز ایک بلانے والا (فرشتہ) انہیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا-

۞

من شنیدستم ز نباضِ حیات
اختلافِ تست مقراضِ حیات

(ص ۱۱۹/۱۳۵)

مصرع ثانی کا مضمون قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

واطیعوا اللّٰہ و رسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم واصبروا ط ان اللّٰہ مع الصبرین۔(۸/۴۶)

اوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

❁

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

(ص ۱۱۹/۱۳۵)

اس شعر میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا و اذکرو نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذ کم منها ط کذلك یبین اللّٰہ لکم ء ایتہ لعلکم تهتدون۔(۳/۱۰۳)

اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم) دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اس کے انعام سے (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے تاکہ تم راہ یاب رہو۔

❁

می ندانی آیۂ ام الکتاب
امتِ عادل ترا آمد خطاب

(ص ۱۳۲/۱۴۸)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۲/۱۴۳)

❁

امیے، پاک از ہویٰ گفتارِ او
شرحِ رمزِ ماغویٰ گفتارِ او

(ص۱۴۸/۱۲۳)

یہاں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

والنجم اذا ھویٰ - ما ضل صاحبکم و ما غویٰ - و ما ینطق عن الھویٰ -(۵۳/۱-۳)

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر ہو لیے اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔

۞

جلوہ در تاریکیِ ایام کن
آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

(ص۱۴۹/۱۳۳)

دیکھیے صفحہ ۲۸، (قرآن ۳/۵)

۞

تو کہ مقصود خطاب انظری
پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری

(ص۱۵۲/۱۳۶)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں آیۂ قرآنی کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

انظر کیف نصرف الاٰیت ثم ھم یصدفون -(۶/۴۶)

آپ دیکھئے کہ ہم کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رخی کیے ہوئے ہیں۔

۞

علمِ اسما اعتبارِ آدم است
حکمت اشیا حصارِ آدم آست

(ص۱۵۳/۱۳۷)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲/۳۱-۳۲)

۞

پوشش عریانیِ مرداں زن است
حسنِ دلجو عشق را پیراہن است

(ص۱۴۱/۱۵۷)

اس شعر میں قرآن کریم کی آیت کے حسب ذیل ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ھن لباس لکم و انتم لباس لھن ط۔(۲/۱۸۷)

وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

۞

بانوے آن تاجدارِ ھل اتیٰ
مرتضےٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا

(ص۱۴۳/۱۵۹)

تاجدار ھل اتیٰ سے مراد حضرت علی مرتضیٰ ہیں جن کے ایثار اور فیاضی کی (بقول بعض مفسرین) حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس اس طرح مدح فرمائی ہے۔

ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً۔(۷۶/۱)

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔

و یطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً۔(۷۶/۸)

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے۔

۞

ہمت او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

(ص۱۴۶/۱۶۲)

دیکھیے صفحہ ۲۵، (قرآن ۹/۴۰)

۞

آں نگاہش سِرِّ ما زاغ البصر
سوئے قومِ خویش باز آید اگر

(ص۱۵۰/۱۶۶)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ما زاغ البصر و ما طغیٰ (۱۷/۵۳)

ان (پیغمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔

۞

خرقہ لا تحزنوا اندر برش
انتم الا علون تاجے بر سرش

(ص ۱۷۰/۱۵۴)

یہاں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۔(۱۳۹/۳)

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔

۞

از منات و لات و عزیٰ و ہبل
ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(ص ۱۷۲/۱۵۶)

منات و لات اور عزیٰ بتوں کے نام قرآن مجید کی ان آیات میں ملتے ہیں۔

افرء یتم اللٰت و العزیٰ – و منوة الثالثة الا خریٰ ۔(۱۹/۵۳-۲۰)

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے۔

۞

پیام مشرق

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دیدہَ اے خسروِ کیواں جناب
آفتابِ ما توارت بالحجاب

(ص ۱۹۹/۲۳)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

از عرض علیه بالعشی الصٰفنٰت الجیاد – فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتٰی تورات بالحجاب -(۳۱/۳۸-۳۲)

ترجمہ:۔(وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا۔

❁

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

(ص ۲۰۱/۲۵)

یہاں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یؤتی الحکمة من یشآء ج و من یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیرا ط وما یذکر الآ اولوا الالباب -(۲۶۹/۲)

وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہو گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گئی اور نصیحت تو بس صاحبان فہم ہی قبول کرتے ہیں۔

❁

گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زبانِ او چکید

(ص ۲۰۱/۲۵)

رب زدنی کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

فتعلی الله الملك الحق ج ولا تعجل بالقرء ان من قبل ان يقضىٓ اليك وحيه و قل رب زدنى علماً ۔(۱۱۴/۲۰)

سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجیے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو۔

۞

علم اشیا علم الاسما ستے
ہم عصا وہم یدِ بیضا ستے

(ص ۲۰۱/۲۵)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲/۳۱-۳۲)، (قرآن ۷/۱۰۷-۱۰۸)

۞

بروں از ورطۂ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیم معمارِ حرم شو

(ص ۲۱۳/۳۷)

دیکھیے صفحہ ۲۷، (قرآن ۱۴/۳۷)

۞

دیدم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز 'يسفك الدماء' خصیم مبیں، نبود

(ص ۲۸۹/۱۱۳)

''يسفك الدما'' کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵، (قرآن ۲/۳۰)

''خصیم مبین'' کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے-

او لم یر الانسان انا خلقنٰه من نطفة فاذا هو خصیم مبین -(۳۶/۷۷)

کیا انسان کی نظر اس پر نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو وہ کھلا ہوا ایک معترض بن بیٹھا-

۞

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤد

(ص ۱۱۷/۲۹۳)

حضرت داؤد کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے-

انّا سخّرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والا شراق - والطیر محشورةط کل له اوّاب -(۳۸/۱۸-۱۹)

ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے-

۞

بانگ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

(ص ۵۲/۳۶)

کوثر و تسنیم جنت کی دو نہروں کے نام ہیں جن کا ذکر قرآن عزیز میں اس طرح آیا ہے۔

انا اعطینٰك الكوثر۔(۱/۱۰۸)

ہم نے آپکو خیرِ کثیر عطا کی ہے۔

ومزاجه من تسنيم۔عینا يشرب بها المقربون۔(۸۳/۲۷-۲۸)

اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی وہ چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

❁

تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

(ص ۷۳/۵۷)

طائرِ سدرہ آشنا سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ سدرہ اور جبریل کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیات میں ملتا ہے۔

ولقد رءاه نزلة اخرى – عند سدرة المنتہیٰ۔(۵۳/۱۳-۱۴)

اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔

❁

صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق
آوازِ کُن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

(ص ۷۶/۶۰)

کُن کا لفظ قرآن حکیم میں متعدد جگہ آیا ہے- یہاں ایک مقام نقل کیا جاتا ہے-

انمآ امرہٓ اذآ اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون -(۸۲/۳۶)

وہ تو بس جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے-

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کُن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

(ص۶۰/۷۶)

دیکھیے حوالہ سابقہ

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشّمس کی تفسیریں ہیں

(ص۷۰/۸۶)

والشّمس قرآن عزیز کی اکیانویں سورۃ کا نام ہے جس میں اللہ تعالٰی نے شمس (آفتاب وغیرہ) کی قسم کھائی ہے-

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھا ، وہ اٹھایا تو نے

(ص۷۱/۸۷)

یہاں بزم قدرت انسان سے مخاطب ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے-

انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض و الجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها و حملها الانسان ؕ انه کان ظلوماً جهولاً -(۷۲/۳۳)

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی سوان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈرے اور اسے انسان نے اپنے ذمے لے لیا بیشک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے-

طلسم ظلمت شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا
(ص۷۲/۸۸)

قرآن حکیم کی ۲۴ ویں سورۃ کا نام سورۃ نور ہے۔

❁

قصہء دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخیِ افسانۂ دل
(ص۷۷/۹۳)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولما جاء موسٰی لمیقاتنا و کلمه ربه قال رب ارنیٓ انظر الیك ط قال لن ترٰنی ۔(۷/۱۴۳)

اور جب موسٰی ہمارے وقت (موعود) پر آ گئے اور ان سے ان کا پروردگار ہم کلام ہوا، موسیٰ بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتے۔

❁

شجر ہے فرقہ آرائی ، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
(ص۸۶/۱۰۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔اگرچہ آیۂ کریمہ میں فرقہ آرائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

وقلنا یآء ا دم اسکن انت و زوجك الجنة و کلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذا الشجرة فتکونا من الظلمین – فازلهما الشیطن عنها فاخرجهما مما کانا فیه ص۔(۲/۳۵-۳۶)

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اس درخت کے باعث اور جس میں تھے اس سے انہیں نکلوایا۔

❁

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اولیں میں نے

(ص۱۰۸/۹۲)

دیکھیے صفحہ ۳۰، (قرآن ۷/۱۷۲)

❁

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

(ص۱۰۸/۹۲)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۷/۱۰۷-۱۰۸)

❁

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر، چھوڑ کر زمیں میں نے

(ص۱۰۸/۹۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و قولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول الله ج و ما قتلوه وما صلبوه و لكن شبه لهم ط و ان الذين اختلفوا فيه لفى شك منه ط ما لهم به من علم الا اتباع الظن ج و ما قتلوه يقيناً- بل رفعه الله اليه و كان الله عزيزاً حكيماً-(۴/۱۵۷-۱۵۸)

اور بہ سبب ان کے اس قول کے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مار ڈالا جو مسیح اور اللہ کے پیمبر تھے حالانکہ نہ وہ آپ کو مار ڈال سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا پائے بلکہ ان پر شبہ ڈال دیا گیا اور یہ لوگ آپ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ آپ کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے اور یقینی بات ہے کہ انہوں نے آپ کو مار نہیں ڈالا بلکہ آپ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بڑا قوت والا ہے حکمت والا ہے۔

❁

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا

(ص۱۱۴/۹۸)

قرآن حکیم میں سفینۂ نوح کا ذکر اس طرح آتا ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ جودی جو طور سینا کی ایک چوٹی ہے، بلاد عراق میں واقع ہے- علامہ کو یہاں سہو ہوا کہ جودی کو ہندوستان سے منسوب کر دیا-

واستوت علی الجودی -(۱۱/۴۴)

اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر-

جائے حیرت ہے برا سارے زمانے کا ہوں میں
مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر ہوا

(ص ۱۱۰/۱۲۶)

اس شعر کا مفہوم قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے-

ولقد کرّمنا بنیٓ آدم وحملنٰھم فی البرّ و البحر و رزقنٰھم من الطّیبٰت و فضّلنھم علیٰ کثیرٍ ممّن خلقنا تفضیلاً -(۱۷/۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے-

کچھ دکھانے دیکھنے کا تھا تقاضا طور پر
کیا خبر ہے تجھ کو اے دل فیصلہ کیوں کر ہوا ؟

(ص ۱۱۰/۱۲۶)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

(ص ۱۱۲/۱۲۸)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(ص ۱۱۴/۱۳۰)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اقبال نے اہل فقر کے ہاتھوں کو حضرت موسیٰ کے دست مبارک (ید بیضا) سے نسبت دی ہے۔

واضمم يدك الىٰ جناحك تخرج بيضآء من غير سوءٍ اية اخرى۔ (۲۲/۲۰)

اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی۔

ذرا سا تو دل ہوں ، مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

(ص ۱۳۱/۱۱۵)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۱۴۳/۷)

سختیاں کرتا ہوں دل پر ، غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں ، جاہل ہوں میں

(ص ۱۳۲/۱۱۶)

دیکھیے صفحہ ۴۳، (قرآن ۷۲/۳۳)

شوخی سی ہے سوال مکرر میں اے کلیم
شرط رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

(ص ۱۳۳/۱۱۷)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۱۴۳/۷)

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیام عیش و سرور
نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور

(ص ۱۵۲/۱۳۶)

شراب طہور کی ترکیب قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

و سقٰهم ربهم شراباً طهوراً۔ (۲۱/۷۶)

اور ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔

مجھے فریفتۂ ساقیِ جمیل نہ کر
بیانِ حور نہ کر ، ذکرِ سلسبیل نہ کر
(ص ۱۵۲/۱۳۶)

سلسبیل کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آتا ہے-

عیناً فیها تسمّٰی سلسبیلاً -(۷۶/۱۸)

یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا اور اس کا نام سلسبیل ہوگا-

۞

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں
(ص ۱۶۴/۱۴۸)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

۞

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر ، حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں
(ص ۱۶۵/۱۴۹)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

۞

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللّٰہ احد کہتے تھے
(ص ۱۹۳/۱۷۷)

دیکھیے صفحہ ۳۱، (قرآن ۱۱۲/۱)

۞

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
(ص ۲۳۳/۲۱۷)

قلبِ سلیم کی ترکیب قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتی ہے-

الاّ من اتی اللّٰه بقلبٍ سلیم -(۲۶/۸۹)

مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے-

۞

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

(ص ۲۲۰/۲۳۶)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی حسب ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و رفعنا لك ذكرك -(۹۴/۴)

اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

''کشتیٔ مسکین'' و ''جانِ پاک'' و ''دیوارِ یتیم''
علم موسٰی بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(ص ۲۶۸/۲۸۴)

اس شعر میں حضرت موسٰی اور حضرت خضر کی اس ملاقات کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے۔

فانطلقا حتّیٰ اذا ركبا فی السفينة خرقها ط قال اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شيئاً امراً – قال الم اقل انّك لن تستطيع معی صبراً – قال لا تؤاخذنی بما نسيت ولا ترهقنی من امری عسراً –فانطلقا حتّیٰ اذا لقيا غلما فقتله لا قال اقتلت نفساً زكية بغير نفس ط لقد جئت شيئاً نكراً – قال الم اقل لك انّك لن تستطيع معی صبراً – قال ان سالتك عن شی بعدها فلا تصٰحبنی ج قد بلغت من لدنّی عذراً – فانطلقا حتّیٰ اذآ اتيآ اهل قرية ن استطعمآ اهلها فابوا ان يضيّفوهما فوجدا فيها جداراً يريد ان ينقضّ فاقامه ط قال لو شئت لتّخذت عليه اجراً – قال هذا فراق بينی و بينك ج سانبئك بتاويل مالم تستطع عليه صبراً – امّا السفينة فكانت لمسٰكين يعملون فی البحر فاردتّ ان اعيبها وكان ورآء هم ملك ياخذ كلّ سفينةٍ غصباً – و اما الغلٰم فكان ابواه مومنين فخشينآ ان يرهقهما طغياناً و كفراً – فاردنآ ان يبدلهما ربهما خيراً منه زكوٰةً و اقرب رحماً – وامّا الجدار فكان لغلٰمين يتيمين فی المدينة و كان تحته كنز لّهما وكان ابوهما صالحاً ج فاراد ربك ان يبلغآ اشدهما ويستخرجا كنزهما رحمة من ربّك ج وما فعلته عن امری ط ذلك تاويل مالم تسطع عليه صبراً –(۱۸/۷۱-۸۲)

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لیے سوراخ کر دیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً آپ نے بہت بڑی بات کر ڈالی (خضر نے) کہا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکیں گے (موسیٰ نے) کہا میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجیے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے (اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔ (خضر نے) کہا میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا۔ (موسیٰ نے) کہا (اچھا اب) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیے۔ بیشک آپ میرے بارے میں حد عذر کو پہنچ چکے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا سو انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی سو خضر نے اسے سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی لے لیتے خضر بولے (بس) یہ وقت میری آپ کی علیحدگی کا ہے۔ اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کیے دیتا ہوں جن کے بارے میں آپ ضبط نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا۔ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا۔ سو ہم نے یہ چاہا کہ اس کے عوض ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا دفینہ تھا۔ اور ان کا باپ ایک مرد صالح تھا سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں اور اپنا دفینہ نکال لیں۔ (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ (کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

❁

وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل
(ص ۲۷۰/۲۸۶)

دیکھیے صفحہ ۲۲، (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

❁

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیہء ان الملوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

(ص۲۷۳/۲۸۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قالت انّ الملوك اذا دخلوا قريةً افسدوها و جعلوٓا اعزّة اهلهآ اذلة و كذٰلك يفعلون ۔(۲۷/۳۴)

وہ بولی بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ وبالا کر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جوعزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح (یہ لوگ) کریں گے۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

(ص۲۸۰/۲۹۶)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

ان الله لا يخلف الميعاد۔(۳/۹)

بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(ص۲۹۴/۳۱۰)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

قالوا حرّقوه وانصروٓا ء الهتكم ان كنتم فٰعلين ۔ قلنا ينار كوني برداً و سلٰماً علىٓ ابراهيم ۔ وارادوا به كيداً فجعلنٰهم الا خسرين ۔(۲۱/۶۸-۷۰)

(وہ لوگ) بولے انہیں تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے۔ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا اور ابراہیم کے حق میں اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا۔

یہ ''لسان العصر'' کا پیغام ہے
ان وعد اللہ حق یاد رکھ

(ص ۳۱۱/۲۹۸)

مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے- یہاں ''لسان العصر'' سے مراد خود زمانہ ہے-

فاصبر انّ وعدالله حق ط (۳۰/۶۰)

سو آپ صبر کیجیے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے-

❁

حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا ''وقد كنتم به تستعلجون''

(ص ۳۲۲/۳۰۶)

مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے-

قل ارء يتم ان اتٰكم عذابه بياتاً اونهاراً مّاذا يستعجل منه المجرمون- اثمّ اذا ما وقع آمنتم به ط ء آلئٰن وقد كنتم به تستعجلون -(۱۰/۵۰-۵۱)

آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے جس کے لیے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں- کیا جب وہ آ ہی پڑے گا جب اس کا یقین کرو گے؟ ہاں اب! حالانکہ تم اس کی تو جلدی مچایا کرتے تھے-

❁

''کھل گئے'' یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ''ینسلون''

(ص ۳۲۲/۳۰۶)

یہاں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے-

حتیٰٓ اذا فتحت ياجوج و ماجوج و هم من كلّ حدب ينسلون -(۲۱/۹۶)

یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں-

❁

حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(ص۳۰۸/۳۲۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و ان لّیس للانسان الّا ماسعیٰ ۔(۵۳/۳۹)

اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

ہمیں دریا ہمیں چوبِ کلیم است
کہ از وے سینۂ دریا دونیم است

(ص ۴۳۲/۸۸)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲۶/۶۱-۶۶)

نصیبِ خود ز بوئے پیرہن گیر
بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(ص ۴۳۷/۹۳)

اس شعر میں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجه ابی یات بصیراً ج واتونی باھلکم اجمعین- ولما فصلت العیر قال ابوھم انّی لاجد ریح یوسف لو لآ ان تفنّدون-قالوا تالله انّك لفی ضللٰك القدیم-فلمّآ ان جآء البشیرالقٰه علیٰ وجھه فارتدّ بصیراً ج قال الم اقل لّکم ج انّی اعلم من الله مالا تعلمون-(۱۲/۹۳-۹۶)

(اب تم) میرے اس پیراہن کو لیے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ہے اور ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے (لوگوں نے) کہا بخدا آپ تو اپنے اس قدیم وہم میں (مبتلا) ہیں پھر جب خوش خبری لانے والا آ پہنچا تو اس نے وہ پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں (یعقوب نے) فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے۔

مجو مطلق دریں دیرِ مکافات
کہ مطلق نیست جز نور السمٰوات

(ص۹۳/۴۳۷)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے-

اللہ نور السّمٰوٰت والارض ط مثل نورہ کمشکٰوۃٍ فیھا مصباحٌ ط المصباح فی زجاجۃٍ ط الزّجاجۃ کانّھا کو کب درّیٌّ یوقد من شجرۃٍ مّبٰرکۃٍ زیتونۃٍ لّا شرقیّۃٍ ولا غربیّۃٍ یکاد زیتھا یضیٓءُ ولولم تمسسہ نار ط نور علیٰ نور ط یھدی اللہ لنورہ من یّشاء ط و یضرب اللہ الامثال للنّاس ط و اللہ بکلّ شیءٍ علیمٌ -(۲۴/۳۵)

اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے نہ پچھّم رخ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگر چہ آگ اسے نہ بھی چھوئے -نور ہی نور ہے اللہ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے-

۞

مہ و سالت نمی ارزد بیک جو
بحرف ''کم لبثتم ''غوطہ زن شو

(ص۹۴/۴۳۸)

'' کم لبثتم '' قرآن مجید کی مندرجہ آیات سے ماخوذ ہے-

قٰل کم لبثتم فی الارض عدد سنین – قالوا لبثنا یوماً او بعض یومٍ فسئل العآدّین– قٰل ان لّبثتم الا قلیلاً لّو انّکم کنتم تعلمون-(۲۳/۱۱۲-۱۱۴)

ارشاد ہوگا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے- وہ کہیں گے ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گنتے والوں سے پوچھ لے- ارشاد ہوگا کہ بیشک (تم دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھے رہے ہوتے-

۞

حکیماں مردہ را صورت نگارند
یدِ موسیٰ دمِ عیسےٰ ندارند
(ص۹۵/۴۳۹)

''دم عیسٰی''میں آیت ذیل کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے۔

و اذ تخلق من الطّین کھیئة الطّیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیراً باذنی ج (۵/۱۱۰)

اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے پھر تم اس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔

۞

چہ گویم از 'من' و از توش و تابش
کند 'انا عرضنا' بے نقابش
(ص۱۰۰/۴۴۴)

دیکھیے صفحہ ۴۳، (قرآن ۳۳/۷۲)

۞

جہاں یکسر مقامِ آفلین است
درین غربت سرا عرفان ہمین است
(ص۱۱۰/۴۵۴)

دیکھیے صفحہ ۲۲، (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

۞

الست ، از خلوت نازے کہ برخاست
بلیٰ ، از پردۂ سازے کہ برخاست
(ص۱۱۱/۴۵۵)

دیکھیے صفحہ ۳۰، (قرآن ۷/۱۷۲)

۞

علم حاضر پیش آفل در سجود
شک بیفزود و یقیں از دل ربود
(ص۱۲۰/۴۶۴)

دیکھیے صفحہ ۲۲، (قرآن ۶/۷۶-۷۸)

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟
این سپہر نیلگوں حیرانِ کیست؟

(ص ۴۸۲/۱۰)

اس شعر میں قرآن عزیز کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

و سخّرلکم ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض جمیعاً منه ط انّ فی ذٰلك لاٰیٰت لّقومٍ یتفکّرون - (۱۳/۴۵)

اور اس نے تمہارے لیے مسخر کیا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں۔

۞

راز دان علّم الاسما کہ بود
مست آں ساقی و آں صہبا کہ بود

(ص ۴۸۲/۱۰)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۲/ ۳۱-۳۲)

۞

اے ترا تیرے کہ ما را سینہ سفت
حرف ادعونی کہ گفت و با کہ گفت

(ص ۴۸۲/۱۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و قال ربّکم ادعونیٓ استجب لکم ط انّ الذّین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنّم داخرین -(۶۰/۴۰)

اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

۞

زیرِ گردوں خویش را یابم غریب
زاں سوئے گردوں بگو انّی قریب

(ص ۴۸۴/۱۲)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

و اذا سـاء لك عبـادی عـنّـی فـانّی قریبٌ ط اجیب دعوة الـدّاع اذا دعـان فلیستجیبوا لی ولیئو منوا بی لعلّہم یرشدون –(۱۸۶/۲)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس (لوگوں کو) چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

۞

نکتۂ ''الا بسلطان'' یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر

(ص ۴۹۳/۲۱)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

یـا معشر الجنّ و الانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السّمٰوٰت و الارض فانفذوا ط لا تنفذون الّا بسلطٰنٍ –(۳۳/۵۵)

اے گروہ جن وانس اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل سکتے ہی نہیں ہو۔

۞

ہا و ہوی اندرونِ کائنات
از لبِ او، نجم و نور و نازعات

(ص ۵۱۷/۴۵)

یہاں بالترتیب قرآن کریم کی ۵۳ ویں، ۲۴ ویں اور ۷۹ ویں سورتوں کے نام لیے گئے ہیں۔

۞

تکیہ بر میثاق یزداں ابلہی است
بر مرادش راہ رفتن گمرہی است

(ص ۵۲۰/۴۸)

میثاق کا ذکر قرآن مجید میں متعدد آیات میں آتا ہے- اس شعر میں اقبال نے لفظ میثاق لا کر قرآن عزیز کی ذیل کی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے-

و اذ اخذ اللہ میثاق النّبیّین لمآ ء اتیتکم مّن کتٰبٍ و حکمةٍ ثمّ جآء کم رسولٌ مّصدّقٌ لّما معکم لتؤمننّ به ولتنصرنّه ط قال ء اقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری ط قالوٓا اقررنا ط قال فاشهدوا و انا معکم من الشّٰهدین (۸۱/۳)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت (کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں-

۞

زہرہا در بادۂ گلفام اوست
ارّہ و کرم و صلیب انعام اوست

(ص ۵۲۰/۴۸)

اقبال نے اس شعر میں لفظ ارّہ استعمال کر کے حضرت زکریا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کرم کا اشارہ حضرت ایوب کی جانب ہے اور صلیب سے مراد یہودیوں کی جناب مسیح کو مصلوب کرنے کی کوشش ہے جس کو حق تعالیٰ نے ناکام کر دیا اور جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے-

حضرت زکریا کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے- ایک مقام پر ہے-

و زکریّا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس ط کلٌ مّن الصّٰلحین - (۸۵/۶)

(اور ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے-

تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲ کے حوالے سے صاحبِ قصص القرآن نے لکھا ہے کہ "جب یہود نے حضرت یحییٰؑ کو شہید کر دیا تو پھر حضرت زکریّاؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں- حضرت زکریّاؑ نے جب یہ دیکھا تو وہ بھاگے تاکہ ان کے ہاتھ نہ لگ سکیں سامنے ایک درخت آ گیا اور وہ اس کے

شکاف میں گھس گئے- یہودی تعاقب کر رہے تھے تو انہوں نے جب یہ دیکھا تو ان کو نکلنے پر مجبور کرنے کے بجائے درخت پر آرہ چلا دیا- جب آرہ حضرت زکریاؑ پر پہنچا تو خدا کی وحی آئی اور حضرت زکریاؑ سے کہا گیا کہ اگر تم نے کچھ بھی آہ وزاری کی تو ہم یہ سب زمین تہ وبالا کر دیں گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو ہم بھی ان یہود پر اپنا غضب نہیں نازل کریں گے چنانچہ حضرت زکریاؑ نے صبر سے کام لیا اور اف تک نہیں کی اور یہود نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے''- مولانا محمد حفظ الرحمٰن - قصص القرآن ج ۲ (صفحہ ۲۷۳-۲۷۴)-

حضرت ایوبؑ کا ذکر قران مجید میں کئی جگہ ہے مثلاً

واذکر عبدنآ ایّوب اذ نادیٰ ربّہ انّی مسّنی الشّیطٰن بنصبٍ و عذابٍ -(۴۱/۳۸)

اور آپ ہمارے بندہ ایوبؑ کو یاد کیجیے جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج وآزار پہنچایا ہے-

جنابِ مسیح کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵، (قرآن ۱۵۷/۴-۱۵۸)

۞

جز دعاہا نوح تدبیرے نداشت
حرف آں بیچارہ تاثیرے نداشت

(ص ۵۲۰/۴۸)

حضرت نوح نے قوم کے حق میں جو بد دعا کی، کفار کو تبلیغ کے بعد، وہ قرآن حکیم میں اس طرح آئی ہے-

وقال نوحُ ربّ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیّاراً -(۲۶/۷۱)

اور نوح نے یہ بھی عرض کی کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (جیتا) مت چھوڑ-

۞

صرصرے دہ با ہوائے بادیہ
انہم اعجاز نخل خاویہ

(ص ۵۲۷/۵۵)

یہاں قرآن عزیز کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

و امّا عادٌ فاھلکوا بریحٍ صرصرٍ عاتیۃٍ-سخّرھا علیھم سبع لیالٍ و ثمٰنیۃ ایّامٍ حسوماً فتری القوم فیھا صرعیٰ کانّھم اعجاز نخلٍ خاویۃٍ-(۶۹/۶-۷)

اور رہے عاد، سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کیے گئے-(اللہ نے) اسے ان پر مسلط کر دیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگا تار، تُو وہاں اس قوم کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں-

قرأتِ آں پیر مردے سخت کوش
سورۂ و النجم و آں دشتِ خموش

(ص ۵۳۳/۶۱)

یہاں قرآن عزیز کی ۵۳ ویں سورۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

حرف انی جاعل تقدیر او
از زمیں تا آسماں تفسیر او

(ص ۵۴۰/۶۸)

دیکھیے صفحہ ۱۵، (قرآن ۳۰/۲)

باطن ''الارض للہ'' ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

(ص ۵۴۶/۷۴)

''الارض للہ'' میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے-

قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللّٰہ و اصبروآ انّ الارض للّٰہ یورثھا من یشآء من عبادہ ط والعاقبۃ للمتّقین-(۱۲۸/۷)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کیے رہو، زمین اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں، اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے-

''گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر''

(ص ۵۴۷/۷۵)

دیکھیے صفحہ ۳۹، (قرآن ۲/۲۶۹)

۞

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو
مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

(ص ۵۵۰/۷۸)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۲/۱۳۸)

۞

رازہا بامرد مومن باز گوے
شرح رمز کلّ یومٍ باز گوے

(ص ۵۵۰/۷۸)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

یسئله من فی السّمٰوٰت و الارض ط کلّ یومٍ هو فی شانٍ ۔(۵۵/۲۹)

اس سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔

۞

ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو
لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا

(ص ۵۵۳/۸۱)

دیکھیے صفحہ ۱۸، (قرآن ۳/۹۲)

۞

بندۂ مومن امیں ، حق مالک است
غیرحق ہر شے کہ بینی ہالک است

(ص ۵۵۳/۵۱)

مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ولا تدع مع الله الٰهاً آخر ۘ لآ الٰه الا هو ۚ کلّ شیءٍ ھالکٌ الّا وجھه ۗ له الحکم و الیه ترجعون -(۲۸/۸۸)

اوراللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے کوئی معبود نہیں اس کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے-حکومت اس (ایک) کی ہے اوراس کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے-

۞

رایت حق از ملوک آمد نگوں
قریہ ہا از دخل شاں خوار و زبوں

(ص۵۵۳/۸۱)

دیکھیے صفحہ ۵۱،(قرآن ۲۷/۳۴)

۞

آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم "کنفس واحدہ"

(ص۵۵۴/۸۲)

نفس واحدہ کی ترکیب قرآن عزیز میں متعدد آیات میں آئی ہے- جاوید نامہ میں اس شعر کے تحت جو آیۂ کریمہ حاشیہ، ذیل میں دی ہوئی ہے اس کا تعلق شعر مذکورہ بالا کے مفہوم سے نہیں ہے کیونکہ شعر میں انسانوں کی وحدت اور مساوات پر زور دیا گیا ہے اور جاوید نامہ میں دی ہوئی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت بیان فرمائی گئی ہے- ہم نے متن میں صحیح متعلقہ آیت کا ٹکڑا نقل کر دیا ہے جو حسب ذیل ہے-

ھوالذّی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ و جعل منہا زوجہا لیسکن الیہا ۚ(۷/۱۸۹)

وہ ہی (پروردگار) ہے جس نے ہمیں ایک جان واحد سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے-

۞

با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ
ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ

(ص۵۵۴/۸۲)

یہاں قرآن کریم کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے-

و یسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو ط کذٰلک یبیّن اللہ لکم الایت لعلّکم تتفکّرون۔(۲/۲۱۹)

اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں آپ کہہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو اللہ اس طرح تمہارے لیے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچ لیا کرو۔

در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل
سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل

(ص ۸۴/۵۵۶)

دیکھیے صفحہ ۲۰ ،(قرآن ۲۶/۶۱-۶۶) اور صفحہ ۵۱ ،(قرآن ۲۱/۶۸-۷۰)

تا زما زاغ البصر گیرد نصیب
بر مقام عبدہ گردد رقیب

(ص ۸۸/۵۶۰)

دیکھیے صفحہ ۳۸ ،(قرآن ۵۳/۱۷)

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر
رم خن ولات و منات وعسر وغسر

(ص ۸۹/۵۶۱)

بعل، یعوق اور نسر بتوں کے نام قرآن عزیز میں اس طرح آئے ہیں۔

اتدعون بعلاً و تذرون احسن الخالقین ۔ (۳۷/۱۲۵)

کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اسے چھوڑے ہوئے جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے۔

وقالوا لا تذرنّ الھتکم ولا تذرنّ وداً ولا سواعاً ولا یغوث و یعوق و نسراً۔(۷۱/۲۳)

اور انہوں نے کہا اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود کو اور سواع کو اور نہ یغوث، یعوق، نسر (غرض کسی کو بھی نہ) چھوڑنا۔

ہر یکے ترسندہ از "ذکرِ جمیل"
ہر یکے آزردہ از ضربِ خلیل
(ص۵۶۳/۹۱)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

فراغ الیٰٓ ء الھتھم فقال الا تاکلون – مالکم لا تنطقون– فراغ علیھم ضرباً بالیمین –(۹۳/۹۱،۳۷)

تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تمہیں کیا ہوا تم بولتے ہی نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔

پیر رومی سورۂ طٰہٰ سرود
زیر دریا ماہتاب آمد فرود
(ص۵۶۶/۹۴)

"طٰہٰ" قرآن کریم کی ۲۰ ویں سورت کا نام ہے جس میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

خدمت از رسم و رہ پیغمبری است
مزد خدمت خواستن سودا گری است
(ص۵۸۱/۱۰۹)

اس شعر میں قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و مآ اسئلکم علیہ من اجرٍ ج ان اجری الاّ علیٰ ربّ العٰلمین– (۱۰۹/۲۶)

اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمے ہے۔

ارض حق را ارض خود دانی بگو
چیست شرح آیۂ لا تفسدوا
(ص۵۸۱/۱۰۹)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها ط ذٰلکم خیرٌلّکم ان کنتم مّومنین -(۸۵/۷)

ملک میں فساد نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو-

امر حق گفتند نقش باطل است
زانکہ او وابستۂ آب و گِل است

(ص ۵۹۷/۱۲۵)

اس شعر کے پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

و یسئلونك عن الرّوح ط قل الرّوح من امر ربّی و مآ اوتیتم من العلم الّا قلیلاً -(۸۵/۱۷)

اور آپ سے یہ روح کی بات پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے-

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمت للعالمینی انتہاست

(ص ۶۰۰/۱۲۸)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

سبّح اسم ربّك الاعلی- الّذی خلق فسوّیٰ- والّذی قدّر فهدیٰ-(۸۷/۱-۳)

آپ تسبیح کیجیے اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی۔جس نے خلق کیا، پھر ٹھیک ٹھیک بنایا۔اور جس نے انداز دیا پھر راہ بتلائی-

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ ما رمیت

(ص ۶۰۲/۱۳۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے-

فلم تقتلوهم ولكنّ الله قتلهم ج و مارميت از رميت ولكنّ الله رمىٰ ج و ليبلى المؤمنين منه بلآءً حسناً ط انّ الله سميعٌ عليمٌ -(١٧/٨)

سوان (کافروں) کوتم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور آپ نے (ان پر) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب کہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی، تا کہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے-

ہر دو را ذوقِ ستم گردد فزوں
ورد من یا لیت قومی یعلمون

(ص۶۱۶/۱۴۴)

يا ليت قومى يعلمون -(٢٦/٣٦)
کاش میری قوم کو خبر ہو

آیۂ قرآنی میں جس واقعہ کا ذکر ہے اقبال کے شعر میں اس کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے بلکہ شعر کا مفہوم صرف یالیت قومی یعلمون تک محدود ہے-

چشم من صد عالمِ شش روزہ دید
تا حدِ ایں کائنات آمد پدید

(ص۶۲۳/۱۵۱)

عالم کا چھ روز میں پیدا ہونا متعدد آیات قرآنی میں آیا ہے مثلاً

و لقد خلقنا السّمٰوٰت والارض و ما بينهما فى ستّة ايامٍ ق و ما مسّنا من لغوبٍ -(٣٨/٥٠)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں-

یا اولی الامرے کہ 'منکم' شانِ اوست
آیۂ حق حجّت و برہانِ اوست

(ص۶۳۶/۱۶۴)

یہاں پہلے مصرع میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

یـآیّہـا الّذین امنوٓا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم ج
فـان تنازعتم فی شیءٍ فردّوہ الی اللّٰہ والرّسول ان کنتم تومنون باللّٰہ و الیوم
الاخر ط ذٰلک خیرٌ و احسن تاویلاً -(۵۹/۴)

اے ایمان والواللہ کی اطاعت کرواور رسول کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو- یہی بہتر ہے انجام کے لحاظ سے بھی خوش تر ہے-

❁

قرب جاں با آنکہ گفت انّی قریب
از حیات جاوداں بردن نصیب

(ص۱۸۹/۶۶۱)

دیکھیے صفحہ۵۸، (قرآن۲/۱۸۶)

❁

آں بانکارِ وجود آمد 'عجول'
این 'عجول' و ہم 'ظلوم' و ہم 'جہول'!

(ص۱۹۹/۶۷۱)

دیکھیے صفحہ۴۳،(قرآن۳۳/۷۲)

❁

بالِ جبریل
(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

اسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا
(ص ۲۲/۳۴۶)

اس شعر میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

و اذ قال ربّك للملٰٓئكة انّى خالقٌ بشراً مّن صلصالٍ مّن حماٍء مّسنونٍ – فاذا سوّيته و نفخت فيه من رّوحى فقعوا له سجدين – فسجد الملٰئكة كلّهم اجمعون – الآّ ابليس ط ابىٰٓ ان يّكون مع السّجدين –(۱۵/۲۸-۳۱)

اور (یاد کرو وہ وقت) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر، لیسدار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔ سو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر ابلیس نے (نہ کیا) اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔

❁

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو
(ص ۲۸/۳۵۲)

'لا الہ الا ھو' قرآن حکیم میں جن مقامات پر آیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

والٰهكم الٰهٌ واحدٌ ج لآ اله الاّ هو الرّحمٰن الرّحيم –(۲/۱۶۳)

اور تمہارا خدا ایک خدا ہے بجز اس کے کوئی خدا نہیں ہے بے انتہا رحم و کرم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا۔

❁

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

(ص۲۹/۳۵۳)

دیکھیے صفحہ ۱۷، (قرآن ۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

(ص۸۸/۴۱۲)

یہاں پہلے شعر کے مصرع ثانی میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

الآ انّ اولیآء اللّٰہ لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون ۔(۱۰/۶۲)

سنو، سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

(ص۳۹/۳۶۳)

یٰسین قرآن عزیز کی ۳۶ ویں سورۃ کا نام ہے اور بعض مفسرین نے اس نام کو رسول کریم ﷺ کا لقب قرار دیا ہے۔

ضمیر پاک و نگاہِ بلند و مستیٔ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں ، نہ فکرِ افلاطوں

(ص۴۰/۳۶۴)

قارون کی دولت کا حال قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

فخرج علیٰ قومه فی زینته قال الّذین یریدون الحیٰوة الدّنیا یٰلیت لنا مثل مآ اوتی قارون انّه لذ و حظٍّ عظیمٍ – و قال الّذین اوتو العلم ویلکم ثواب الله خیرٌ لّمن ء امن و عمل صالحاً و لا یلقّٰهآ الّا الصّٰبرون –(۲۸/۷۹-۸۰)

پھر وہ اپنے قوم والوں کے سامنے اپنے (تجمل و) آرائش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب تھے بولے کاش ہم کو بھی ویسا ہی (ساز وسامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بیشک وہ بڑا خوش نصیب ہے اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر نیکی پڑے اللہ (کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر ، بادہ و جام سے گزر

(ص۴۲/۳۶۶)

''حوروخیام'' قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

حورٌ مّقصوراتٌ فی الخیام-(۵۵/۷۲)

گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ 'لاتخف'

(ص۴۹/۳۷۳)

اس شعر میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فلمّا قضیٰ موسی الاجل وسار باھله ء انس من جانب الطّور ناراً قال لاھله امکثوٓا انّی ء انست ناراً لّعلّیٓ ء اتیکم منھا بخبرٍ او جذوۃٍ مّن النّار لعلّکم تصطلون- فلمّآ اتٰھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشّجرة ان یٰموسیٓ انّیٓ انا اللّٰه ربّ العٰلمین- و ان الق عصاك ط فلمّا رء ا ھا تھتزّ کانّھا جآنٌّ ولّیٰ مدبراً ولم یعقّب ط یٰموسیٓ اقبل ولا تخف انّك من الامنین-(۲۸/۲۹-۳۱)

پھر جب موسٰی اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے طور کی طرف ایک آگ دیکھی اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھ لی ہے شاید

میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں تا کہ تم سینک کر لو- سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت ہے کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم- اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا (تیز) سانپ تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا، (حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت، تم (ہر طرح) امن میں ہو-

❁

ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں

(ص ۵۲/۳۷۶)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

❁

تھا ارنی گو کلیم، میں ارنی گو نہیں
اس کو تقاضا روا، مجھ پہ تقاضا حرام

(ص ۶۹/۳۹۰)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۷/۱۴۳)

❁

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

(ص ۶۷/۳۹۱)

دیکھیے صفحہ ۵۱، (قرآن ۲۱/۶۸-۷۰)

❁

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ، ابتدا ہے اسماعیل

(ص ۶۷/۳۹۱)

دیکھیے صفحہ ۱۷، (قرآن ۳۷/۱۰۲-۱۰۷)

❁

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(ص ۸۹/۴۱۳)

حضرت موسٰی نے حضرت شعیب کے یہاں جو شبانی کی خدمت انجام دی ہے اس کا ذکر ان آیات میں ہے، شبانی کے بعد کلیمی کے لیے وہ آیات ملاحظہ ہوں جو مثل کلیم ہوا گر کے تحت درج کی گئیں (دیکھیے صفحہ ۷۱-۷۱)

و لمّا توجّه تلقآء مدين قال عسىٰ ربّيٓ ان يهدينى سوآء السّبيل – ولمّا ورد مآء مدين وجد عليه امّةً من الناس يسقون و وجد من دونهم امراتين تذودان قال ما خطبكما ط قالتا لا نسقى حتّىٰ يصدر الرّعآء وابونا شيخٌ كبيرٌ – فسقىٰ لهما ثمّ تولّىٓ الى الظّلّ فقال ربّ انّى لمآ انزلت الىّ من خيرٍ فقيرٌ – فجآءته احدٰهما تمشى على استحيآءٍ قالت انّ ابى يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا ط فلمآ جآءه وقصّ عليه القصص قال لاتخف نجوت من القوم الظّٰلمين – قالت احدٰهما يآبت استاجره انّ خير من استاجرت القوىُّ الامين – قال انّى اريد ان انكحك احدى ابنتىّ هٰتين علىٓ ان تاجرنى ثمٰنى حججٍ فان اتممت عشراً فمن عندك و مآ اريد ان اشقّ عليك ط ستجدنىٓ ان شآء اللّٰه من الصّٰلحين – قال ذٰلك بينى و بينك ط ايّما الا جلين قضيت فلا عدوان علىّ ط واللّٰه علىٰ مانقول وكيلٌ –(۲۸/۲۲-۲۸)

اور جب (موسٰی) مدین کی طرف ہوئے تو بولے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلا دے اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا مجمع دیکھا پانی پلاتے اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں- پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک (یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، پس (موسٰی نے) ان کے لیے پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ میں آ گئے اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ تم کو اس کا صلہ دیں جو

تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات بیان کیے تو انہوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالموں سے بچ آئے (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو، وہ بولے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاء اللہ مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو گئی میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہو گا اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔

آہ وہ مردان حق ! وہ عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم صاحب صدق ویقیں

(ص ۱۰۷/۴۲۵)

خلق عظیم کی ترکیب قرآن عزیز کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں حق تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔

و انّك لعلیٰ خلقٍ عظیمٍ۔(۶۸/۴)

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی ''نعرہ لا تذر'' میں

(ص ۱۰۸/۴۳۲)

دیکھیے صفحہ ۶۰، (قرآن ۷۱/۲۶)

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

(ص ۱۲۲/۴۴۶)

بشیر و نذیر رسول کریم کے القاب ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہیں۔مثلاً

ومآ ارسلنك الا كآفّة لّلنّاس بشيراً و نذيراً ولٰكنّ اكثر النّاس لا يعلمون-(۲۸/۳۴)

اور ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لیے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے -

❁

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطوا؟

(ص۱۵۰/۴۷۴)

دیکھیے صفحہ ۲۵، (قرآن ۳۹/۵۳)

❁

خضر بھی بے دست و پا ، الیاس بھی بے دست وپا
میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو

(ص۱۵۰/۴۷۴)

حضرت الیاس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے - سورۂ انعام میں اور سورۂ والصّافّات میں- سورۂ والصّافّات میں ان کا ذکر یوں ہے-

و انّ الياس لمن المرسلين -(۳۷/۱۲۳)

اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے-

❁

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

از مقامِ ذوق و شوق آگاہ شو
ذرّہ ای، صیّاد مہر و ماہ شو!

(ص۵۵/۷۳۱)

دیکھیے صفحہ ۵۷، (قرآن ۱۳/۴۵)

❁

خرقۂ آں "برزخ لاّ یبغیان"
دیدمش در نکتہ "لی خرقان"

(ص۶۷/۷۴۳)

"برزخ لایبغیان" کی ترکیب قرآن عزیز کی ان آیات سے ماخوذ ہے-

مرج البحرین یلتقیٰن – بینهما برزخٌ لّا یبغیٰن -(۱۹/۵۵-۲۰)

اسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں (اور) دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے-

❁

آشکارا دیدنش 'اسرائے' ماست
در ضمیرش مسجد اقصائے ماست

(ص۶۷/۷۴۳)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۱/۱۷)

❁

می دہد ما را پیام لا تخف
می رساند بر مقام لا تخف

(ص۷۴/۷۵۰)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷-۶۸)

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام
شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام

(ص۷۴/۷۵۰)

دیکھیے صفحہ ۲۱، (قرآن ۲/۱۳۸)

پس چہ باید کرد
(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

معنیٔ جبریل و قرآں است او
فطرة اللہ را نگہباں است او

(ص۹/۶۸۵)

''فطرة اللہ'' یہ ترکیب قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے۔

فاقم و جھك للدّین حنیفاً ط فطرت اللہ الّتی فطر النّاس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللّٰہ ط ذٰلك الدّین القیّم و لٰکنّ اکثر النّاس لا یعلمون۔(۳۰/۳۰)

تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کی اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے۔

۞

درس لاخوف علیھم می دہد
تا دلے در سینہء آدم نہد

(ص۱۰/۶۸۶)

دیکھیے صفحہ ۲۵، (قرآن ۲/۱۱۲)

۞

مرد حر محکم ز وردِ لا تخف
ما بمیداں سر بجیب ، او سر بکف

(ص۲۲/۶۹۸)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷-۶۸)

۞

از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

(ص۷۰۲/۲۶)

یہاں مصرع اولیٰ میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویمٍ۔(۹۵/۴)

کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

۞

علم و حکمت ریزۂ از خوانِ کیست؟
آیۂ فاصبحتم اندر شانِ کیست؟

(ص۷۰۹/۳۳)

دیکھیے صفحہ ۳۵، (قرآن ۱۰۳/۳)

۞

سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد
قرأت الصّافّات اندر نبرد

(ص۷۱۰/۳۴)

الصّافّات قرآن حکیم کی ۳۷ویں سورۃ کا نام ہے جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے۔

والصّآفّات صفاً۔(۳۷/۱)

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی۔

۞

ہر کہ آیاتِ خدا بیند حُر است
اصلِ ایں حکمت ز حکمِ انظر است

(ص۷۱۴/۳۸)

دیکھیے صفحہ ۳۶، (قرآن ۴۶/۶)

۞

ضربِ کلیم
(کلیاتِ اقبال، اردو ۱۹۹۰)

ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

(ص ۵۰۳/۳)

اس شعر میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

و اذ استسقیٰ موسیٰ لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر ط فانفجرت منه اثنتا عشرة عیناً ط قد علم کلّ اناسٍ مشربهم ط کلو و اشربوا من رّزق الله و لا تعثوا فی الارض مفسدین -(۶۰/۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا مانگی سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو، تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا) گھاٹ معلوم کر لیا، کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے اور زمین پر فسادی بن کر مت پھرو۔

❁

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

(ص ۵۲۹/۲۹)

یہاں قرآن مجید کی ۵۳ ویں سورہ والنجم کی طرف اشارہ ہے۔

❁

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علّم الاسما

(ص ۵۳۵/۳۵)

دیکھیے صفحہ ۱۹، (قرآن ۳۱/۲-۳۲)

❁

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام

(ص۳۷/۵۳۷)

دیکھیے صفحہ ۳۱، (قرآن ۱۱۲/۱)

۞

آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الھاً آخر!

(ص۶۹/۵۶۹)

دیکھیے صفحہ ۶۳، (قرآن ۲۸/۸۸)

۞

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

(ص۷۴/۵۷۴)

''رحمٰن'' قرآن مجید کی ۵۵ ویں سورۃ کا نام ہے- یہ سورۃ ربط آیات اور سجع فواصل کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور شاید اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور سورۂ رحمٰن قرآن کی زینت ہے-

۞

یہی ہے سرِّ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانیِ شب و روز

(ص۸۹/۵۸۹)

دیکھیے صفحہ ۷۳، (قرآن ۲۸/۲۲-۲۸)

۞

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے
تری نظر کا نگہباں ہو صاحب ما زاغ

(ص۹۸/۵۹۸)

دیکھیے صفحہ ۳۸، (قرآن ۵۳/۱۷)

۞

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
(ص ۱۴۸/۶۴۸)

دیکھیے صفحہ ۶۵، (قرآن ۲/۲۱۹)

۞

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لاشریک لہ
(ص ۱۷۵/۶۷۵)

یہاں مصرعِ ثانی میں قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العٰلمین- لا شریک لہ و بذٰلک امرت و انا اوّل المسلمین-(۶/۱۶۲-۱۶۳)

آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں- (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں-

۞

افغان باقی! کہسار باقی!
الحکم للہ! الملک للہ!
(ص ۱۷۷/۶۷۷)

الحکم للہ اور الملک للہ قرآن مجید کی ان آیات سے ماخوذ ہیں-

ان الحکم الّا للّٰہ ط(۱۲/۴۰)

حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے-

یسبّح للّٰہ ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض ج لہ الملک و لہ الحمد ج و ھو علیٰ کلّ شیءٍ قدیرٌ-(۶۴/۱)

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہیں اس کی حکومت ہے اور اس کی (ہر) تعریف ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے-

۞

لا دینی و لا طینی ! کس پیچ میں الجھا تو!
دارو ہے ضعیفوں کا لا غالب الا ھو

(ص۶۸۴/۱۸۴)

''لاغالب الاھو'' قرآن حکیم کی اس آیت کے ٹکڑے سے ماخوذ ہے-

و اللّٰہ غالبٌ علیٰ امرہ ولٰکنّ اکثر النّاس لا یعلمون -(۲۱/۱۲)

اوراللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی) نہیں جانتے -

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

دریں وادی زمانی جاودانی
ز خا کش بے صور روید معانی!
حکیماں با کلیماں دوش بر دوش
کہ ایں جا کس نگوید ''لن ترانی''

(ص ۷۸۷/۳۵)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۱۴۳/۷)

❁

حق آں دہ کہ 'مسکین و اسیر' است
فقیر و غیرت او دیر میر است
بروے او درِ میخانہ بستند
دریں کشور مسلماں تشنہ میر است

(ص ۷۸۹/۳۷)

دیکھیے صفحہ ۳۷، (قرآن ۷۶/۸)

❁

بیا ساقی نقاب از رخ بر افگن
چکید از چشمِ من خونِ دلِ من
بہ آں لحنے کہ نے شرقی ، نہ غربی است
نوائے از مقامِ لا تخف زن

(ص ۸۱۲/۶۰)

دیکھیے صفحہ ۲۶، (قرآن ۲۰/۶۷-۶۸)

❁

میانِ امتاں والا مقام است
کہ آں امت دو گیتی را امام است
نیاساید ز کارِ آفرینش
کہ 'خواب' و 'خستگی' بر وے حرام است

(ص۸۱۵/۶۳)

یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ''خواب'' کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔ ''خستگی'' کے لیے دیکھیے صفحہ ۶۷، (قرآن ۳۸/۵۰)

اللہ لآالٰہ الّا ھو ج الحیّ القیّوم ج لا تاخذہ سنۃٌ ولا نومٌ ط لہ ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض ط من ذا الّذی یشفع عندہ الّا باذنہ ط یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الّا بما شآء ج وسع کرسیّہ السّمٰوٰت والارض ج ولا یئودہ حفظھما ج و ھو العلیّ العظیم۔(۲/۲۵۵)

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا نہیں وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا اسے نہ اونگھ آ سکتی ہے نہ نیند۔ اس کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ایسا ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ان سب کو اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے۔ سوائے اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے اس کی کرسی نے سما رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان ہے اور عظیم الشان ہے۔

❁

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز
فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور
بہ دل لا غالب الا اللہ فرو ریز

(ص۸۱۵/۶۳)

دیکھیے صفحہ ۸۳، (قرآن ۱۲/۲۱)

❁

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از 'یٰسینِ' او آساں بمیری

(ص۸۱۶/۶۴)

یہاں سورہ یٰسین کی طرف اشارہ ہے۔

۞

نہیں ہے اس زمانے کی تگ و تاز
سزاوارِ حدیثِ لن ترانی

(ص۱۶/۲۴۷، کلیات، اردو)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۱۴۳/۷)

۞

جہاں کی روحِ رواں لا الہ الا ھو
مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے ؟

(ص۳۲/۲۴۷، کلیات، اردو)

دیکھیے صفحہ ۶۹، (قرآن ۱۶۳/۲)

۞

باقیاتِ اقبال
(طبعِ اول ۱۹۵۲ء)

ماعرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(ص ۳۰)

یہاں مصرع ثانی میں قرآن عزیز کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۔(۹/۵۳)

سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

۞

طوٗر پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنیٔ یٰسیں ہے تو ، مفہومِ اَوْ اَدْنٰی ہے تو

(ص ۵۱)

دیکھیے حوالہ سابقہ۔

۞

ابتدا میں شرحِ رمزِ آیۂ لا تقربا
کس قدر مشکل تھا پہلا امتحانِ اہلِ درد

(ص ۹۹)

دیکھیے صفحہ ۴۴، (قرآن ۲/۳۵-۳۶)

۞

باب سوم

تلمیحاتِ حدیث

اسرارِ خودی
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

من چہ گویم از تولّایش کہ چیست
خشک چوبے در فراقِ او گریست

(ص ۲۴/۴۰)

اس شعر کے مصرع ثانی میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن جابر قال كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا خطب استند الی جذع نخلة من سواری المسجد فلما صنع له المنبر فاستوی علیه صاحت النخلة كان یخطب عندها حتیٰ كادت ان تنشق فنزل النبی صلی الله علیه وسلم حتیٰ اخذها فضمها الیه فجعلت تان انین الصبی الذی یسكت حتیٰ استقرت قال بكت علیٰ ما كانت تسمع من الذكر – (مشکوۃ ص ۵۳۶ مطبع مجتبائی، دہلی)

حضرت جابر کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت مسجد کے ستونوں میں سے کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کے لیے منبر تیار کر دیا گیا تو اس پر خطبہ دینا شروع کر دیا – اب وہ کھجور کا تنا چلّایا اور اتنا چلّایا کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا – یہ حال دیکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر اس تنے کو اپنے سینے سے لگا لیا تو وہ اس طرح رویا جیسے بچہ روتا ہے جبکہ اسے چپ کرایا جاتا ہے، بالآخر وہ چپ ہوا –

۞

خود فرود آ از شتر، مثلِ عمر
الحذر از منّتِ غیر، الحذر
(ص ۴۲/۲۶)

اس شعر میں حضرت عمر کی طرف جس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے، کتب احادیث میں اس کی نسبت دوسرے حضرات کی طرف کی گئی ہے، یہ واقعہ حضرت عمر کا معلوم نہیں ہوتا -

قال فکان ثوبان یضیع سوطه و هو را کب فلا یقول لاحدنا ولنیه حتی ینزل فیا خذه -(ابن ماجہ صفحہ ۱۳۳)

حضرت ثوبان سے سواری کی حالت میں جب کوڑا گر جاتا تو کسی سے اٹھانے کے لیے نہیں کہتے تھے بلکہ خود اتر کر اٹھا لیتے -

عن ابی ذر قال دعانی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وهو یشترط علی الاتسئل الناس شیا قلت نعم قال ولا سوطك ان سقط منك حتیٰ تنزل الیه فتاخد - (مشکوۃ صفحہ ۱۶۴ مطبع مجتبائی)

حضرت ابو ذر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے شرط کی کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں - میں نے عرض کیا بہت اچھا آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا کوڑا گر جائے وہ بھی کسی سے نہ مانگو بلکہ خود اتر کر اٹھا لو-

فلقد کان بعض اولئك النضر یسقط سوطه فما یسئل احدا ان یناوله ایاه - (ابو داؤد مع عون المعبود، مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۸ھ)

روایت ہے کہ بعض صحابہ ایسے تھے جن کا اگر کوڑا گر جاتا تو وہ بھی کسی سے مانگا نہیں کرتے تھے- مذکورہ بالا دو روایتوں میں تو نام کی تصریح ہے- اول میں حضرت ثوبان کے ساتھ واقعہ کی صورت میں اور ثانی میں حضرت ابو ذر غفاری کو رسول اکرم ﷺ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے- ظاہر ہے کہ ان کو بھی ایسے اتفاقات ضرور پیش آتے ہوں گے جن میں انہوں نے اپنے محبوب کے ارشاد کی تعمیل کی ہو گی - تیسری روایت ابی داؤد کی ہے جس میں متعدد اصحاب کا رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں اس عہد کے وقت حاضر ہونا معلوم ہوتا ہے -ممکن ہے کہ ان میں حضرت عمر بھی ہوں اگرچہ نام کی تصریح نہیں مل سکی -ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکر کا بھی ہے-

آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت
مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

(ص ۴۳/۲)

الکاسب حبیب اللہ - مشہور حدیث ہی کی طرح ہے - اگرچہ یہ احادیث کے کسی مستند و معتبر مجموعہ میں نہیں ملی - نیز الکاسب حبیب اللہ ایک قول مشہور ہے - اقبال نے جو حاشیہ میں اس کو حدیث لکھا ہے وہ صحیح نہیں -

❁

پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود

(ص ۴۴/۲۸)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل اور دوسرے مصرع میں معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے -

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها - (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷ مطبع مجتبائی)

بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے -

عن ابی مسعود بنبا نحن مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بمنٰی اذ انفلق القمر فلقتین فلقة وراء الجبل و فلقة دونه فقال لنا صلی اللّٰه علیه وسلم اشهدوا (جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۰۰ طبع میرٹھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم رسول کریم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (کفار مکہ کے معجزہ طلب کرنے پر آپ کی انگلی کے اشارے سے) چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (جن میں سے) ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور دوسرا (پہاڑ کے) اس طرف رہ گیا تب آپ نے ہماری طرف مخاطب ہو کر فرمایا گواہ رہو -

❁

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب
باز گرداند زِ مغرب آفتاب

(ص ۶۳/۴۷)

یہاں اشارہ رجعتِ خورشید کے معجزہ کی طرف کیا گیا ہے۔

عن اسما بنت عمیس و عن ابی هریره رضی اللّٰه تعالٰی ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوحی الیه و رأسه فی حجر علی و هو لم یصلی العصر حتیٰ غابت الشمس فقال له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اصلیت یا علی قال لا فقال رسول اللّٰه علیه وسلم انه کان فی طاعتك و طاعة رسولك فاردد علیه الشمس قالت فرایتهاغربت ثم رایتها طلعت بعد ما غربت و وقعت علی الجبل و ذلك فی الصبائی خیبر - (مولانا عبیداللہ بسمل امرتسری ارجح المطالب صفحہ ۶۹۵-۶۹۷)

اسما بنت عمیس سے اور حضرت ابوہریرہؓ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول کریمﷺ پر ایک دفعہ وحی نازل ہوئی اور رسول کریمﷺ اپنا سر حضرت علیؓ کی گود میں رکھ کر لیٹ گئے - حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ آفتاب غروب ہو گیا - رسول کریمﷺ نے ان سے پوچھا یا علی تم نے نماز پڑھی ہے عرض کیا یا رسول اللہﷺ نہیں پڑھی ۔ رسول کریمﷺ نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار یہ تیری اور تیرے رسولﷺ کی فرمانبرداری میں مصروف تھا اس لیے آفتاب کو لوٹا دے (اسما بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ) آفتاب غروب ہو چکا ہے اور غروب ہونے کے بعد پھر پہاڑ پر کھڑا ہو گیا اور یہ امر صہبائے خیبر میں واقع ہوا -

اس روایت کی موافقت و مخالفت میں محدثین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اکثر نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے-

زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است

(ص ۶۳/۴۷)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف ہے کہ حضرت علی رسول کریم صلعم کے حکم سے مسلمانوں کو آبِ کوثر پلائیں گے-

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی علی خمسة امور ----- و اما الثالثة فواقف علی عقر حوضی یسقی من عرف من امتی - (ارجح المطالب صفحہ ۵۷)

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ علی میں پانچ خصوصیتیں ہیں (ان میں سے) تیسری یہ کہ وہ میرے حوض (کوثر) کے کنارے کھڑے ہوں گے اور جس کو میری امت میں سے پہچانتے ہوں گے اسے (آب کوثر) پلائیں گے-

ذات او دروازۂ شہر علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

(ص ۴۸/۶۴)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں رسول کریم نے حضرت علی کو علم کا دروازہ کہا ہے-

انا مدینة العلم و علی بابها (جمع الفوائد ج ۲ صفحہ ۲۱۲ طبع میرٹھ)

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں-

خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

(ص ۴۸/۶۴)

یہاں حضرت علی کی کنیت (ابوتراب) کی طرف تلمیح کی گئی ہے-

عن سہل ابن سعد قال دخل علی علٰی فاطمة ثم خرج فاضطجع فی المسجد فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم این ابن عمك قالت فی المسجد فخرج الیه فوجد ردائه قد سقط عن ظهره خلص التراب الی ظهره فجعل یمسح عن ظهره فیقول اجلس یا اباتراب مرتین - (بخاری ج ا صفحہ ۵۲۵ مجتبائی)

حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ حضرت علی ایک مرتبہ حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور پھر (کسی بات پر خفا ہو کر) مسجد نبوی میں جا لیٹے رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو حضرت فاطمہ سے ان کی نسبت پوچھا - عرض کیا مسجد میں ہیں - آپ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ

چادر حضرت علیؓ کے شانے سے ہٹی ہوئی ہے اور کمر مٹی میں لتھڑی ہوئی ہے آپ کمر کی مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے اے ابوتراب (یعنی خاک آلودہ) اٹھ بیٹھو۔ دو مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔

۞

تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر

(ص ۸۵/۶۹)

''لی مع اللہ'' یہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن ملا علی قاری نے اس کو قول صوفیہ قرار دیا ہے۔

لی مع الله وقت لا يسعنى فيه نبى مرسل ولا ملك مقرب – (ملا علی قاری۔ موضوعات کبیر صفحہ ۶۰ مجتبائی اور عبدالرحمٰن سخاوی۔ المقاصد الحسنہ صفحہ ۱۶۷ طبع لکھنؤ)

(رسول کریم نے ارشاد فرمایا کہ) بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا روحانی قرب حاصل ہوتا ہے کہ اس (خلوت) میں نہ کوئی نبی مرسل بار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔

۞

زندگی از دہر و دہر از زندگی است
لا تسبو الدہر فرمانِ نبی است

(ص ۸۶/۷۰)

روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں جن کی طرف شعر میں تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا تسبو الدھر فان اللّٰہ ھو الدھر – (مسلم ج ۲ صفحہ ۲۳۷ علیمی)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم زمانے کو برا مت کہا کرو کیونکہ اللہ (مالک) زمانہ ہیں (یعنی زمانے کی برائی بھلائی کا مطلب خدا کی برائی بھلائی ہوگی)

۞

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشر
ہست شیطاں از جماعت دور تر

(ص ۹۹/۸۳)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں جماعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ (مظاہر حق ترجمہ، مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۸۳ مطبوعہ نول کشور)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے نکالا۔

❁

لا نبی بعدی ز احسان خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

(ص ۱۱۴/۹۸)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لعلی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۳)

حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (یعنی صرف نبی اور غیر نبی کا فرق ہے)

❁

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

اس شعر میں جس روایت کی طرف اشارہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں-

عن جابر قال دخلت علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم والحسن و الحسین علی ظهره و هو یقول نعم الجمل جملکما و نعم العدلان انتما-
(کنز العمال ج ۷ صفحہ ۱۰۸، مصری)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ حضرات حسنین آپ کے کاندھوں پر سوار تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ تمہاری سواری بھی بہترین ہے اور تم سوار بھی بہترین ہو-

❁

گفت با امت "زِ دنیائے شما
دوستدارم طاعت و طیب و نسا"

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

یہاں اشارہ اس حدیث کی طرف کیا گیا ہے-

حبب الی دنیا کم النساء و الطیب و جعلت قرة عینی فی الصلاة - (ملا علی قاری - المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۱۱ مطبع محمدی لاہور)

مجھے دنیا کی دو چیزیں محبوب ہیں عورت اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے-

❁

جلوۂ او قدسیاں را سینہ سوز
بود اندر آب و ِگل آدم ہنوز

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف کیا گیا ہے-

کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین -

روایت اگرچہ کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین کے ساتھ مشہور اور زبان زد ہے مگر حافظ سخاوی کا بیان ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں مل سکی بلکہ

حافظ جلال الدین سیوطی نے تو صاف طور پر اس کا رد فرما دیا ہے تاہم مضمون اس حدیث کا بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ ترمذی، مشکوٰۃ خصائص کبریٰ اور کنز العمال وغیرہ میں حدیث قریب قریب ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

عن ابی هريرة قال قالوا يا رسول اللّٰه متٰی و جبت لك النبوة قال و آدم بين الروح و الجسد - (مشکوٰۃ ج ٦ صفحہ ۵۳، ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۰۷ مجیدی، کنز العمال ج ٦، صفحہ ۲، مصری اور خصائص کبریٰ ج ا صفحہ ا)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی تھی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم روح و جسد کی درمیانی حالت میں تھے (یعنی ان کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی)۔

۞

تا ز بخششہائے آں سلطانِ دیں
مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں

(ص ۱۰۸/۱۲۴)

مصرع ثانی میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جعلت لی الارض مسجد و طهورا - (بلوغ المرام صفحہ ۱۰۵ مجتبائی)

میرے لیے تمام روئے زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پاکیزہ ٹھہرا دی گئی ہے۔

۞

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمۃ اللعالمیں

(ص ۱۱۵/۱۳۱)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کی تائید حسب ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ختم بی النبیون -(مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲)

میں آخری نبی ہوں۔

۞

فطرتِ مسلم سراپا شفقت است
در جہاں دست و زبانش رحمت است

(ص ۱۴۰/۱۲۴)

اس شعر کا مضمون ذیل کی حدیث سے لیا گیا ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ - (بخاری ج ا صفحہ ۶ طبع دہلی اصح المطابع)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

۞

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم
رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم

(ص ۱۴۰/۱۲۴)

دیکھیے صفحہ ۹۱

۞

بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن
تیغِ لا موجود الا ھو بزن

(ص ۱۴۹/۱۳۳)

''لا موجود الا ھو'' یہ بعض صوفیہ کا مقولہ ہے لیکن حدیث نہیں ہے۔

۞

حرفِ حق از حضرتِ ما بردۂ
پس چرا با دیگراں نسپردۂ

(ص ۱۴۹/۱۳۳)

یہ شعر مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ -(مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

۞

کارواں را رہگذار است ایں جہاں
نقدِ مؤمن را عیار است ایں جہاں

(ص ۱۵۱/۱۳۵)

اس شعر کے مصرع اولیٰ کا مضمون ذیل کی حدیث سے ماخوذ ہے-

عن عبداللّٰه بن عمر قال اخذ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بمنكبى فقال كن فى الدنيا كانك رحيل او عابر سبيل -(بخاری ج ۲ صفحہ ۹۴۹ طبع دہلی اصح المطابع)

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں مسافر یا رہرو کی طرح زندگی بسر کرو-

۞

آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ

(ص ۱۵۷/۱۴۱)

دیکھیے صفحہ ۹۶۔

۞

گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں
زیرِ پائے امہات آمد جناں

(ص ۱۵۷/۱۴۱)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف تلمیح کی گئی ہے-

رواه احمد و النسائى و البيهقى فى شعب الايمان عن معاوية بن جاهمة ان جاهمة رضى اللّٰه عنه جاء الى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال يا رسول اللّٰه اردت ان اغزو وقد استشيرك فقال هل لك من ام قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند او تحت رجليها - (فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۶۵ حافظ عبدالرحمٰن سخاوی - المقاصد الحسنہ صفحہ ۸۴ طبع لکھنؤ، الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۴۵ طبع مصر)

حضرت جاہمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا ارادہ شرکت جہاد کا ہے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں عرض کیا جی ہاں فرمایا انہی کی خدمت کرو ان کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

۞

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیمِ اولِ سینائے ما

(ص ۱۴۶/۱۶۲)

اس شعر میں حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل میں جو روایت ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

ان من امن الناس علی فی صحبته ابوبکر و لو کنت متخذا خليلا لا تخذت ابا بکر خليلا - (مشکوٰۃ ج ۴ صفحہ ۵۵۴)

(رسول کریم ﷺ نے) فرمایا کہ لوگو جان و مال کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر نے کیا ہے۔ اگر (اللہ کے علاوہ) میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو انہیں کو بناتا۔

گویا ع بعد از خدا خلیل توئی قصہ مختصر

۞

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال فارسی ، ۱۹۹۰ء)

سروری در دینِ ما خدمت گری ست
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری ست

(ص ۲۰۲/۲۶)

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

سید القوم خادمهم - (حافظ عبدالرحمٰن سخاوی - المقاصد الحسنہ صفحہ ۱۱۶ طبع لکھنؤ)

قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے-

بانگِ درا
(کلیاتِ اقبال اردو، ۱۹۹۰ء)

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ
(ص ۷۷/۹۳)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے۔

عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المومنون كرجل واحد ان اشتكىٰ عينه اشتكىٰ كله و ان اشتكىٰ راسه اشتكىٰ كله۔

(معارف الحدیث ج ۶ ص ۱۲۹ دارالاشاعت کراچی)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

۞

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ما عرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں
(ص ۱۱۴/۱۳۰)

''ما عرفنا'' یہ جملہ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن احادیث کے کسی مجموعہ میں نہیں ملا -

ما عرفناك حق معرفتك –

ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح کہ پہچاننے کا حق ہے-

۞

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے

(ص ۱۵۶/۱۷۲)

''لولاک'' اشارہ ذیل کی حدیث قدسی کی طرف ہے۔

لولاک لما خلقت الا فلاک ۔ (ملا علی قاری المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۲۲)

(اے نبی) اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا ۔

❁

سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را''

(ص ۱۹۱/۲۰۷)

''الفقر فخری'' اشارہ حسب ذیل حدیث کی طرف ہے۔

الفقر فخری و به افتخر ۔ (ملا علی قاری المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۱۸ مطبع محمدی لاہور)

فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں ۔

❁

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

نصیبِ خود ز بوئے پیرہن گیر
بہ کنعاں نکہت از مصر و یمن گیر

(ص۹۳/۴۳۷)

اس شعر میں لفظ یمن لا کر اقبال نے اشارہ انی لا جد نفس الرحمٰن من قبل الیمن (میں یمن کی طرف سے رحمٰن کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) کی طرف کیا ہے جو عموماً حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ کسی مجموعہ حدیث میں نظر سے نہیں گزری۔

❁

چنیں فرمودۂ سلطانِ بدر است
کہ ایماں درمیانِ جبر و قدر است

(ص۱۰۲/۴۴۶)

یہ الفاظ ''ایمان درمیان جبر و قدر'' کسی حدیث کے نہیں بلکہ فرقہ 'جبریۂ قدریہ کے افراط و تفریط سے ہٹ کر جو بین بین مسلک اہل سنت کا ہے اس کو ''الایمان بین القدر و الجبر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی نظریے کو نظم کیا گیا ہے۔ روایت کے الفاظ تو دوسرے ہیں یعنی ''الایمان بین الخوف و الرجا''، جس میں ایک دوسرے نظریے کو بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اشارہ ہو روایت مشکوٰۃ کی طرف جس میں جبریہ و قدریہ دونوں کی تردید کی گئی ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں، جو ابن عباس سے مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ و القدریہ - (مشکوٰۃ ج ۱ صفحہ ۲۲)

میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جن کے حصے میں اسلام کا نشان بھی نہیں ہے اور وہ مرجیہ اور قدریہ کے فرقے ہیں۔

اس کا ماحصل وہی نکلتا ہے کہ ایمان جبر و قدر کے درمیان ہے۔ یہ حدیث ترمذی ہے۔

❁

منور شو ز نورِ 'من یرانی'
مژہ برہم مزن تو خود نمانی

(ص ۴۴۵/۱۰۵)

''من یرانی'' یہاں اس حدیث کے طرف تلمیح کی گئی ہے۔

عن ابی قتادة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من رانی فقد رای الحق۔ (مشکوۃ صفحہ ۳۹۴)

حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا اس نے فی الحقیقت مجھے دیکھا۔

❁

جاوید نامہ
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست
آں جوانمردے طلسمِ من شکست
(ص ۲۷/۴۹۹)

دیکھیے صفحہ ۹۴

گر تو خواہی من نباشم درمیاں
لی مع اللہ بازخواں از عینِ جاں
(ص ۷۸/۵۵۰)

دیکھیے صفحہ ۹۴

از حدیثِ مصطفیٰ داری نصیب؟
دینِ حق اندر جہاں آمد "غریب"
(ص ۲۷/۴۹۹)

اس شعر میں جس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

بداء الاسلام غریبا و سیعود کما بدء فطوبی للغرباء -

(مشکوٰۃ ج ا صفحہ ۲۹-۳۰، ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۲)

اسلام ابتداء میں جس طرح اجنبی تھا آخر میں بھی ایسا ہی اجنبی ہو جائے گا - (اس کی یہ حالت غربا سے ملتی جلتی ہے) پس غربا کے لیے بشارت ہو۔

با سیہ فاماں یدِ بیضا کہ داد؟
مژدۂ 'لا قیصر و کسریٰ' کہ داد؟
(ص ۸۰/۵۵۲)

اس شعر کے مصرع ثانی کے الفاظ ''لا قیصر و کسریٰ'' مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم ھلك کسریٰ ثم لا یکون کسریٰ بعدہ و قیصر لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ ولتقسمین کنوز ھما فی سبیل اللّٰہ ۔(مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۶)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب کسریٰ (شاہ فارس) ہلاک ہو گا اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہ ہو گا اور البتہ قیصر (شاہ روم) ہلاک ہو گا اور پھر کوئی قیصر نہ ہو گا اور ان دونوں بادشاہوں کے خزانے خدا کی راہ میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

۞

از بلا ترسی ؟ حدیث مصطفیٰ است
'مرد را روزِ بلا روزِ صفا ست'
(ص ۹۷/۵۶۹)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن سعد قال سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الا مثل فالامثل یبتلی الرجال علیٰ حسب دینہ فان کان دینہ صلبا اشتد بلائہ و ان کان فی دینہ رقۃ ھون علیہ فما زال کذلك حتیٰ یمشی علیٰ الارض مالہ ذنب ۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی و قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح ۔(مشکوٰۃ صفحہ ۱۳۶)

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سخت بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا انبیاء پھر وہ لوگ جو انبیاء سے مشابہ ہوں پھر انسان جس قدر دین میں سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے اور جس قدر دین میں نرم ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے پس ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس حالت میں زمین پر چلتا ہے کہ تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوتا ہے ۔(ترمذی ،ابن ماجہ ، دارمی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۞

گفتمش ''بگذر زِ آئینِ فراق
ابغض الاشیاء عندی الطلاق''

(ص ۶۰۸/۱۳۶)

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم''ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق'' رواہ ابو داؤد ابن ماجہ –

(ابن حجر عسقلانی - بلوغ المرام صفحہ ۲۲۳ مجتبائی)

ابن عمرؓ سے روایت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

۞

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانیِ اسلام گفت!

(ص ۶۵۵/۱۸۳)

اس شعر کے مصرع ثانی میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

ان لکل امة رہبانیة و رہبانیة ھذہ الامة الجھاد فی سبیل اللہ –

(کنز العمال ج ۲ صفحہ ۲۵۸)

ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور رہبانیت اس امت کی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

۞

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ
فتنۂ او حبِّ مال و ترسِ مرگ!

(ص ۶۶۷/۱۹۵)

اس شعر میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الا کلمۃ الٰی قصعتھا فقال قائل و من قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثا السیل و لینز عن اللّٰہ من صدور عدو کم المھابۃ منکم ولیقذ فن فی قلوبکم الوھن قال قائل یا رسول اللّٰہ و ما الوھن قال حب الدنیا و کراھیۃ الموت –

رواہ ابو داؤد و البیہقی –(مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے قریب ہے کہ مخالفوں کی جماعتیں ایک دوسرے کو تم سے لڑنے کے لیے بلائیں جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت دوسروں کو کھانے کی طرف بلاتی ہے- یہ سن کر صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کیا وہ لوگ اس لیے ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے آپ نے فرمایا تم اس زمانے میں بڑی تعداد میں ہو گے لیکن ایسے کہ جیسے دریا یا نالوں کے کنارے جھاگ ہوتے ہیں (یعنی تم نہایت کمزور اور ضعیف ہو گے) تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ضعف و سستی پیدا جو جائے گی -کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ وما الوھن'' (ضعف و سستی) کیا چیز ہے؟'' فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بیزاری - ابوداؤد و بیہقی -

مولانا ضیاء احمد بدایونی نے اس حدیث کو یوں نظم کیا ہے-

اک دن نبی نے مجمع اصحاب میں کہا — کل ہو گے تم نگاہِ جہاں میں ذلیل و خوار
کی عرض اپنی قلت تعداد کے سبب — شائد اٹھے گا خلق سے مسلم کا اختیار
فرمایا اس زمانے میں کثرت کے باوجود — ہوگا تمام قوم میں یہ ضعف آشکار
ہے بات یہ کہ الفت دنیا وخوفِ موت — بن جائیں گے معاشر اسلام کا شعار

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
(ص ۶۷۳/۲۰۱)

اس شعر میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے-

عن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم الرحمون یرحمہم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء -
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳ مجتبائی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو لوگ خدا کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں رحمٰن اس پر رحم کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو تا کہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

حالی نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

(مسدس، ص ۲ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور)

❁

کثرتِ نعمت گداز از دل برد
ناز می آرد نیاز از دل برد

(ص ۲۰۲/۶۷۴)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فواللّٰہ لا الفقر اخشٰی علیکم و لکن اخشٰی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علٰی من کان قبلکم فتنا فسوھا کما تنافسوھا و تھلککم کما اہلکتم -
(مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰ مجتبائی)

حضرت عمرو بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے خدا کی قسم میں تمہارے فقر و

افلاس سے نہیں ڈرتا ہوں بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے گی جس طرح ان لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں پھر تم دنیا کی رغبت کرو گے (یعنی دنیا کی لذتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے) جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے رغبت کی اور یہ دنیا تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح ان کو ہلاک کیا -

ضعفِ ایمان است و دلگیری است غم
نوجوانا ! 'نیمۂ پیری است غم'!

(ص ۶۷۶/۲۰۴)

''نیمۂ پیری'' اشارہ اس حدیث کی طرف ہے -

الہم نصف الہرم

فکر آدھا بڑھاپا ہے

(حافظ عبدالرحمٰن سخاوی - المقاصد الحسنہ ، صفحہ ۳۴ -۳۵ طبع لکھنؤ محمد ابن السید درویش + اسنی المطالب، صفحہ ۲۴۸، طبع مصر)

می شناسی ؟ حرص 'فقر حاضر' است
من غلامِ آنکہ بر خود قاہر است

(ص ۴۷۶/۲۰۴)

''فقر حاضر'' کہہ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے -

ایا کم و الطمع فانہ الفقر الحاضر -

(سخاوی - المقاصد الحسنہ صفحہ ۶۵ طبع لکھنؤ)

لالچ سے بچو کیونکہ یہ ایک قسم کی کھلی ہوئی محتاجی ہے -

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۹۰ء)

کھویا گیا جو مطلب، ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بیرنگ نہ ہو ادراک

(ص ۳۷۴/۵۰)

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں حسب ذیل حدیث کے ٹکڑے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

و تفترق امتی علیٰ ثلاث و سبعین ملة کلہم فی النار الا ملة واحدة ۔
(ترمذی ج ۲ صفحہ ۸۹ طبع مجتبائی)

(رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ) میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک فرقے کے سب جہنم میں جائیں گے۔

۞

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کار کشا ، کار ساز

(ص ۴۲۴/۱۰۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث قرب نوافل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۱

۞

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے!
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے!

(ص ۴۲۶/۱۰۲)

دیکھیے صفحہ ۱۰۴۔

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

بندۂ حق وارث پیغمبراں
او نگنجد در جہان دیگراں

(ص۵۴/۷۳۰)

اس شعر کے پہلے مصرع میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

العلماء ورثة الانبیا ۔ (اسنی المطالب صفحہ ۱۴۵ طبع مصر)

علما انبیا کے وارث ہیں۔

❁

خرقۂ آں ''برزخ لا یبغیان''
دیدمش در نکتۂ ''لی خرقتان''

(ص ۶۷/۷۴۳)

''لی خرقتان'' اقبال نے اس شعر کے تحت یہ حدیث لکھی ہے'' لی خرقتان الفقر و الجہاد'' مجھے خدا نے دو لباس دیے ہیں فقر اور جہاد، لیکن اس قول کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہوا ۔

❁

پس چہ باید کرد

(کلیاتِ اقبال، فارسی ،۱۹۹۰ء)

ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ او
قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ او

(ص ۶۹۰/۱۴)

دیکھیے صفحہ ۱۰۷۔

۞

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
''مسجدِ من ایں ہمہ روئے زمیں''

(ص ۶۹۳/۱۷)

دیکھیے صفحہ ۹۷۔

۞

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول
نعمَ مالٌ صالحٌ گوید رسول

(رومی) (صفحہ ۷۰۰/۲۴)

''نعم مال صالح'' اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح

(عبدالروٗف المناوی - کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق بر حاشیہ الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ ۱۳۰ طبع مصر)۔

حلال مال مرد صالح کے لیے مبارک ہے۔

۞

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست

(ص ۷۰۱/۲۵)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله -

(اسنی المطالب صفحہ ۲۳۸ طبع مصر)

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔

۞

در بدن داری اگر سوز حیات
ہست معراجِ مسلماں در صلوٰۃ

(ص ۷۰۹/۳۳)

اقبال نے الصلوٰۃ معراج المومنین کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ حدیث کہیں ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کا مفہوم درست ہے۔

۞

اے در و دشتِ تو باقی تا ابد
نعرۂ لاقیصر و کسریٰ کہ زد؟

(ص ۷۰۹/۳۳)

دیکھیے صفحہ ۱۰۷۔

۞

ارمغان حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی ، ۱۹۹۰ء)

بچشم من نگہ آوردۂ تست
فروغِ لا الہ آوردۂ تست
دو چارم کن بہ صبح 'من رآنی'
شبم را تابِ مہ آوردۂ تست

(ص ۸۰۰/۴۸)

دیکھیے صفحہ ۱۰۵-

۞

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک
کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد
شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

(ص ۸۶۵/۱۱۳)

دیکھیے صفحہ ۱۰۲۔

۞

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۷۳ء)

آب و گِل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلۂ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

(ص ۷۰۶/۱۴)

''ابلۂ جنت'' یہ ترکیب مندرجہ ذیل حدیث سے ماخوذ ہے-

اکثر اھل الجنة ابلة-

(حافظ عبدالرحمٰن سخاوی المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۵ طبع لکھنؤ محمد ابن السید درویش - اسنی المطالب صفحہ ۴۸ طبع مصر)

اکثر جنتی بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو محدث بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں اور محدث بزار نے اپنی کتاب المسند میں روایت کیا ہے۔ بعض اور محدثوں کے یہاں بھی یہ روایت ملتی ہے۔ علامہ ابن الدیبع نے اپنی کتاب تمیز الطیب من الخبیث (صفحہ ۳۲ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ اس کی سند کمزور ہے۔

باقیاتِ اقبال
(طبعِ اول، ۱۹۵۲ء)

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دل

(ص ۲۳)

اس شعر میں اس مشہور قول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قلوب المومنين عرش الله ۔

مومنوں کے دل اللہ کا عرش ہیں
یہ قول حدیث کی حیثیت سے مشہور ہے اگرچہ اس کی سند مشتبہ ہے۔

❁

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

(ص ۳۰)

دیکھیے صفحہ ۱۰۲۔

❁

مقصد لحمک لحمی پہ کھلی ان کی زباں
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں

(ص ۳۵)

''لحمک لحمی'' اس ضعیف حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

ان عليا لحمه من لحمی و دمه من دمی ۔ (کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۴)

علی کا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور ان کا خون میرا خون۔

ارجح المطالب میں خوارزمی سے بھی ایک عبارت منقول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے-

و لحمك لحمي و دمك دمي - (ارجح المطالب صفحہ ۵۷۱-۵۷۲)

اور تیرا گوشت میرا گوشت پوست ہے اور تیرا خون میرا خون

❁

سخنے راندۂ کہ جز قرشی
برسرِ مسندِ نبی نہ نشست

(ص ۱۲۷)

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے-

الا ئمة من قريش - (فتح الباری ج ۶ صفحہ ۵۷۹ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ)

امام قریش میں سے ہوں گے-

❁

رختِ سفر
(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

مجھ کو انکار نہیں آمد مہدی سے مگر
غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا

(ص ۶۶)

مصرع اولیٰ میں مندرجہ ذیل حدیث کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

المہدی من عترتی من ولد فاطمة ۔

(ابوداؤد صفحہ ۵۸۸ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۶۹ھ)

مہدی میری نسل اور فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے۔

❁

بشریٰ لکم کہ منتظرِ ما رسیدہ است
یعنی حجابِ غیبتِ کبریٰ رسیدہ است

(ص ۱۴۲)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وزعموا انه قد اختفٰی خوفا من اعدائه وسیظہر ۔

(عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ)

(یعنی) ان (شیعوں) کا گمان ہے کہ وہ (یعنی محمد، منتظر، مہدی) دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں اور وہ عنقریب ظاہر ہوں گے۔

❁

باب چہارم

فلسفیانہ تلمیحات

اسرارِ خودی
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

راہبِ دیرینہ افلاطوں حکیم
از گروہِ گوسفندانِ قدیم

(ص ۴۹/۳۳)

''افلاطون'': - افلاطون (Plato)، یونان کا مشہور ترین فلسفی ۴۲۸ - ۴۲۷ ق م میں پیدا ہوا اور ۳۴۷ - ۳۴۸ ق م میں فوت ہوا - یہ اثینیہ کے ایک ممتاز خاندان کا فرد تھا- اس نے ۳۸۷ ق م کے لگ بھگ ایک اکیڈیمی قائم کی جو فلسفیانہ اور علمی تحقیقات کے لیے تھی - افلاطون کے ''مکالمات'' اور ''ریاست'' اپنی نوعیت کے بے مثل کارنامے خیال کیے جاتے ہیں اور ان کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جا چکا ہے-

افلاطون کے نزدیک طریق فکر عقلیت ہے۔ عقلیت نام ہے اس اعتقاد کا کہ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا علم کما ہی حاصل ہوسکتا ہے - اس اعتقاد کو بطور اصول کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ کلی ، ذہنی ، واجب ، بسیط اور قدیم ہی حقیقت ہو سکتے ہیں اور جزئی ، خارجی ، ممکن ، مرکب اور حادث حقیقت نہیں ہو سکتے - لہٰذا افلاطون حقائق کا ایک نظام اس طرح وضع کرتا ہے کہ وہ سب کسی ایک اصول اولیٰ سے منطقی طور پر منتزع ہوسکیں - افلاطون کے نزدیک وہ اصول اولیٰ (سقراط کے زیر اثر) تصور خیر ہے - لہٰذا افلاطون کے نقطۂ نگاہ سے معقول حقیقت ہے اور محسوس نمود محض، اور اسی لیے اس نے عالمِ اعیان کو حقیقت تسلیم کیا ہے-

اقبال کے نزدیک یونانی فلسفہ کی خصوصیت اس کی عقلیت ہے اور اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ محسوس اور معقول دونوں حقیقت ہیں اور ان دونوں کے ماورا بھی حقیقت ہے۔اس لیے اقبال افلاطون سے اختلاف رکھتے ہیں کہ عقلیت کے اصول کو اختیار کر کے زمانی اور مکانی حقائق ، حرکت اور جدوجہد بے معنی رہ جاتے ہیں حالانکہ زندگی عبارت انہیں سے ہے۔

افلاطون کا نظریۂ تعلیم یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ان نقوش کو اجاگر کر کے دکھانا ہے جو روح میں پہلے سے دھندلی حالت میں موجود ہیں [1] ۔

حوالۂ کتاب

۱۔ ول ڈیوراں ۔ مترجم مولوی احسان احمد ۔ حکایت فلسفہ صفحہ ۸۔۷۳

پیامِ مشرق
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

شوپن ہاور و نیٹشا

(صفحہ ۱۴۹/۳۲۵)

''شوپن ہاور'':۔شوپن ہاور (Arthur Schopenhauer) ۲۲ فروری ۱۷۸۸ء کو ڈانزگ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک دولت مند تاجر تھا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ایک دیندار انسان بنے۔ لیکن شوپن ہاور تاجر بننے کے لیے پیدا نہیں ہوا تھا چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ ہامبرگ میں میرے قنوطی نظریۂ حیات کی بنیاد پڑی۔ وہ ۱۷ سال ہی کی عمر سے دنیا کے رنج والم کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا تھا۔ اس نے گوٹنجن اور برلن میں تعلیم حاصل کی۔ گوٹنجن میں شولتسے (Schulzey) اور برلن میں فشٹے (Fischte) فلسفہ میں اس کے استاد تھے۔ یہ دونوں مفکر اپنے زمانے میں چوٹی کے حکما تھے۔ شوپن ہاور نے افلاطون اور کانٹ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ شوپن ہاور پر ہندوؤں کی مقدس کتب اپنشدوں کا بھی اثر تھا جو اس نے لاطینی تراجم کی مدد سے پڑھی تھیں۔ اس کی اہم ترین تصنیف ''کائنات بحیثیت خواہش اور تصور'' (The World as Will and Idea) ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔ شوپن ہاور نے اپنی زندگی کے بہترین لمحات اپنی محبوبہ کے ساتھ وینس میں گذارے۔ واپسی پر اس نے برلن میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن اس وقت ہیگل جرمنی کی دنیائے فکر ونظر پر حکمران تھا۔ چنانچہ شوپن ہاور اور ہیگل میں رقابت پیدا ہوئی اور شوپن ہاور کے قدم نہ جم سکے۔ ۱۸۳۱ء میں اس نے فرانکفرٹ میں سکونت اختیار کی اور اپنا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرنے لگا۔ لیکن بہ حیثیت مصنف کے ہیگل کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوا اور ہر طرف سے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اسی دوران میں اس نے دو اور کتابیں شائع کیں۔ شوپن ہاور تمام عمر ناکامیوں اور مایوسیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی زندگی کے آخری ایام کسی قدر سکون و اطمینان سے بسر ہوئے۔ انتقال ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء کو ہوا۔

شوپن ہاور ایک ذہین ناول نگار ماں کا بیٹا تھا جس سے اس کی تلخی ہو گئی تھی - اس کا اثر اس کے افکار پر پڑا جسنے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قنوطی بنا دیا -

شوپن ہاور یورپ کا سب سے بڑا قنوطی فلسفی تھا - اس نے زندگی کو ایک تمثیل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک تندرست اور توانا اندھے کے کندھوں پر ایک لنگڑا سوار ہے اور اسے جدھر چاہتا ہے لیے جاتا ہے - شوپن ہاور کے نزدیک یہ حال عقل اور ارادہ کا ہے - اس نے کہا کہ کائنات ایک اندھی مشیت طاقت حیات کا مظہر ہے - اس میں اندھا دھند زندگی پیدا کرنے کا جذبہ ہے اور یہ زندگی سر بسر تنازع للبقا اور پُر آلام ہے - اس کے کچھ معنی نہیں ، نہ منزل نہ مقصود - سب سے اچھا راستہ وہ ہے جو اس سے چھٹکارے کی سبیل بتائے - اسی لیے اس نے خودکشی کو نجات کا ذریعہ سمجھا ہے - ۱

''نیٹشا'':- فریڈرک ولہلم نیطشے (Friedrich Wilhelm Neitzsche) ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پرشن سیکسنی میں پیدا ہوا اور بون اور لیزگ میں تعلیم حاصل کی - نیطشے کا یوم وفات ۲۶ اگست ۱۹۰۰ء ہے -

نیطشے کا فلسفہ مسیحی قدروں (Values) کی تنقید ہے - اس کے نزدیک عزم للقوۃ (Will to Power) سب سے اعلیٰ فضیلت ہے - نیطشے کا خیال ہے کہ فلسفہ کو حیات میں معین ہونا چاہیے - جب تک اس کا کوئی عملی فائدہ نہ ہو بیکار ہے - وہ تدوین نظام کا قائل نہیں جو کلاسیکل فلاسفہ کانٹ اور ہیگل کا رجحان تھا - ارتقا کی منزل اور مقصد ایک مافوق الانسان کو پیدا کرنا ہے جو نئی قدروں کا مجسمہ ہو -

سب سے بہتر وہ تعلیم ہے جو ہمیں دنیا کی مشکلات کا مقابلہ کرنا سکھائے نہ کہ وہ جو تخیلی دنیا میں فرار کرنے کی راہیں دکھائے - ۲

ٹالسٹائے

(صفحہ ۳۲۶/۱۵۰)

''ٹالسٹائے'':- (Count Leo Nikolaievitch Tolstoy or Tolstoi) کاؤنٹ لیو نکولائے وچ ٹالسٹائے ، مشہور روسی ناول نگار اور فلسفی ۲۸ اگست (۹ ستمبر) ۱۸۲۸ء کو پیدا ہوا - اس نے ماسکو اور قازان میں تعلیم حاصل کی - شروع میں یہ فوج میں بھرتی ہوا بعد ازاں فوجی

ملازمت سے سبکدوش ہو کر ادبی مشاغل میں منہمک ہو گیا - فوج سے الگ ہونے سے پہلے ہی ٹالسٹائے شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا - اس نے کچھ وقت سینٹ پیٹرس برگ کے بہترین علمی اور ادبی ماحول میں گذارا - جرمنی اور اٹلی کے سفر کے بعد ٹالسٹائے نے ۱۸۶۲ء میں شادی کی اور ماسکو کے قریب اقامت گزیں ہو گیا - اسی دوران میں اس نے چند ناول لکھے - جنگ کریمیا کے بعد ٹالسٹائے نے کچھ اور ناول تصنیف کیے - اس کے دو ناول دنیائے ادب میں بڑی شہرت رکھتے ہیں - ان میں پہلا ناول (War and Peace) تھا - یہ ناول نپولین کی لڑائی پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالتا ہے - اس ناول کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نپولین نے روس کے خلاف کیا کیا اور اہلِ روس نے کس طرح مدافعت کی - اس کا دوسرا مشہور ناول (Anna Karenina) ہے - یہ ناول ایک منحوس شادی کی دردناک داستان ہے - اس کے بعد اس نے غریبوں کی حمایت میں لکھنا شروع کیا اور زندگی کی تکالیف دور کرنا اپنا نصب العین قرار دیا - چنانچہ اس کی اس دور کی تصانیف میں غریبوں کی حمایت کا جذبہ جگہ جگہ کارفرما نظر آتا ہے - ٹالسٹائے نے روس میں سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی - آخر میں اس نے اپنی تمام دولت اپنی بیوی کے سپرد کر دی اور ایک کسان کی طرح اپنی بیوی کے مکان میں زندگی بسر کرنے لگا - اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام تارک الدنیا ہو کر گزارے - اس کا انتقال ۸ نومبر (۲۱ نومبر) ۱۹۱۰ء کو ہوا -

ٹالسٹائے کے نزدیک مسرت کا راز اس میں ہے کہ آسائش کے معیار کو کم کیا جائے - اس نے روس کے موجودہ حالات کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی کہ یہاں بہت جلد انقلاب آ کر رہے گا - وہ ۱۹۱۰ء میں فوت ہوا اور ۱۹۱۷ء میں انقلاب آ گیا - قوموں کی زندگی میں سات سال کا وقفہ کوئی بڑا وقفہ نہیں ہے - ۳

کارل مارکس

(صفحہ ۱۵۰/۳۲۶)

کارل مارکس (Karl Marx) جرمنی کا مشہور اسرائیلی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف قلمی جہاد کیا - ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو جرمنی میں پیدا ہوا - اس کے والدین نے اس کو بون اور برلن میں قانون کے مطالعہ کے لیے بھیجا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بجائے قانون

کے تاریخ اور فلسفہ کا مطالعہ کیا - مارکس بظاہر ہیگل کا متبع بن گیا لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا اور اس نے خدا اور مذہب دونوں کا انکار کر دیا - مارکس نے ۱۸۴۲ء میں رہینش گزٹ (Rhenish Gazette) کی ادارت کی - وہ ۱۸۴۳ء میں شادی کے بعد اقتصادیات کے مزید مطالعہ کے لیے پیرس گیا جہاں اس نے بہت کچھ حاصل کیا- ۱۸۴۵ء میں مارکس کو فرانس سے نکال دیا گیا - فرانس سے نکلنے کے بعد اس نے انگلز (Engles) کی معیت میں کمیونسٹ لیگ (Communist League) کی تنظیم کی اور ۱۸۴۸ء میں اس نے اپنا مشہور منشور (Manifesto) اسی لیگ کے لیے لکھا - سیاسی اختلافات کی بنا پر ارباب حکومت نے مارکس کو جلاوطن کر دیا چنانچہ اس نے کچھ عرصہ غیر ممالک کی سیاحت کی ، بعد ازاں لندن میں سکونت پذیر ہو گیا اور وہیں ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو انتقال کیا - اس کی مشہور کتاب موسوم بہ ''سرمایہ'' (Das Kapital) کو مذہب اشتراکیت کی انجیل سمجھنا چاہیے - اس کتاب میں مارکس نے اپنے معاشی نظام کو پیش کیا ہے-

کارل مارکس ایک معاشی اور عمرانی فلسفی ہے جو تاریخی انقلابات کی بنا طبقاتی جدلیت کو قرار دیتا ہے اور طبقاتی تضاد کو ابھار کر انقلاب لانا چاہتا ہے- اس کی معاشی فکر صنعتی سرمایہ داری میں جو بے انصافی ہے اس کے ردعمل کے طور پر ابھری ہے - وہ جب کبھی مذہب کی نسبت اظہار خیال کرتا ہے اس کے پیش نظر مسیحی مذہب ہوتا ہے- مارکس نسلاً یہودی ہے اور یہودیت کو جو عناد غیر یہودی نظام کے ساتھ ہے اس کے افکار میں نمایاں ہے-

اس کا ایک دوست انگلز ایک طویل مدت تک اس کی اور اس کے خاندان کی کفالت کرتا رہا تاکہ وہ اپنے افکار کو مدون کر سکے- [۴]

ہیگل

(صفحہ ۳۲۶/۱۵۰)

''ہیگل'':- جارج ولہلم فریڈرک ہیگل (George Wilhelm Friedrich Hegel) جرمنی کا مشہور و معروف فلسفی ۲۷ اگست ۱۷۷۰ء کو پیدا ہوا -اس کے معاصرین میں شیلنگ اور فشٹے خاص طور پر قابل ذکر ہیں- ۱۸۱۲ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب (Logic) کی پہلی جلد شائع کی - ۱۸۱۶ء میں ہیگل ہائیڈل برگ میں پروفیسر مقرر ہوا لیکن دو سال کے بعد اس نے برلن میں

پروفیسر کی جگہ قبول کر لی - برلن ہی میں ۱۴ نومبر ۱۸۳۱ء کو انتقال ہوا - اسی دوران میں اسنے کئی کتابیں شائع کیں جن میں Philosophy of History اور Philosophy of Art, Religion بڑی اہمیت رکھتی ہیں -

ہیگل کے پیش نظر بھی دوسرے اساطین فلاسفہ کی طرح یہی ہے کہ حقیقت کا ایک نظام مدون کیا جائے اور تمام کثرت کو کسی اصول واحد سے بطور ایک نظام ارتقا کے منتزع کیا جائے - چنانچہ ہیگل کے نقطہ نگاہ سے وہ اصول واحد تصور مطلق ہے اسی کے ظہور سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے - جو عمل ظہور کائنات میں مضمر ہے وہ جدلی عمل ہے - جدلی عمل کے تین مدارج ہیں - ایک اثبات ، دوسرے نفی ، تیسرے تطبیق -

دراصل ہیگل کا فلسفہ ایک کوشش ہے کانٹ کی تنقید کے بعد مابعد الطبیعیات کے مدون کرنے کی - اس لیے ہیگل کے نتائج اتنے اہم نہیں جتنے وہ دلائل جو ہیگل کانٹ کے بعد اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے پیش کرتا ہے - اس نے فلسفہ تاریخ پر بھی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ مختلف تہذیبیں تصور ہی کے واقعہ بننے یا پانے کی جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں -۵

حکیم آئن اسٹائن

(صفحہ ۳۲۸/۱۵۲)

''آئن اسٹائن'':- ڈاکٹر البرٹ آئن اسٹائن (Albert Einstein) ۱۴ مئی ۱۸۷۹ء کو جرمنی میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ پہلے میونخ اور اس کے بعد اٹلی میں بچپن گذارا - تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ زیورچ کے ایک اسکول میں استاد مقرر ہوئے اور انہوں نے سوئٹزرلینڈ کی شہریت اختیار کرلی - بعد میں انہیں بون میں پیٹینٹس کا انسپکٹر مقرر کر دیا گیا - اسی زمانے میں انہوں نے زیورچ کی یونیورسٹی سے پی ایچ - ڈی کی ڈگری حاصل کی - انہوں نے فزکس (علم الطبیعیات) پر بعض مقالے لکھے جن کا معیار اتنا بلند تھا کہ تیس برس کی عمر ہی میں انہیں یونیورسٹی میں فزکس کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا - ۱۹۱۱ء میں انہیں پراگ یونیورسٹی میں فزکس کا ہی پروفیسر مقرر کیا گیا مگر وہ بہت جلد سوئٹزرلینڈ واپس آ گئے - ۱۹۱۳ء میں انہوں نے برلن کے قیصر ولیم انسٹیٹیوٹ آف فزکس کے ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا-

آئن سٹائن نے ۱۹۰۵ء میں دنیا کے سامنے اپنا مشہور نظریۂ اضافیت پیش کیا جس نے سائنس کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا - انہوں نے ۱۹۲۱ء میں طبیعیات میں ''نوبل انعام'' حاصل کیا جب کہ ان کی عمر ۴۲ سال کی تھی - جرمنی میں جب نازیوں کو عروج حاصل ہوا تو آئن سٹائن کو بھی ان کی تنگ نظری کا نشانہ بننا پڑا اور وہ جرمنی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے - وہ امریکہ چلے آئے اور ۱۹۴۰ء میں انہوں نے امریکی شہریت اختیار کر لی - انہیں پرنسٹن یونیورسٹی میں اعلیٰ تحقیقات و مطالعہ کے ادارے میں تاحیات رکنیت بھی دے دی گئی تھی - وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے - ان کی تصانیف میں '' میرا فلسفہ'' اور دنیا میری نظر میں'' بھی شامل ہیں جو بالترتیب ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئیں - ان کا انتقال ۱۸ اپریل ۱۹۵۵ء کو ہوا -

آئن سٹائن نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ زمان مطلق اور مکان مطلق کے تصورات نہ تو نظری بنیادوں پر قابل قبول ہیں نہ تجربی بنیادوں پر - نظریۂ اضافیت کی رو سے زمان اور مکان دونوں نہ تو مطلق ہیں اور ایک دوسرے سے جدا ہیں بلکہ اضافی ہیں اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں - اس نظریہ کی رو سے یہ کائنات دو جدا مقولات یعنی زمان اور مکان پر مشتمل نہیں بلکہ '' زمان - مکان'' ایک تسلسل واحد ہے- لہٰذا ہمارا سہ ابعادی عالم اب چہار ابعادی ہو گیا ہے - کیونکہ کسی واقعہ کا پورے طور سے تعین کرنے کے لیے طول ، عرض اور عمق کے علاوہ زماں بھی درکار ہے - آئن سٹائن کے نزدیک زمان ، مکان حقیقت ہے لیکن ناظر یا شاہد کے لیے وہ اضافی ہے- فی الجملہ اقبال کو نظریۂ اضافیت کے تصورات سے اتفاق ہے لیکن اقبال کو نظریۂ اضافیت پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی رو سے زمان مکان کا بعد رابع بن جاتا ہے - اقبال کے نقطۂ نگاہ سے اس کا یہ مطلب ہو گا کہ مستقبل بلاشبہ ایسا ہی متعین ہے جیسا ماضی- اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زمان ایک آزاد تخلیقی حرکت کی حیثیت سے متصور نہ ہو سکے گا - اقبال کو برگساں سے اس باب میں اتفاق ہے کہ زمان ایک تسلسل ہے لیکن اقبال یا برگساں کے زمان کو تسلسل کہنے سے بات واضح نہیں ہوتی - زمان اور مکان دونوں کے دو دو پہلو ہیں ایک تدریج اور دوسرے اس تدریج کا مسلسل ہونا - زمان آنات کی تدریج مسلسل ہے اور مکان نقاط کی - ٦

محاورہ مابین حکیم فرنسوی اگسٹس کومت و مرد مزدور

(صفحہ ۱۵۴/۳۳۰)

''آگسٹس کومٹ'':- اوگستے کومت (Auguste Comte) ایجابیت کا بانی ۱۹ جنوری ۱۷۹۸ء کو پیدا ہوا - وہ ابتدا ہی سے ریاضی کا شائق اور حاکمانہ اقتدار کا مخالف تھا - اس نے ایکول پولی تیکنیک (Ecole Polytechnique) میں طلبا کے احتجاج میں شرکت کی جو انہوں نے اپنے کسی معلم کے رویہ کے خلاف کیا تھا - اس پر کومت وہاں سے نکالا گیا- بعد ازاں اس نے چند سال اپنے والدین کے ساتھ گذارے ، آخر کار پیرس واپس آ گیا جہاں اس نے ریاضی کا درس دے کر اپنی معاش کا انتظام کیا - سینٹ سائمن (Saint-Simon) کی ملاقات سے اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم رونما ہوا - چھ سال تک کومت سائمن کی شاگردی میں رہا - اس کے بعد شاگرد اور استاد میں کسی بات پر اختلاف ہوا اور دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی - ۱۸۲۵ء میں کومت نے شادی کی لیکن فریقین کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی اور سترہ سال کی مسلسل جنگ و جدل کے بعد ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا - ۱۸۲۶ء میں کومت نے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جس میں اپنے نظریات کو واضح کیا۔ اس کے لیکچروں میں اس کے عہد کے مشہور سائنسدان شریک ہوا کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ کومت پر آخر میں جنون کا غلبہ طاری ہو گیا تھا - اس نے اپنی مشہور کتاب (Philosophie Positive) کی اشاعت کے دوران میں اپنی گذر اوقات کا بندوبست ایکول پولی تیکنیک میں معلم کی حیثیت سے کیا - بعد ازاں کچھ لوگوں کی مخالفت سے یہ اعزاز اس سے چھین لیا گیا - اب اس نے ریاضی پڑھانے کا انتظام کیا- کومت کے آخری ایام میں اس کے بعض احباب نے اس کی مالی امداد بھی کی - اس کا انتقال ۵ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوا -

کومت کے فلسفہ کے دو پہلو ہیں ، ایک تنقیدی اور دوسرا تعمیری - تنقید میں وہ یہ واضح کرنے کی سعی کرتا ہے کہ علم کیونکر ممکن ہے اور اس کی واقعیت کے حدود کیا ہیں - اور تعمیری پہلو میں وہ ایک نظریہ منتہائے حقیقت کے بارے میں پیش کرتا ہے اور اس بات پر مصر ہے کہ یہ نظریہ علم نہیں ہے بلکہ ایک اعتقاد کی حیثیت رکھتا ہے - جن فلاسفہ نے اپنے افکار کی بنیاد کانٹ کی تنقید کے نتائج پر رکھی ہے وہ اس طرف گئے ہیں کہ محسوسات حقیقت ہیں اور اس کا علم حاصل

ہو سکتا ہے اور جب انہوں نے نظری شعور کے تقاضے کے پیش نظر صرف معلوم کو موجود سمجھنے پر اصرار کیا تو نتیجہ میں اس طرح کے نظریات پیدا ہوئے جیسے کومت کا نظریہ ایجابیت جس میں کانٹ کی ورائے محسوسات حقیقت کی گنجائش نہیں ہے۔

کومت فلسفہ ایجابیت (Positivism) کا بانی ہے۔ یہ فلسفہ کائنات کے ظواہر سے بحث کرتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یقینی علم صرف ظواہر ہی کا ہے۔ یہ نظریہ بڑی حد تک تصوریت کی ضد ہے۔ لہٰذا کومت نے اپنی ساری توجہ محسوسات کی طرف مبذول کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فلسفہ میں ریاضی، طبیعیات، کیمیا اور عمرانیات کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اس نے منطق، اخلاقیات اور نفسیات کو اپنے فلسفیانہ نظام میں کوئی جگہ نہیں دی۔[۷]

پیغام برگساں

(صفحہ ۳۳۲/۱۵۶)

''برگساں'':۔ آں ری برگساں (Henri Bergson) فرانس کا مشہور حکیم ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پیرس میں پیدا ہوا۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۱ء تک پروفیسر رہا۔ اس نے ۱۹۲۷ء میں 'نوبل انعام' حاصل کیا۔ اس کا شمار اپنے عہد کے مشہور ترین حکماء میں ہوتا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں اس نے انتقال کیا۔

برگساں کا خیال یہ ہے کہ عقل اور حواس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اشیا کے ظاہر کا علم ہے اور کسی شے کی حقیقت یا کنہ صرف وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے۔ وجدان بلاواسطہ حقیقت شے کا احاطہ کرتا ہے اور وجدان ہی پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ اشیاء ساکن نہیں متحرک ہیں، متحرک ہی نہیں بلکہ متحرک نامی ہیں۔ برگساں کے نزدیک تمام فلاسفہ کا فکر جمود کی طرف مائل ہے کیونکہ ان کے علم کا ذریعہ عقل ہے۔ برگساں کے فلسفہ کی خصوصیت یہ ہے کہ طریق فکر کے اعتبار سے تو اس کا نظریہ وجدانیت ہے اور نتائج کے لحاظ سے اس کا فلسفہ حیاتیت (Vitalism) ہے کیونکہ وہ جوش حیات (Elan Vital) کو اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ وجدانیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اشتراک فی العلم متصور نہیں رہتا اور حیاتیت (Vitalism) کا نتیجہ یہ ہے کہ طبیعی، نامی، شعوری اور خود شعوری حقائق کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ برگساں اس نتیجہ پر اس لیے پہنچا کہ اس نے حیاتیات کے مقولات کو اپنی فکر کی تنظیم کا اصول بنایا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حیاتی اصول ہی اصل الاصول قرار دیا جائے۔[۸]

ساغرش را سحر از بادۂ خورشید افروخت
ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آمد

(صفحہ ۳۳۴/۱۵۸)

یہاں مشہور انگریز فلسفی لاک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''جان لاک'':- جان لاک (John Lock) ۲۹ اگست ۱۶۳۲ء کو قصبہ رنگٹن میں پیدا ہوا ۔ اوائل عمر میں آکسفورڈ میں فلسفہ، سائنس اور طب کا مطالعہ کیا ۔ تین سال تک برلن قونصل کا سیکریٹری رہا۔ اس کے معاصرین اس کے خلوص، اس کی صداقت اور حریت کو حاصل کرنے میں اس کے جوش کے قائل تھے۔ اس کی تحریر نہایت سلجھی ہوئی اور صاف ہوتی تھی ۔ ۲۸ اکتوبر ۱۷۰۴ء کو انتقال کیا۔

لاک کو فلاسفہ حسیین (Empiricists) اپنے مذہب کا امام سمجھتے ہیں ۔ اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ مناظرہ و مباحثہ میں بسر کیا ۔ ان مباحثوں میں اس کی نفسانیت کو دخل نہ تھا بلکہ خالص علمی تحقیق پیش نظر رہتی تھی ۔ لاک علم دوستی اور امن پسندی کے باوجود انقلاباتِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ مخالفین کی شرارت سے اس کا شمار بدخواہانِ سلطنت میں ہونے لگا ۔ بالآخر اس کو وطن چھوڑنا ہی پڑا ۔

لاک نے سیاسیات میں فلسفہ کو فراموش نہیں کیا چنانچہ اس نے فلسفہ قانون و مملکت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ملکی حکومت پر ایک مستقل تصنیف یادگار چھوڑی ۔ لاک کے مذہب اور فلسفہ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس نے عقل کے ذریعہ سے فطری مذہب کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ لاک کی مندرجہ ذیل کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1 - Letters on Education.
2 - An Essay on Civil Government.
3 - Letters on Toleration.
4 - Reasonableness of Christianity.
5 - Essay on Human Understanding.

آخری کتاب جو اس کا شاہکار ہے، اس کے فلسفہ کا مرقع ہے۔

جان لاک حسیت کا بانی، وہبی تصورات اور ضمیر کا منکر، نفس کو سادہ لوح تصور کرنے والا، فلسفۂ جدید بالخصوص نفسیات جدید پر اس نے گہرا اثر ڈالا ۔ انگلستان میں لاک نے عقل و علم کا جائزہ بڑی دقتِ نظر اور بڑی شرح و بسط سے لیا اور کہا کہ نفسِ انسانی ایک لوحِ سادہ ہے جس پر حواس اپنی قلم کاری سے نقوش بناتے ہیں اور تمام علم حواس ہی سے ظاہر ہوتا ہے اور نفس کے

اندر تصورات سے ان معلومات کی شیرازہ بندی ہوتی ہے - مادہ کے اصل کا جوہر اتنا ہی ہے کہ اس میں امتداد ہے اور وہ مکان کو گھیرتا ہے باقی عالمِ آواز و رنگ و بو سب اعتباری اور اضافی ہے - یہ مادہ کے ثانوی صفات ہیں جو مادہ کے جوہر میں نہیں پائے جاتے بلکہ مادۂ آلات حس اور نفس تینوں کے تعامل سے پیدا ہوتے ہیں - ان اضافات کا کوئی مطلق وجود نہیں - آزادی کے متعلق لاک کا نظریہ یہ ہے کہ آزادی کا مستقر عمل ہے نہ کہ انتخاب - آخر الذکر محرکات کا نتیجہ ہوتا ہے -۹

❁

فطرتش ذوق مئے آئینہ فامے آورد
از شبستانِ ازل کوکبِ جامے آورد

(صفحہ ۳۳۵/۱۵۹)

یہاں اشارہ مشہور جرمن فلسفی کانٹ کی طرف ہے -

''امانوئل کانٹ'':- امانوئل کانٹ (Immanuel Kant) پرشیا میں کونگز برگ کے مقام پر ۲۲ اپریل ۱۷۲۴ء کو پیدا ہوا - اس کی زندگی نظم و ضبط کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے - کانٹ کی زندگی میں جس قدر فلسفیانہ وقار پایا جاتا ہے، اس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے - اس نے تمام عمر کونگز برگ کے برفانی پہاڑوں میں بسر کی - کانٹ نے مختلف زبانیں سیکھیں اور ادبیات کا مطالعہ کیا - اسے ریاضیات اور طبیعیات سے بڑا شغف تھا اور اس میں اسے خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی - ۱۲ فروری ۱۸۰۴ء کو کانٹ نے ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا -

کانٹ کی شہرت اس کی کتاب ''تنقید عقل محض'' (Critique of Pure Reason) کے شائع ہونے کے بعد ہوئی - یہ کتاب جیسا کہ کانٹ بتاتا ہے بارہ سال کے غور و فکر کا نتیجہ ہے - اس کتاب میں کانٹ نے یہ مسائل حل کیے ہیں کہ علم، تصور، ادراک اور یقین سے کس طرح ممتاز اور متمیز ہے؟ علم کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے علم ممکن ہوتا ہے اور نہ ہونے سے نہیں اور علم کی صحت اور واقعیت کے حدود کیا ہیں؟

اخلاق پر اس کی دور آفریں تصنیف (Critique of Practical Reason) ''تنقید عقل عملی'' ہے جو ۱۷۸۸ء میں شائع ہوئی - اس میں کانٹ نے ان مسائل کو حل کیا ہے کہ نیکی اور مصلحت میں امتیاز کیا ہے؟ نیکی کی ماہیت کیا ہے؟ وہ شرائط کیا ہیں جن کے پورا ہونے سے نیکی ممکن ہے ورنہ نہیں اور نیکی کی صحت اور واقعیت کے حدود کیا ہیں؟

کانٹ نے اپنے عہد کو دورِ تنقید کہا ہے - کانٹ سے قبل مفکرین نے مابعدالطبیعیات کے نظام مرتب کیے تھے - کائنات ، خدا ، روح وغیرہ کے متعلق عقلی دلائل کے ساتھ بحثیں کی تھیں لیکن کانٹ نے پہلی دفعہ پوری طرح غور کیا کہ عقل کیا چیز ہے ، عقل سے ہمیں کن چیزوں کا علم ہوسکتا ہے اور وہ کون سے حدود ہیں جن کے بعد عقل کی رہنمائی اور کارفرمائی ختم ہو جاتی ہے - کیا انسان کو عقل کے ذریعے کائنات ، خدا اور روح وغیرہ کی حقیقت کا علم ہوسکتا ہے - مختصر یہ کہ کیا مابعدالطبیعیات بہ حیثیت علم کے ممکن ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت عالم کا علم تو نہیں ہوسکتا لیکن بطور اعتقاد کے اس کے بارے میں ایک رائے قائم ہوسکتی ہے -

فلاسفہ جدید میں جمالیات کے موضوع پر کانٹ نے سب سے پہلے ایک مکمل نظریہ پیش کیا - سوائے کانٹ کے ہر فلسفی نے جمالیاتی نظریات کی بنا مابعدالطبیعیات پر رکھی ہے - سب سے مختلف کانٹ نے جمالیات کے مسائل کو بغیر مابعدالطبیعیات کے متعین کیا ہے اور اپنی مشہور و معروف کتاب '' تنقید تصدیق '' (Critique of Judgment) میں ان سوالات کا جواب دیا ہے- ہمارے اندر جو جمال کی طلب پائی جاتی ہے اس کے مقتضیات کیا ہیں ؟ حسن کیوں متاثر کرتا ہے؟ اور حسن ہے کیا ؟ [۱۰]

حوالہ کتب

۱ -	ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ - مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - تاریخ فلسفہ جدید ج ۲ صفحہ ۲۴۸ - ۲۷۷
+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۵

۲ -	ول ڈیوراں - مترجم مولوی احسان احمد - حکایت فلسفہ، صفحہ ۵۰۷ - ۵۶۷
+ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، صفحہ ۴۳۲ - ۴۳۵ -

۳ -	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۲، صفحہ ۲۷۲ - ۲۷۵ -

۴ -	انسائیکلوپیڈیا امریکہ، ج ۱۶، صفحہ ۳۴۶ - ۳۴۷ -

۵ -	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۱، صفحہ ۳۷۹ - ۳۸۵ -

۶ -	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۸ صفحہ ۱۱۳ - ۱۱۴
+ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اضافیت

۷ -	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۶، صفحہ ۱۹۰ - ۱۹۵ -

۸ -	انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۲، صفحہ ۴۳۵
+ ول ڈیوراں مترجم مولوی احسان احمد - حکایت فلسفہ، صفحہ ۵۶۹ - ۵۹۱ -

۹ -	ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ، مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - تاریخ فلسفۂ جدید ج ۱ صفحہ ۴۲۸ - ۴۴۸
+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۴ صفحہ ۲۷۱ - ۲۷۵ -

۱۰ -	ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ - مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - تاریخ فلسفۂ جدید، ج ۲، صفحہ ۲۹ - ۴۳
+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۳، صفحہ ۲۶۵ - ۲۶۷

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۹۰ء)

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

(ص ۵۸/۷۴)

'' گایتری'' گایتری کا منتر رگ وید کے تیسرے منڈل کے بھجن نمبر ۶۲ کے دسویں اشلوک میں آیا ہے -منتر کی اصل عبارت یہ ہے-

''اوم بھو بھوا سواتت سو یتر ورے تیم بھر گو دیو وسیاد ہی مہی دہیو یونہا پر چود یات''

وہ جو ساری کائنات کا خالق ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے جو ساری چمکدار اشیا کا خزانہ ہے نور کا منبع ہے- ہم اسی کا ذکر کرتے ہیں (اور اس سے دعا مانگتے ہیں کہ) وہ ہماری عقل کو راہ راست پر چلائے-

گایتری کی تشریح کے لیے اقبال کا مضمون درج ذیل ہے-

''یہ اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں جس کو گایتری کہتے ہیں یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے- جنہوں نے نظام عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البنیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا- اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و النحل کے عالموں کے لیے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کے ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے- یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں- جو لوگ محققین السنۂ شرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں ان کو معلوم ہے کہ سر ولیم جونز کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت کرنی پڑی تھی- مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کئے گئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنۂ حال میں وضاحت کے ساتھ اس

کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے - اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ سیوتر استعمال کیا گیا ہے جس کے لیے اردو لفظ نہ مل سکنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے لیکن اصل میں اس لفظ سے مراد اس آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب ضیا کرتا ہے - اکثر قدیم قوموں نے نیز صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو نور سے تعبیر کیا ہے - قرآن شریف میں آیا ہے اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض اور شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آتا - علیٰ ہذا القیاس افلاطون کے مصری پیروؤں اور ایران کے قدیم انبیاء کا بھی یہی مذہب تھا -

ترجمہ کی مشکلات سے ہر شخص واقف ہے لیکن اس خاص صورت میں یہ دقت اور بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل الفاظ کی موسیقیت اور طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے، اردو زبان میں منتقل نہیں ہوسکتا - گایتری کے مصنف نے ملک الشعراء ٹینی سن کی طرح اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں حروف علت اور صحیح کی قدرتی ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے - اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد اس سوکت (گفتار زیبا) پر رکھی ہے جس کو سریا نرائن اپنشد میں گایتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا ہے - ترجمہ کرنے کو تو میں نے کر دیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اس پر وہی رائے قائم کریں گے جو جیپ سن نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ گایتری نہیں''-[۱]

❁

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیٔ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے

(صفحہ ۱۰۸/۹۲)

یہاں اشارہ مشہور فلسفی دیمقراطیس کی طرف کیا گیا ہے-

''دیمقراطیس'':- دیمقراطیس (Democritus) ۴۷۰ یا ۴۶۰ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوا - اس نے اپنے عہد کے دیگر فلسفیوں کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا تھا - دیمقراطیس اپنے عہد کا مشہور مفکر تھا- اس نے مشرق کی سیاحت بھی کی تھی - دیمقراطیس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ تعلیم دی کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں - اس کے نزدیک یہ عالم اجزائے لایتجزیٰ کا

مجموعہ ہے - جب یہ اجزا مختلف تناسب کے ساتھ ملتے ہیں تو مختلف حقائق ظہور میں آتے ہیں - یہ اجزا مکان میں متحرک اور ہر وقت مسلسل حرکت میں ہیں - دیمقر اطیس مادیین کا باوا آدم ہے - ۲

۞

عروق مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

(صفحہ ۲۸۱ / ۲۹۷)

'' سینا'':- سینا (Avicenna) کا پورا نام ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن سینا تھا-مسلمان فلسفی اور طبیب، ۹۸۰ ء میں بمقام بخارا پیدا ہوا - اس نے کم عمری ہی میں علوم ریاضی و ادب میں مہارت پیدا کر لی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں بغداد میں شاہی طبیب ہو گیا تھا - ابن سینا کئی سلاطین کا طبیب رہا اور کچھ عرصہ ہمدان میں وزیر بھی رہا جہاں ۱۰۳۷ ء میں انتقال کیا - اس کی تصانیف کی تعداد ۴۶ ہے جن میں بعض کے نام یہ ہیں :

لسان العرب دس جلدیں ، المنطق بالشعر ، عیون الحکمت اور کتاب الحواشی علی القانون- ابن سینا کو طب میں ایک بلند مقام حاصل ہے-

ابن سینا کے فلسفہ میں واجب اور ممکن کی بحث خاص اہمیت رکھتی ہے جس پر اس نے کائنات اور اس کے خالق کے تعلقات کی بنا رکھی ہے - وہ مظاہر علم سے حقیقت عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور علمیات اور مابعد الطبیعیات میں ایک خاص مقام رکھتا ہے جو یونانی فلاسفہ کو میسر نہ آ سکا کیونکہ یونانی فلاسفہ کی حیثیت یا تو عقلیین (Rationalists) کی ہے یا حسّیین (Empiricists) کی ہے- افلاطون اور ارسطو دونوں عقلیین ہیں -۳

'' فارابی'': - فارابی کا پورا نام محمد بن محمد طرخاں ابونصر الفارابی ہے - فارابی دنیائے اسلام کے مشاہیر فلاسفہ میں تھا - اس نے ایک کتاب افلاطون و ارسطو کے مقاصد پر الجمع بین الرائین کے نام سے لکھی جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فارابی کتنا بڑا فلسفی اور محقق تھا - اس نے ارسطو کی ہر کتاب پر تبصرہ کیا ہے اور علم الٰہی پر روشنی ڈالتے ہوئے ،علم طبیعی سے مدد لی ہے - الغرض فارابی کی یہ کتاب اس موضوع پر بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے- فارابی نے دو اور کتابیں بھی لکھی تھیں ایک المدینۃ الفاضلہ اور دوسری کا نام احصاء العلوم ہے - ان دونوں کتابوں میں ارسطو کی الٰہیات پر فاضلانہ بحث کی ہے - فارابی ترکی کے ایک شہر فاراب میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے فارابی کہلایا - اس کا انتقال دمشق میں ۳۳۹ ھ (۹۵۰ء) میں ہوا -

جن لوگوں نے فارابی کے نفسیات کے مباحث کا مطالعہ نہیں کیا صرف وہی یہ رائے رکھ سکتے ہیں کہ نفسیات کو بہ حیثیت ایک مدوّن علم کے جدید فلاسفہ ہی نے مدوّن کیا ہے - لیکن فارابی کے مباحث دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذہن اس دور میں بھی نفسیات کے مسائل کو بطور علمی مسائل متعین کر کے حل کرنا چاہتا ہے[۴] -

حوالہ کتب

۱ - مخزن ، ماہ اگست ۱۹۰۲ء -

۲ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۷ ،صفحہ ۱۸۷ - ۱۸۸ ، ۱۹۵۰ء

۳ - جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی ، تاریخ الحکماء اردو،صفحہ ۵۳۱-۵۵۰

۴ - جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی ، تاریخ الحکما اردو ،صفحہ ۳۷۵-۳۷۸

زبورِ عجم
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

مکدر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را
جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی

(صفحہ ۲۱/ ۳۶۵)

''مشائی، اشراقی'':- مشائیت کا بانی ارسطو ہے- مشائیت کی اصطلاح ارسطو کے طریق تدریس سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ٹہلتا جاتا تھا اور درس دیتا جاتا تھا- لیکن مشائیت کا فلسفیانہ پہلو یہ ہے کہ اس میں محسوس کی حقیقت سمجھنے اور کائنات کے اسی پہلو کو موضوعِ فکر بنانے اور سمجھنے کی سعی ہے جس پر محسوس کا اطلاق ہوتا ہے-

اشراقیت کی مدوّن صورت تو فلاطونس (Plotinus) کی جدوجہد سے قائم ہوئی ، لیکن اس کے رجحانات افلاطون اور ماقبل افلاطون عقلیین، مثلاً فیثا غورث میں بھی موجود تھے- اشراقیت کا اصول یہ ہے کہ انسان میں وجدان ہی وہ استعداد ہے جس سے وہ حقیقت حقہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ استعداد ریاضات اور مجاہدات سے جِلا پاتی ہے اور ماورائی حقائق کو سمجھنے کا ذریعہ ہے- لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ طریق فکر کے اعتبار سے اس اعتقاد کا نام ہے کہ ذریعۂ علم حقیقت وجدان ہے اور نظریاتی اعتبار سے ایک اشراقی وحدت الوجود کے نظریہ کو ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اختیار کرنا منتہائے کمال سمجھتا ہے-[1]

❁

درآں عالم کہ جزو از کل فزون است
قیاسِ رازی و طوسی جنون است

(صفحہ ۹۵/ ۴۳۹)

''رازی'':- نام محمد، کنیت ابوالفضل اور لقب فخر الدین تھا۔ امام رازی ۵۴۴ھ (۱۱۵۰ء) میں بمقام رے جو طبرستان میں واقع ہے، پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے رازی کہلائے -

۶۰۶ ھ (۱۲۱۰ء) میں وفات پائی - ان کی ذات میں خدا نے علم ، دولت ،عزت اور شہرت ، چاروں چیزیں جمع کر دی تھیں اور یہ اجتماع شاذ و نادر ہی ایک جگہ ملتا ہے - ان کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے - بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں : مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر اور شرحِ اشارات -

امام رازی کی حیثیت ایک جامع العلوم مذہبی مفکر کی ہے اور ان کی خاص تصنیف تفسیر کبیر ہے جس میں وہ فلسفیانہ نقطۂ نگاہ سے مسائل پر بحث کرتے ہیں - ان کے نظریات میں خاص پہلو یہ ہے کہ وہ جبر کے قائل ہیں ، اور کلام میں امام اشعری کے متبع ہیں - امام رازی کو رئیس المتکلمین کہا گیا ہے -۲

''طوسی'':- نصیر الدین طوسی ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء کو بمقام طوس پیدا ہوئے اور ۲۶ جون ۱۲۷۴ء کو بغداد میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے - انہیں مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی - خصوصاً ہیئت اور فلسفہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے - طوسی کی تصانیف کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی بعض کتابیں آج تک درس میں داخل ہیں - طوسی نے اقلیدس کا ترجمہ جو یونانی زبان میں تھی ،عربی میں کیا - انہوں نے عربی کی ایک کتاب الطہارت فی الحکمت عملی کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اخلاق ناصری کے نام سے اب تک مشہور ہے - طوسی نے علم ہیئت کے متعلق کچھ نقشے بھی تیار کیے تھے جو زیچ ایلخانی کہلاتے ہیں - ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں : اوصاف الاشراف اور بحر المعانی -

طوسی کا کہنا ہے کہ ان کا شیوہ بجز ارسطو کی ترجمانی کے اور کچھ نہیں ہے - اس اعتراف کے پیش نظر ان کے محقق ہونے کی شہادت مہیا کرنا ایک غیر ضروری تکلف معلوم ہوتا ہے -۳

۞

زمانے با ارسطو آشنا باش
دمے با ساز بیکن ہم نوا باش

(صفحہ ۴۳۹/۹۵)

''ارسطو'':- ارسطو (Aristotle) ۳۸۴ ق م میں یونان کی ایک نو آبادی میں پیدا ہوا - وہ اٹھارہ سال کی عمر میں اثینیہ (Athens) آ گیا تھا - تین سال بعد افلاطون کی شاگردی اختیار کی - اس نے اثینیہ میں بیس سال قیام کیا اور ایک اسکول قائم کیا - افلاطون کے انتقال کے بعد ارسطو کو اثینیہ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر چھوڑنا پڑا - ۳۴۲ ق م میں ارسطو کو مقدونیہ کے بادشاہ نے

اپنے بیٹے سکندر کی تربیت کے لیے طلب کیا - سکندر، ارسطو کی شاگردی میں رہا اور یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا جب ۳۳۴ ق م میں سکندر نے ایشیا پر حملے کی تیاری کی - ارسطو نے ۶۲ سال کی عمر میں ۳۲۲ ق م میں انتقال کیا -

افلاطون کے شاگرد رشید، سکندر اعظم کے نامور استاد، بانیِ مدرسہ مشائیت (Peripatetic School) ، جملہ فنون کے مدوّن، ارسطو کے نزدیک اخلاق کا معیار افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال ہے - اس نظریہ نے فکرِ مابعد کو اس درجہ متاثر کیا ہے کہ مسلمان فلاسفہ بلکہ دوسرے اہلِ علم بھی اعتدال ہی کو معیارِ اخلاق سمجھتے رہے ہیں ؛ حالانکہ یہ کسی طرح متعین نہیں ہوسکتا کہ افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال کہاں ہے - اس لحاظ سے یہ معیار بھی قابل قبول نہیں، اور جہاں تک فضائلِ اخلاق کی تقسیم کا تعلق ہے ، وہ بھی انسانی نفس کے نفسیاتی تجزیہ پر مبنی ہے- مثلاً شجاعت کا تعلق ارادہ ، اور عفت کا جذبات سے ، حکمت کا فہم سے اور عدالت کا ان سب سے ہے- لیکن شجاعت ایک ملکہ ہے اور ایک شخص بالطبع بہادر یا بزدل ہو سکتا ہے جس میں اس کے ارادہ کو دخل نہ ہو ، اور ہم اس کی بزدلی کو اخلاقی رذیلت قرار نہیں دے سکتے -[۴]

''بیکن'':- فرانسس بیکن (Francis Bacon) ۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء کو لندن میں پیدا ہوا- اس نے اپنی زندگی میں جس طرح عروج حاصل کیا، اسی طرح اس کا زوال بھی دیکھا- ۱۹ اپریل ۱۶۲۶ء کو جب بیکن کا انتقال ہوا تو وہ بہت مقروض تھا- حالانکہ اس سے قبل وہ بڑے سے بڑے مناصب پر فائز رہ چکا تھا- ۱۶۰۵ء میں اسنے (Advancement of Learning) ، اپنی مشہور کتاب شائع کی - اس کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں : History of Henry VII, Reading on the Statute of Uses , Maxims of the Law.

بیکن ، سائنٹفک طریق تحقیق ، استقرا کا بانی متصور ہوتا ہے - یہ طریق کلاسیکل طریق فکر کا، جو محض نظری ہے ، ردعمل ہے - انسان کی فکر پر چار بتوں کی پرستش اس طرح حاوی ہے کہ اس کی آزادی سلب ہوگئی ہے -عمل استقرا کا منشا ان بتوں کو توڑ کر فکر انسانی کو آزاد کرنا ہے - وہ بت حسب ذیل ہیں :

۱ - The Idols of Tribe - یہ وہ تعصّبات ہیں جو نسل و قوم ، مرز و بوم کے متعلق ہمارے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور ہماری فکر کی آزادی کو سلب کیے ہوئے ہیں -

۲ - The Idols of the Care سے مراد شخصی تعصّبات جو مخصوص تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتے ہیں یا اس کے خاص افتادِ مزاج پر مبنی ہیں۔

۳ - The Idols of Market Place سے مراد وہ غلط فہمیاں ہیں جن کی جڑیں زبان میں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن چیزوں کے لیے الفاظ ہیں، ان کا واقعی وجود بھی ہے۔ بہت سی پادر ہوا تجریدات، تعریفات اور قیاساتِ بے بنیاد پر ایمان لانا اسی بت کی پوجا ہے۔

۴ - The Idols of the Theatre - رسوم و روایات کی کورانہ تقلید جس میں قدیم حکما کے اقوال و نظریات پر آنکھ بند کر کے ایمان لانا بھی شامل ہے۔

یہ سب خرابیاں قیاسی طریقِ فکر سے، جس کا ارسطو موجد تھا، پیدا ہوئی ہیں جس میں کچھ مقدمات تسلیم کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔ اور غیر صحت بخش رجحان کا واحد حل استقرا ہے۔[۵]

دگر از شنکر و منصور کم گوئے
خدارا ہم براہِ خویشتن جوئے

(صفحہ ۱۰۹/۴۵۳)

’’شنکر‘‘:- مراد شنکر اچاریہ سے ہے۔

شنکر ویشنوی فرقہ کا بانی اور ویدانت فلسفہ کا گرو تھا - اس کے ایک شاگرد نے اس کے متعلق ایک مشہور کتاب شنکر اوجے لکھی ہے۔ شنکر کی بہت سی تصانیف ہیں - اس نے بھگوت گیتا اور مہابھارت پر حاشیہ بھی لکھا تھا - اس کی تاریخِ پیدائش اور تاریخ وفات میں مورخین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ سر آر جی بھنڈار کر کا کہنا ہے کہ شنکر ۶۸۰ء میں پیدا ہوا اور پروفیسر میکڈونلڈ نے اس کی تاریخ پیدائش ۷۸۸ء اور تاریخ وفات ۸۲۰ء بتائی ہے۔

شنکر ہمہ اوست کے نظریہ کا مفسر ہے۔ لیکن ہمہ اوست سے دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ کثرت ہی، جس میں وحدت ظاہر ہوگئی ہے، حقیقت ہے اور وحدت کا وجود کثرت کے ماورا نہیں - اور دوسرے یہ کہ چونکہ کثرت کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ کثرت میں وحدت کے ظہور سے وجود پیدا ہوا ہے، لہٰذا کثرت نمود محض ہے اور حقیقت وحدت ہی ہے۔ شنکر کو دوسرے پہلو پر اصرار ہے، لہٰذا کثرت کو نمود بے بود کہنے پر مصر ہے ۔[۶]

حوالہ کتب

۱ -　عمر بن محمد السہر وردی، مترجم مولوی مرزا محمد ہادی - حکمت الاشراق -

۲ -　مولانا عبدالسلام ندوی، امام رازی

۳ -　انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۹۸۰ - ۹۸۱

\+ E.G. Browne - A Literary History of Persia, Vol.II pp.485-486

۴ -　ول ڈوران - مترجم مولوی احسان احمد، حکایت فلسفہ، صفحہ ۴۷ - ۱۲۹

\+ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۳۴۹ - ۳۵۵

۵ -　ڈاکٹر ہیرلڈ ہوفڈنگ، مترجم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، تاریخ فلسفہ جدید، جلد ۱، صفحہ ۲۰۷ - ۲۴۰

۶- Dr. S. Redhakrishnan-- The Vedanta According to Shankara and Ramanuja pp 11-224

\+ Dr. S. Radhakrisnan --- The Hindu view of Life.

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

''عارف ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل
ہند او را جہاں دوست می گویند''

(صفحہ ۵۰۸/۳۶)

جہاں دوست کا اشارہ وشوامتر کی طرف ہے۔

وشوامتر ایک صاحبِ باطن بزرگ کا نام ہے۔ اس کے باپ کا نام گادھی تھا اور وہ نسلی اعتبار سے کھتری تھا۔ ایک روز وہ شکار میں مصروف تھا کہ شکار کھیلتے کھیلتے ایک خدا رسیدہ وششٹھا نامی بزرگ کے پاس پہنچا۔ وششٹھا کے پاس ایک بہت دودھ دینے والی گائے تھی۔ وشوامتر نے اس گائے کی قیمت ایک زرِ کثیر دینا چاہی لیکن وششٹھا نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ وشوامتر نے اسے بہ جبر لینا چاہا۔ گائے کے حصول کے لیے وشوامتر کو وششٹھا سے لڑنا پڑا۔ اس لڑائی میں وشوامتر کو بری طرح شکست ہوئی۔ اسے اس شکست سے بڑی تکلیف پہنچی اور اس طرح وہ ایک برہمن کی غیر معمولی طاقت کا معترف ہو گیا۔ وشوامتر نے سخت ریاضات و مجاہدات کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دیا اور عزم کیا کہ جب تک وہ راج رشی، مہا رشی اور برہم رشی کے معزز القاب حاصل نہیں کرتا، چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وشوامتر نے اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ خود وششٹھا نے اسے برہم رشی کہہ کر پکارا۔ یہ سب کچھ اس نے ایک طویل مدت کے مجاہدات و ریاضات کے بعد حاصل کیا۔ وشوامتر، رام کا استاد اور رفیق تھا۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اقبال کو وشوامتر (کناد رشی) کا اثباتِ خودی پر اصرار کرنے کا رجحان پسند آیا ہے، اسی لیے انہوں نے وشوامتر کا ذکر کیا ہے۔ وشوامتر کو اصرار ہے کہ برہمنیت کے تمام روحانی کمالات غیر برہمن کو بھی اپنی ذاتی جدو جہد اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے فلسفہ کا یہی پہلو ہے جس کو مرکنڈ یا پران میں تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس کی زندگی سے جو قصہ کہانی وابستہ ہیں، ان سے بھی یہ رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے

اسی پہلو کو اپنے نظریۂ خودی کی تائید میں کنادرشی کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔[۱]

۞

حوالہ کتب

۱۔ The Encyclopaedia Indica (Hindi Edition) Calcutta, 1930, Vol. 21, pp 637- 646.
\+ The Practical Sanskrit English Dictionary, Gopal Narayan & Co, Bombay, 1912, pp845-846

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند
حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وجود!

(صفحہ ۵۸۲/۸۲)

اس شعر میں اسپنوزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''اسپنوزا'':- بینی ڈکٹش ڈی اسپنوزا (Benedictus De Spinoza) ۲۴ نومبر ۱۶۳۲ء کو پیدا ہوا ۔ یہ ایک متمول خاندان کا فرد تھا ۔ لاطینی ، جرمن ، فرنچ ، اٹالین اور ڈچ زبانیں جانتا تھا۔ اس کی عمر بمشکل ۲۲ سال کی تھی کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا ۔ اسے والد کے انتقال کے بعد مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ ۴۴ سال کی عمر میں اسپنوزا نے ۲۰ فروری ۱۶۷۷ء کو انتقال کیا ۔

اسپنوزا دورِ جدید میں ڈیکارٹ کی طرح عقلیت کا علمبردار ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ عقل نظری اور خالصۂ عقل نظری ہی وہ استعداد ہے جس سے حقیقت کا ادراک کما ہی ہوسکتا ہے ۔ اسپنوزا کو اپنے پیشرو ڈیکارٹ پر یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ ڈیکارٹ تو دو جواہر یعنی مادہ اور نفس کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور اسپنوزا ایک ہی جوہر یعنی خدا کو اصل الاصول قرار دیتا ہے اور مادہ اور نفس کو اس جوہر اصلی کے تعینات سے تعبیر کرتا ہے۔[۱]

حوالہ کتاب

۱۔　انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۱ ،صفحہ ۲۳۱ - ۲۳۹ ،طبع ۱۹۵۰ء

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دلِ جنید و نگاہِ غزالی و رازی

(صفحہ ۷۴۸/۵۶)

''غزالی'':- محمد بن محمد ابو حامد الغزالی فلسفی، متکلم اور صوفی ۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے اور جار جان اور نیشاپور وغیرہ میں تعلیم حاصل کی- ۱۰۹۰ء میں نظام الملک نے اپنے مدرسہ کا بغداد میں مدرس مقرر کیا - یہاں انہوں نے اسمٰعیلیوں کے خلاف لکھنا شروع کیا - لیکن چار سال بعد انہوں نے دفعتہً درس و تدریس کا سلسلہ ترک کر دیا اور اہل و عیال کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی - بعدازاں وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے - انہوں نے مختلف مقامات کی سیاحت کی جن میں مکہ، مدینہ، اسکندریہ، دمشق وغیرہ شامل ہیں - ان کی تصانیف کی تعداد ۶۹ بتائی جاتی ہے جن میں احیاء العلوم، میزان العمل، کیمیائے سعادت، مقاصد الفلاسفہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں- انتقال ستمبر ۱۱۱۱ء میں کیا -

غزالی کی رائے یہ ہے کہ جس طرح حواس حقیقت کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتے اسی طرح عقل بھی بیکار ہے، اور صرف وجدان ہی سے حقیقت منکشف ہو سکتی ہے - اس طرح امام غزالی کے فکر نے متصوفانہ فلسفہ کی اساس مہیا کی - اس نتیجہ تک پہنچنے میں امام غزالی نے بہت سے فلسفیانہ نتائج پر تنقید کی اور بتایا کہ عقل نظری حقیقت کو نہیں پا سکتی - ان کی کتاب تہافتہ الفلاسفہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ ایک طرف اس میں فلسفیانہ نتائج کی تنقیص و تردید کی گئی ہے اور فلاسفہ کی نارسائی کو واضح کیا ہے، دوسرے اس اعتبار سے کہ تہافتہ الفلاسفہ سے ابن رشد کو تہافتہ التہافتہ لکھنے کی ترغیب ہوئی جس میں پھر فلسفیانہ نتائجِ افکار کو صحیح ثابت کرنے کی اور امام غزالی کے اعتراضات کو رد کرنے کی سعی کی گئی ہے-[1]

حوالہ کتب

۱- شبلی، الغزالی

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۱، صفحہ ۳۲۱ - ۳۲۲

باب پنجم

تاریخی تلمیحات

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی ، لاہور ،۱۹۹۰ء)

در مصافے پیش آں گردوں سریر
دخترِ سردارِ طے آمد اسیر

(صفحہ ۳۹/۲۳)

'' دخترِ سردارِ طے'' :- یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا - اس قبیلے کے روٗسا زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے اور ان کے حدود حکومت الگ الگ تھے - عدی ،مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ طے کے سردار مذہباً عیسائی تھے - سلاطین عرب کی طرح ان کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا- جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں ، یہ بھاگ کر شام چلے گئے - ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں اور اپنی رہائی کے لیے اپنے والد حاتم طائی کی شہرت اور ناموری کی سفارش پیش کی - رسول کریمؐ نے حاتم طائی کی منزلت کا لحاظ فرما کر ان کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاوٗ کیا اور انہیں آزاد کر کے رخصت کیا - یہ واقعہ ۹ ھ (۶۳۰ء) کا ہے-[۱]

۞

سبز بادا خاکِ پاکِ شافعی
عالمے سرخوش ز تاکِ شافعی

(صفحہ ۸۴/۶۸)

'' شافعی'' :- امام شافعی کا نام محمد ،کنیت ابوعبداللہ ، لقب ناصر الحدیث ہے - ان کے جد اعلیٰ شافع بن السائب تھے - اسی نسبت سے شافعی کہلاتے تھے - امام شافعی کا نسب چند پشتوں کے

بعد جا کر رسول کریمؐ سے مل جاتا ہے - نسب کے لحاظ سے جو بڑی سے بڑی بزرگی اور شرافت حاصل ہو سکتی تھی ، وہ امام شافعی کو بوجہ قریشی ہونے کے پوری طرح حاصل تھی - توالی التاسیس میں ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں بمقام غزہ پیدا ہوئے - اسی سال حضرت امام ابو حنیفہؒ کا انتقال ہوا - امام شافعی اہل سنت والجماعت کے چار مشہور اماموں میں سے ایک امام ہیں- فن حدیث میں ان کے دو مجموعے '' مسند'' اور ''سنن'' مشہور ہیں - فقہ میں الرسالہ ان کی ایک مستند کتاب ہے- مالک بن انس سے تلمذ حاصل تھا - ان کا حافظہ غیر معمولی تھا - آپ کو عربی ادب پر بھی بڑا عبور تھا - شافعی مذہب کے پیرو خراسان میں بہت زیادہ ہیں - مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ (۲۰ جنوری ۸۲۰ء) کو ۵۴ سال کی عمر میں انتقال کیا - ۲

❁

فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است
سیفِ برّاں وقت را نامیدہ است

(صفحہ ۸۴/۶۸)

اس شعر میں حضرت امام شافعی کے مقولے الوقت سیف قاطع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہوں نے صوفیہ سے سیکھا -

كان يقول استفدت من الصوفية كلمتين شريفين الوقت سيف -۳

(امام شافعی) کہا کرتے تھے کہ میں نے صوفیہ سے دو عمدہ باتیں سیکھی ہیں کہ وقت ایک تلوار ہے-

قال الشافعی رضی اللّٰه عنه صحبت الصوفية فلم استفد منهم سوى حرفين احد هما قولهم الوقت سيف فان لم تقطعه قطعك و ذكر الكلمة الاخرى و نفسك ان شغلتها بالحق و الا شغلتك بالباطل ۴ -

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں صوفیوں کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے دو باتیں حاصل کیں - ایک تو یہ کہ ان کا مقولہ ہے کہ وقت تلوار ہے ، اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ دے گی اور دوسری بات یہ کہ اگر نفس کو حق کے ساتھ مشغول نہ کرو گے تو وہ باطل کے ساتھ مشغول ہو جائے گا -

حوالہ کتب

۱ - شبلی ، سیرت النبی ، جلد ۲ صفحہ ۴۲ ، طبع چہارم ، اعظم گڑھ
۲ - مولانا نجم الدین سیوہاروی ، سیرت الشافعی -
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۴ ، صفحہ ۲۵۲ - ۲۵۴
۳ - امام رازی - فضائل شافعی قلمی ، ورق ٦٦ - ٦٧
۴ - حافظ ابن قیّم - الجواب الکافی ، صفحہ ۲۰۹

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

شاہ عالمگیر گردوں آستاں
اعتبارِ دودمانِ گورگاں

(صفحہ ۱۱۰/۹۴)

''عالمگیر'':- نام محی الدین محمد اورنگ زیب، کنیت ابوالمظفر اور لقب عالمگیر تھا- شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا تھا - تاریخِ پیدائش میں اختلاف ہے - صحیح تاریخِ پیدائش ۱۰۲۸ ھ (۱۶۱۸ء) ہے - عالمگیر ۱۶۵۷ء میں تخت نشین ہوا -

عالمگیر، تفسیر، حدیث اور فقہ کا جیّد عالم تھا- حافظِ قرآن بھی تھا اور کامیاب انشاپرداز بھی - ترکی اور ہندی میں بھی مہارت رکھتا تھا - وہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا -

جادو ناتھ سرکار کے الفاظ ہیں : ''فتاوائے عالمگیری ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ ہے جس نے بعد کے عہد میں برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظامِ عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا ہے-'' (ج ۵ ،صفحہ ۴۷۴)

عالمگیر کے عہد میں شریعت کے مطابق جو اصلاحات عمل میں آئیں، ان میں سے چند یہ ہیں : رقص و سرود کا انسداد، محتسب کا تقرر، نشہ آور اشیاء کا استعمال موقوف، شرعی وکیل کا ممالکِ محروسہ کی عدالتوں میں تقرر اور سلامِ مسنون کا جاری ہونا - عالمگیر کا انتقال ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ء) میں ہوا - اس کے پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں -[۱] گورگان، تیمور کا لقب ہے جس کے معنی لائقِ عیش وعشرت ہیں-

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرتِ دارا دمید

(صفحہ ۱۱۰/۹۴)

''اکبر'':- مراد شہنشاہ اکبر ہے- جلال الدین محمد اکبر ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امرکوٹ میں پیدا ہوا - اسکی تاریخ وفات ۱۶ اکتوبر ۱۶۰۵ء ہے -اکبر کے کارنامے تاریخ میں جلی حروف سے ملتے ہیں -

اس کے عہد کی تاریخ خود اس کے وزیر ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئین اکبری میں محفوظ کر دی ہے - ان کتابوں میں اکبری عہد کے کارنامے بڑی تفصیل سے درج ہیں -

اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا - اس کے مذہبی خیالات ابتدا میں بڑے راسخ تھے اور اس کو صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی - اس نے کئی مرتبہ اجمیر کا سفر پا پیادہ کیا - تخت نشینی کے بعد تقریباً بیس سال تک یہ حالت رہی - بعد ازاں اکبر لامذہبیت کی طرف مائل ہوتا گیا اور ایک نیا مذہب دین الٰہی کے نام سے ایجاد کیا لیکن یہ مذہب عوام میں مقبول نہ ہوا - اکبر کا مسلک یہ تھا کہ انسان، خدا کی عبادت اس علم کے موافق کرے جو اس کو اپنی عقل سے حاصل ہو اور عاقبت کی مسرت حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنی نفسانی خواہشوں پر غالب آنا چاہیے - اسے وہ کام کرنا چاہیے جس سے دوسرے انسانوں کا بھلا ہو - ظاہری پرستش کے واسطے اس کے نزدیک ستاروں اور آگ کی عظمت میں وہ علامتیں مضمر ہیں جو انسان کے دل کو خدا کی طرف لے جا سکتی ہیں - یہ اکبری مسلک، اختصار کے ساتھ، الفنسٹن کی تاریخ ہند سے ماخوذ ہے -

اکبر کے مذہبی خیالات کو ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی مشہور تصنیف منتخب التواریخ میں نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کا باعث ہوئے تھے، وہ ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق اور بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی ذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں -

اکبر نے دینِ الٰہی مذہب اختیار کرنے کے بعد تقریباً تمام اسلامی شعائر ترک کر دیے تھے اور وہ رسوم اختیار کر لی تھیں جو سراسر غیر اسلامی تھیں: مثلاً صبح اٹھ کر درشن کرانے کی غرض سے جھروکے میں بیٹھنا، سورج کی پرستش کرنا، بادشاہ کو سجدہ جائز قرار دینا، گائے کی قربانی بند کرانا وغیرہ -[۲]

''دارا'':- مراد دارا شکوہ ہے -

دارا شکوہ، شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا ممتاز محل کے بطن سے تھا - تاریخ پیدائش ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء ہے - دارا ۹ اگست ۱۶۵۹ء کو اورنگ زیب کے حکم سے قتل کیا گیا - اس کے قتل کی وجہ اس کا حدود اسلام سے باہر ہونا قرار دیا گیا ہے - اس نے تصوّف کو بھی بہت بدنام کیا -

علمی حیثیت سے تیموری شہزادوں میں دارا شکوہ ایک بلند مقام پر فائز نظر آتا ہے - وہ ایک باکمال مصنف، شاعر اور خطاط تھا - اس کو شروع میں تصوف اور بعد میں ہندو مذہب سے گہرا

شغف ہوگیا تھا - آخر کار وہ صحیح اور خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف اور پھر ہندو مذہب کی طرف مائل ہوگیا -

دارا شکوہ کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے - ان میں سفینۃ الاولیا جو اس کی پہلی تصنیف ہے ، بہت مشہور ہے - اس کتاب کی تصنیف کے وقت دارا حنفی المذہب تھا اور تصوف میں سلسلہ قادریہ سے متوسل - آگے چل کر اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہوگئی - اس کی دوسری کتاب سکینۃ الاولیا ہے - ایک رسالہ رسالۂ حق نما کے نام سے بھی اس کا لکھا ہوا ملتا ہے - حسنات العارفین یا شطحیات اس کی چوتھی تصنیف ہے - دارا کی پانچویں تصنیف مجمع البحرین ہے ، اس کتاب میں دارا نے اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے ، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفہ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی فرق نہیں - توحید کے پرستار ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں ، حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں - آگے چل کر اس کے یہی عقائد اس کے زوال اور موت کا سبب بنے - یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے -

دارا کی اپنی تصانیف یہی پانچ ہیں - اس کے بعد زیادہ تر اس نے ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کیے یا کرائے - سرِّ اکبر ، اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے جو دارا شکوہ نے ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ء) میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا - اس کتاب میں بسم اللہ کی بجائے گنیش کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن یہی ہے (نعوذ باللہ) - ۳

اقبال نے اکبر کی لامذہبیت کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ کس طرح وہ تیسری پشت میں دارا پر اثر انداز ہوئی اور کس طرح اکبر اور دارا نے ہند میں کفر کو فروغ دیا -

❁

شد اسیرِ مسلمے اندر نبرد
قائدے از قائدانِ یزد جرد

(صفحہ ۱۰۱/۱۱۷)

''یزد جرد'': - (Yezdigerd) یہاں یزد جرد سوم کی طرف اشارہ ہے -

یزدجرد سوم، شہریار کا بیٹا تھا - وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں تخت نشیں ہوا اور ۹ سال حکومت کی - یزد جرد نے مسلمانوں کو شکست دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا لیکن وہ خود ہر مقابلے میں شکست کھاتا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا - اس کو مسلمانوں کے مقابلے

میں ہر مقام پر شکست ہوئی اور شکست کے بعد وہ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر پناہ گزین ہوتا رہا، خود کبھی شریک جنگ ہونے کی جرات نہ کر سکا - ۶۵۱ء یا ۶۵۲ء میں کسی نے اس کو قتل کر دیا - اس کے بعد ساسانی خاندان ختم ہو گیا - چونکہ یزد جرد سوم کے بعد ایران کا کوئی ساسانی بادشاہ نہیں ہوا، اس لیے زرتشتیوں نے اس کے جلوس کے وقت سے اب تک سالوں کا شمار جاری رکھا ہے جس کا نام تقویم یزدجردی ہے، اور یہ تقویم ۱۶ جون ۶۳۲ء سے شروع ہوتی ہے -[۴]

۞

چوں درفشِ کاویانی چاک شد
آتشِ اولادِ ساساں خاک شد

(صفحہ ۱۱۷/۱۰۱)

''درفش کاویانی'': - ایرانی علم کا نام ہے -

۶۳۶ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں عربوں نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کا مقابلہ کیا - تین دن تک لڑائی ہوتی رہی جس میں آخر کار ایرانیوں ہی کو شکست ہوئی - اسی جنگ میں درفشِ کاویانی عربوں کے ہاتھ لگا -

اہلِ ایران اس جھنڈے کے متعلق یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس وقت دنیا میں ضحاک کی ظالمانہ حکومت کے ہزار برس گذر گئے تو ایک آہن گر نے جس کا نام کاوہ تھا، اپنا چمڑے کا پیش بند ایک نیزے کے سر پر باندھا اور اس جھنڈے کے ساتھ بغاوت کا اعلان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم بادشاہ ضحاک کو شکست ہوئی اور نوجوان شہزادہ فریدوں جو قدیم شاہی خاندان سے تھا، تخت نشین ہوا - اس وقت سے یہ جھنڈا جو کاوگ (کاوہ) کے پیش بند کا بنا ہوا تھا، شاہان ایران کا جھنڈا قرار پایا اور اسی آہن گر کے نام پر اس کا نام ''درفش کاویانی'' رکھا گیا - اہلِ ایران اس جھنڈے کی اس روایت کو قدیم اساطیری تاریخ کے ساتھ وابستہ کرتے تھے - اس مشہور و معروف جھنڈے کا وصف بہت سے عربی اور فارسی مصنفوں نے جن میں طبری، بلعمی، مسعودی، خوارزمی اور ثعالبی شامل ہیں، بیان کیا ہے، اس کی بعض خصوصیات فردوسی نے بھی بتائی ہیں -

مسعودی کے بیان کے مطابق یہ جھنڈا قادسیہ کی جنگ میں ایک عرب کے ہاتھ لگا جس کا نام ضرار بن الخطاب تھا - اس نے اس کو تیس ہزار دینار میں فروخت کر ڈالا؛ حالانکہ اس کی قیمت بارہ لاکھ دینار سے کم نہ تھی - برخلاف اس کے ثعالبی نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی

وقاص نے " اس کو یزدجرد کے دوسرے جواہرات اور خزانوں کے ساتھ جو خدا نے مسلمانوں کو نصیب کیے تھے ، شامل کر دیا اور اسی قسم کی قیمتی چیزوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا - انہوں نے حکم دیا کہ اس کو نیزے سے اتار کر ،ٹکڑے ٹکڑے کر کے ،مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے'' - ۵

۞

گرچہ جاباں دشمنِ مابودہ است
مسلمے او را اماں بخشودہ است

(صفحہ۱۱۸/۱۰۲)

'' جابان'' :- ایرانی فوج کا سردار تھا -

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا ، اس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا؛ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو ، جو نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا ، دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے تمام اختیارات سونپ دیے اور تمام امرا و اعیانِ سلطنت کو تاکید کی کہ وہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں - پوران دخت نے ایک فوجِ گراں رستم کی اعانت کے لیے تیار کی جس کا نرسی و جابان (Jaban) کو سپہ سالار مقرر کیا - جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی - یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے - ادھر حضرت ابوعبیدؓ ثقفی نے اسلامی فوج کو سر و سامان سے آراستہ کیا اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لیے بڑھے - نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں - جابان کے میمنہ و میسرہ پر دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہوئے - ان میں سے ایک اسی وقت قتل کر دیا گیا لیکن جابان اس حملہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا ، وہ اسے پہچانتا نہ تھا - جابان نے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں ، مجھ کو چھوڑ دو اور معاوضہ میں مجھ سے دو جوان غلام لو - اس نے منظور کر لیا - بعد کو لوگوں نے جابان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے ،لیکن حضرت ابوعبیدؓ ثقفی نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں - ۶

۞

ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکمِ سلطانِ مراد

(صفحہ۱۱۸/۱۰۲)

''سلطان مراد'': - اشارہ ہے شہنشاہ مراد اول عثمانی کی طرف -

مراد کا عہدِ حکومت تاریخِ آل عثمان کے اہم ترین عہدوں میں ہے - مراد نے تیس سال تک حکومت کی - ان میں سے چوبیس سال میدانِ جنگ میں صرف کیے اور ہر جنگ میں کامیاب رہا- اس کا عہدِ حکومت ۱۳۵۹ء سے ۱۳۸۹ء تک رہا - اس سے پہلے ترکوں کا مقابلہ یورپ کی قوموں میں سے صرف بازنطینیوں سے ہوا تھا جن کی سلطنت اپنے زوال کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی - لیکن مراد کی ظفریاب فوجیں ان ملکوں میں پھیل گئیں جو یورپ کی نہایت طاقتور قوموں کے زیرِنگیں تھے اور بلغاریہ، سرویا اور بوسینیا پر دولت عثمانیہ کا تسلط قائم ہوگیا - مراد کی فتوحات نے سلطنتِ عثمانیہ کے دائرہ اقتدار کو دریائے ڈینیوب تک پہنچا دیا - مراد کا عہد حکومت اپنے کارناموں کے اعتبار سے محمد فاتح اور سلیمانِ اعظم کے عہد حکومت سے کم نہیں-

مراد نے مسیحی علاقے فتح کیے اور ان میں اسلامی حکومت بھی قائم کی لیکن عیسائیوں کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی ، برخلاف اس کے انہیں پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی - گبنس نے مراد کے کارناموں کو بہت سراہا ہے -۷

پیام مشرق صفحہ ۷ پر اس شعر میں بھی اشارہ مراد اول ہی کی طرف ہے :

قائد ملت شہنشاہ مراد
تیغ او را برق و تندر خانہ زاد

۞

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید

(صفحہ ۱۰۵/۱۲۳)

''فرعون'':- قدیم مصری بادشاہ جن کے اٹھارہ خاندان مصر پر حکمران رہے فراعنہ کہلاتے تھے - حضرت موسیٰ کے عہد میں بھی مصر پر ایک فرعون ہی کی حکومت تھی - بعض فراعنہ بڑے جلیل القدر اور بعض بڑے ظالم گذرے ہیں - اہرام مصر انہی فراعنہ کی یادگار ہیں - ۸

''شبیرؓ'':- نام حسین وشبیر، کنیت ابوعبداللہ، رسول کریمؐ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے فرزند اصغر تھے - ولادت سنہ ۳ھ میں مدینہ میں ہوئی - حضرت امیر معاویہؓ کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو اس نے حضرت امام حسینؓ سے اپنی بیعت چاہی - آپؓ نے انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر شخص تھا - حضرت امام حسینؓ ۶۰ھ (۶۸۰ء) میں مع اہل وعیال مکہ تشریف لے

آئے - یہاں پہنچ کر اہل کوفہ کی طرف سے متعدد خطوط پہنچے کہ آپ یہاں آ کر ہمیں یزید کے مظالم سے بچائیے اور اپنی بیعت سے مشرف کیجیے - آپؓ کوفیوں کی دعوت پر مع اپنے جاں نثاروں اور اہل عیال کے، جو۷۲ (بہتّر) افراد پر مشتمل تھے، کوفہ روانہ ہو گئے - آپ کو وہاں پہنچ کر اہلِ کوفہ کی وفاداری پر شبہ ہوا اور آپؓ راستے میں کربلا میں خیمہ زن ہو گئے جہاں یزید کی فوج کے ساتھ معرکۂ کربلا پیش آیا - آپ نے حق کے لیے جنگ کی اور باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا - اس جنگ میں آپ نے اپنی اور اپنے اعزہ کی قربانی دے کر حق کو سر بلند کر دیا - یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) کو جمعہ کے دن پیش آیا - ۹

''یزید'':- یزید حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ تھا - اس کو حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد کی ترغیب پر اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لی - شامیوں نے آسانی سے بیعت کر لی، عراقیوں سے خوشامد اور دھمکی کے ساتھ بیعت کرائی - ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں حضرت امیر معاویہؓ خود مکہ اور مدینہ کے مشاہیر سے یزید کی بیعت لینے کی غرض سے گئے مگر حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیعت سے قطعاً انکار کر دیا کیونکہ یزید فاسق و فاجر تھا - حضرت علیؓ کے خاندان سے اور خاندان بنو امیہ سے خلافت کے معاملے میں اختلاف شروع ہی سے چلا آ رہا تھا - تخت نشینی کے بعد یزید اس خاندان کی تباہی کے درپے ہو گیا جس کا عملی ثبوت تاریخ میں واقعۂ کربلا کے نام سے ملتا ہے -

یزید اپنی علمی قابلیت اور عربی ادب میں دستگاہ رکھنے کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے - شاعری سے اس کی طبیعت کو بڑی مناسبت تھی - ۴ ربیع الاول ۶۴ھ (۳۱ اکتوبر ۶۸۳ء) کو اس کا انتقال ہوا - اس کے عہد میں خوارزم اور سمرقند فتح ہوئے - ۱۰

ذوقِ جعفرؓ، کاوشِ رازی نماند
آبروئے ملتِ تازی نماند

(صفحہ ۱۳۵/۱۱۹)

''جعفر'':- اشارہ حضرت امام جعفر صادقؓ کی طرف ہے -

آپ کا نام جعفر، کنیت ابوعبداللہ و ابو اسمٰعیل، اور لقب صادق ہے - آپ امام محمد باقر کے خلف اکبر اور حضرت امام حسینؓ کے پڑپوتے تھے - آپ چھٹے امام ہیں - آپ کی ولادت بمقام

مدینہ ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ (۶۹۹ء) کو ہوئی اور اسی شہر میں ابوجعفرالمنصور عباسی کے عہدِ خلافت میں ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) میں وفات پائی۔ اپنے زمانے میں علم و فضل اور اخلاق حسنہ دونوں کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے - اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ کو علم حاصل کرنے میں بڑا انہماک تھا - ان کی ذات علوم وفنون کا مخزن تھی ، اسی لیے کئی مرتبہ ابوجعفر منصور عباسی نے بڑی عزت کے ساتھ ان کو بغداد بلایا تا کہ ان کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا جا سکے- ۱۱

❁

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

(صفحہ ۱۵۹/۱۴۳)

'' زہراؓ '' :- حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول اکرمؐ کی صاحبزادی تھیں - فاطمہ نام تھا اور زہرا لقب - سال ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس پر اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں - آپ کا عقد پندرہ سال کی عمر میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہوا - آپ کے پانچ اولادیں ہوئیں جن میں سے محسن کا بچپن میں انتقال ہو گیا ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ صاحبزادے اور حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ صاحبزادیاں تاریخ اسلام میں مشہور ہیں - حضرت فاطمہؓ کا انتقال رسول کریمؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ ھ (۲۳ نومبر ۶۳۲ء) کو ہوا - ۱۲

❁

من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب
گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب

(صفحہ ۱۶۲/۱۴۶)

'' صدیقؓ '' :- عبداللہ نام ، ابوبکر کنیت ، صدیق اور عتیق لقب - والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہؓ ، والدہ کا نام سلمٰی اور ام الخیرؓ کنیت تھی - حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اول ہیں - آپؓ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد باتفاقِ رائے مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے - آپ کا انتخاب مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلے کا نتیجہ تھا -

حضرت صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدتِ خلافت میں اپنی مساعئ جمیلہ سے جو کام کیے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے - اس

میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے ، مہماتِ امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیے گئے؛ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی ؟ خلافتِ الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا ؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گردابِ فنا سے کس نے بچایا ؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں حضرت صدیقؓ اکبر ہی کا نام لیا جا سکتا ہے اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں - حضرت صدیق اکبرؓ نے دوشنبہ کا دن ختم کر کے ۶۳ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں وفات پائی - ۱۳

۞

سبحۂ اقلل من الدنیا شمار
از تعش حراً شوی سرمایہ دار

(صفحہ ۱۴۸/۱۶۴)

اس شعر میں حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو نظم کیا گیا ہے :

اقلل من الدنیا تعش حراً - ۱۴

دنیا جتنی کمی کے ساتھ رکھو گے اتنے ہی آزاد رہو گے -

۞

''پشتِ پا زن تختِ کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را''

(صفحہ ۱۴۸/۱۶۴)

''کیکاؤس'':- کیکاؤس فارس کے کیانی خاندان کا دوسرا بادشاہ اور کیقباد کا بیٹا تھا- اس نے اپنی ضعیفی کے زمانے میں اپنے پوتے کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا - فردوسی نے شاہنامہ میں کیکاؤس سے متعلق بہت سی روایات بیان کی ہیں جن میں رستم و سہراب کی لڑائیاں عجیب و غریب ہیں - ۱۵

۞

قائدِ اسلامیاں ہاروں رشید
آنکہ نقفور آبِ تیغِ او چشید

(صفحہ ۱۴۹/۱۶۵)

''ہارون رشید'':- ہارون رشید، المہدی کا بیٹا، خاندان عباسیہ کا پانچواں خلیفہ، اپنے حقیقی بھائی الہادی کی وفات کے بعد ربیع الاول ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں خلافت پر بیٹھا - اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی - خلیفہ ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا -

ہارون رشید کا عہد عباسی حکومت کا زریں دور تھا - اس کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی ہر حیثیت سے اوجِ کمال پر پہنچ گئی - بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم وفنون کا آغاز ہوا، اسی کے زمانے میں قائم ہوا - عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا - ابن الطقطقی نے اس کے دورِ خلافت کی خصوصیات پر مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے-

ہارون رشید کی ذات میں متضاد اوصاف جمع ہو گئے تھے - ایک طرف اس کی زندگی بڑی پُرشکوہ، رنگین اور عیش پرستانہ تھی، دوسری طرف وہ بڑا دیندار اور پابندِ شریعت، علم دوست اور علماء کا قدر دان تھا لیکن اس کی تعیش پسندانہ زندگی کی داستانوں میں اس کی زندگی کا مذہبی رخ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا - ۴۷ سال کی عمر میں، ۲۳ سال خلافت کرنے کے بعد، ہارون رشید نے جمادی الثانی ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں انتقال کیا[۱۶] -

''نقفور'':- نقفور (Nicephorus I) کو ملکہ آیرین کے ظلم وستم سے تنگ آ کر رعایا نے اپنا قیصر تسلیم کر لیا تھا - نقفور اور خلیفہ ہارون رشید کے درمیان کئی مرتبہ سخت لڑائی ہوئی اور ہر مرتبہ نقفور کو شکستِ فاش اٹھانی پڑی -

ایک عرصہ سے رومی سلطنت اور خلافت عباسیہ کے مابین یہ معاہدہ چلا آتا تھا کہ رومی فرمانروا خلافتِ اسلامیہ کو خراج ادا کرے گا - نقفور نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور ہارون رشید کو یہ خط لکھا: ''ہارون رشید کو معلوم ہو کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ تخت نشیں تھی، وہ نہایت کمزور تھی، اس لیے تم کو خراج دیا کرتی تھی؛ حالانکہ اس رقم سے دگنا خراج تم کو ادا کرنا چاہیے تھا چونکہ وہ عورت تھی - مرقوم ہے کہ جس قدر سلطنتِ روم سے خراج تم کو اب تک مل چکا ہے، وہ سب اور نیز وہ رقم جو اس جرم کی معافی کے سلسلے میں ادا کرنا چاہو، میرے پاس بھیج دو ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہوگا'' - ہارون رشید اس خط کو پڑھ کر غصہ سے بیتاب ہو گیا - اس خط کی پشت پر وہ مشہور تاریخی خط لکھا جس میں تحریر تھا: ''اے رومی کتے! اس کا جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا نہ کہ وہ جو سنے'' - ہارون رشید اسی دن فوج لے کر یونان کی طرف روانہ ہوا اور کئی شہروں کو فتح کر کے جلا دیا - خلیفہ نے یونان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا یہاں تک

کہ نقفور نے، جو ایک باغی کی سرکوبی میں مصروف تھا، مجبوراً صلح کے لیے التجا کی - یہ صلح خلیفہ نے اس شرط پر قبول کی کہ نقفور ہر ششماہی پر خراج دیا کرے، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد نقفور نے اس معاہدہ کو ختم کر دیا - جب ہارون کو اس معاہدے کی منسوخی کا علم ہوا تو بہت برہم ہوا - اسی وقت یونان کی سرحد کی طرف روانہ ہوا - اگرچہ سردی بہت سخت تھی اور مسلمانوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی لیکن نقفور کو شکست فاش دی - اس جنگ میں یونانیوں کی چالیس ہزار فوج کام آئی - نقفور کا عہد حکومت ۸۰۲ء سے ۸۱۱ء تک رہا -[۱۷]

گفت مالکؒ مصطفیؐ را چاکرم
نیست جز سودائے او اندر سرم
(صفحہ ۱۶۵/۱۴۹)

''مالکؒ'': - مالک نام، ابوعبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ لقب، والد کا نام انس تھا- ائمہ اربعہ اہل سنت و الجماعت میں سے ہیں - آپ کے مقلد مالکی کہلاتے ہیں اور مالکی عرب اور افریقہ میں زیادہ ہیں -

امام مالکؒ کی ولادت کا سال مختلف فیہ ہے - مؤرخ یافعی نے طبقات الفقہا میں ۹۴ھ (۷۱۲ء) لکھا ہے - ابن خلکان نے ۹۵ھ (۷۱۳ء) بتایا ہے لیکن صحیح سالِ ولادت ۹۳ھ (۷۱۱ء) ہے- یہ تاریخ امام کے شاگرد خاص یحییٰ بن بکیر سے مروی ہے جو مدتوں ان کی صحبت میں رہے ہیں- سالِ وفات بالاتفاق ۱۷۹ھ (۷۹۵ء) ہے- اس طرح آپ نے ۸۶ برس کی عمر پائی - ۶۲ سال تک علم و دین کی خدمت میں مصروف رہے-

امام مالک نے تمام تر تعلیم مدینے میں حاصل کی کیونکہ مدینہ ہی اس وقت تمام دنیائے اسلام میں علمِ دین کا مرکز تھا - امام مالکؒ کے تبحر علمی اور دینی معاملات میں بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود آپ کے اساتذہ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے-

امام مالکؒ کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ نہیں - ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں : موطا، رسالۃ مالک الرشید، کتاب المناسک، کتاب المسائل - رسالۃ مالک الرشید نام ہے آپ کے خطوط کے مجموعہ کا جو خلیفہ ہارون الرشید کو لکھے گئے - ان خطوط میں ہر قسم کے دینی و دنیوی نصائح ہیں- کتاب المناسک حج کے احکام و مسائل سے متعلق ہے اور کتاب المسائل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مسائل ہی کا مجموعہ ہے-

امام کی اہم ترین تصنیف تو موطا ہے - اس کا سنہ تالیف بقرائن ۱۳۰ھ سے ۱۴۰ھ (۷۴۷ء سے ۷۵۷ء) تک کا زمانہ ہے - موطا کا موضوع صرف احکام فقیہہ ہیں ، اس لیے اس میں وہ سیکڑوں ابواب و فصول نہیں ہیں جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں ملتے ہیں - موطا ان سے خالی ہے کیونکہ فقہیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں - اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو ''کتاب السنن'' کہنا چاہیے- [۱۸]

ابن مسعودؓ آں چراغ افروزِ عشق
جسم و جانِ او سراپا سوزِ عشق

(صفحہ ۱۶۸/۱۵۲)

''ابن مسعودؓ'': - عبداللہ نام ، ابوعبدالرحمٰن کنیت ، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا-

عبداللہ ابن مسعودؓ کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز رسول کریم ﷺ ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے - حضرت صدیقؓ نے فرمایا : ''صاحبزادے ! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ'' - بولے: '' میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے'' - رسول کریمؐ نے فرمایا : ''کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں ؟'' عرض کی : ''ہاں'' اور ایک بکری پیش کی - آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا - حضرت صدیقؓ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں صاحبوں نے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا - اس کے بعد رسول کریمؐ نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا ، اور پھر وہ اپنی حالت پر عود کر آیا - اس کرشمۂ قدرت سے عبداللہ بے حد متاثر ہوئے - حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجیے - آپؐ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا : '' تم تعلیم یافتہ بچے ہو'' - غرض اس روز سے وہ معلمِ دین کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبط وحی و الہام سے ستّر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک نہ تھا - اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ رسولِ کریمؐ کی خدمت میں رہنے لگے اور آپؐ نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا -

عبداللہؓ بن مسعود اس وقت ایمان لائے تھے جب مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکے کی سرزمین میں رسول کریمؐ کے سوا اور کسی نے علانیہ ، بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرأت نہیں کی تھی - عبداللہؓ بن مسعود نے اس فریضے کو انجام دیا ، گو آپ کے

ساتھیوں نے روکنا چاہا - آپ نے جوش ایمان پر برانگیختہ ہو کر کہا : '' مجھے چھوڑ دو ! خدا میرا حافظ ہے'' - جب مشرکینِ قریش نے عبداللہؓ بن مسعود کو بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو غیض وغضب سے مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا ، لیکن آپ کی زبان بند نہ ہوئی - جب اس حالت میں ابن مسعودؓ واپس آئے تو لوگوں نے کہا ہم اسی لیے روکتے تھے - بولے : ''خدا کی قسم ! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظروں میں کبھی ذلیل نہ تھے - اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کی تلاوت کروں'' - ان لوگوں نے کہا : '' بس جانے دو - اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے ، اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا'' -

عبداللہ بن مسعودؓ کے جوش و غیرت ایمانی نے رفتہ رفتہ تمام مشرکینِ قریش کو دشمن بنا دیا یہاں تک کہ انکی ایذارسانیوں سے تنگ آ کر آپ ہجرت پر مجبور ہوئے اور مدینے تشریف لے آئے -

آپؓ نے مختلف جنگوں میں، جن میں غزوۂ احد ، خندق ، حدیبیہ، فتح مکہ ، غزوۂ حنین وغیرہ شامل ہیں ، حصہ لیا اور نہایت شجاعت دکھائی -

عبداللہؓ ابن مسعود کو ۲۰ ھ (۶۴۰ء) میں کوفہ کا قاضی بنایا گیا - عہدۂ قضا کے علاوہ خزانہ کی افسری ، مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والیٔ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے - آپ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیے-

۳۳ ھ(۶۵۳ء) میں ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر آپؓ نے انتقال کیا- حضرت عثمانؓ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور عثمانؓ بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا-

عبداللہؓ بن مسعود ان صحابہ میں ہیں جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں - قرآن جو اصل الاصول اسلام ہے ، آپ اس کے سب سے بڑے عالم تھے - عبداللہؓ بن مسعود کی تفسیریں حدیث وتفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں - آپ کو قرأت میں غیر معمولی کمال حاصل تھا - صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرأت میں عبداللہؓ بن مسعود کی پیروی کی جائے - عبداللہؓ بن مسعود ان افاضل صحابہ میں ہیں جو فقہ کے مؤسس و بانی سمجھے جاتے ہیں - خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر آپ ہی کے سنگ اساس پر تعمیر ہوئی - تمام صحابہ عبداللہؓ بن مسعود کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے معترف تھے-

عبداللہؓ بن مسعود کے اخلاق وطرزِ معاشرت میں ، سنتِ نبویؐ کی پیروی کے شوق میں، ایک گونہ رسول اکرمؐ کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا ہوگئی تھی- ۱۹

۞

از منات و لات و عزیٰ و ہبل
ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(صفحہ ۱۵۶/۱۷۲)

منات ، پتھر کی ایک چٹان تھی- لات، گول سپید پتھر اور اس پر ایک عمارت بنی تھی- لات، قریش کا دیوتا تھا - قاعدہ تھا کہ سونے سے پہلے قریش اس کی پوجا پاٹ کر لیتے تو سوتے- قریش اس کی قسم بھی کھایا کرتے تھے -عزیٰ ، یہ دیوی قوت و طاقت کی تھی اورظہورِ اسلام کے وقت عرب میں شہرہ سب سے زیادہ اسی کا تھا- یہ دیوی قبیلۂ غطفان کی تھی لیکن اس کے پجاریوں میں چونکہ آلِ غنی اور آلِ باہلہ کے ساتھ خود قریش بھی شریک ہو گئے تھے، اس لیے اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی - اس کی مورتی نخلہ میں ایک درخت کے متصل نصب تھی - ابولہب جس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا ، اس دیوی کی جانب منسوب تھا - ابن ہشام نے اس بتکدے کی مسماری کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے - جب مسلمانوں کو جنگِ اُحد میں شکست ہوئی اور وہ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تو ابوسفیان نے دامنِ کوہ میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو خطاب کر کے عزیٰ کی جے پکاری تھی کہ لنا العزیٰ و لاعزیٰ لکم ، ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری طرف کوئی عزیٰ نہیں - رسول کریمؐ کی تعلیم سے حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اللّٰہ مولانا و لا مولا لکم ،اللہ ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں -

ہبل ،قریش کا معبود اعظم تھا - اس کی انسان کی مورت تھی ،عقیق سے بنایا گیا تھا - اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا -قریش کو اسی حالت میں ملا تھا - انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا-عمر و ابن لحیٰ ،ہبل کو موآب سے لایا تھا - اس کی پرستش نہ صرف قریش کرتے تھے بلکہ بنی کنانہ، بکر و مالک بھی اس کو اپنا معبود مانتے تھے - ابوالمنذر ہشام ابنِ محمد کا قول ہے کہ کعبہ میں قریش کے پاس بہت بت تھے لیکن ہبل ان میں سب سے بڑا تھا - فتح مکہ کے بعد توڑ دیا گیا تھا -۲۰

حوالہ کتب

۱۔ The Cambridge History of India, Vol. iv PP. 281-318,

\+ S.M. Jaffar, The Mughal Empire

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، صفحہ ۶۹۴ -

\+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ صفحہ ۲۲۲ - ۲۹۳

۲۔ The Cambridge History of India, Vol. iv pp. 119-123, and 217

۳ - سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزمِ تیموریہ صفحہ ۳۹۶ - ۴۱۷ -

۴۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین - مترجم ڈاکٹر محمد اقبال - ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۶۷۳ - ۶۸۸ -

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۳، صفحہ ۸۸۱، طبع چہار دہم -

\+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 PP. 489 - 502

۵۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال - ایران بعہد ساسانیان، صفحہ ۶۷۷ - ۶۸۱ -

\+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 PP. 134 - 135

۶۔ شبلی، الفاروق، صفحہ ۹۷ - ۹۸، لاہور، ۱۹۶۰

۷۔ E. S. Creasy, History of the Ottoman Turks, pp. 34- 50.

\+ Mark Sykes, The Caliphs' Heritage pp. 281-283.

\+ ڈاکٹر محمد عزیر، دولت عثمانیہ، ج ۱، صفحہ ۳۹ - ۵۰ -

۸۔ تفسیر ماجدی، ج ۱، ص ۲۱، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور -

۹ - شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخِ اسلام، ج ۲، صفحہ ۴۵ - ۵۹ -

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۳۳۹

۱۰ - طبری، ج ۲، صفحہ ۱۹۶ اور ۴۲۷ - مسعودی، ج ۵، صفحہ ۱۲۶ - ۱۶۵ -

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳

۱۱۔ Thomas William Beale, An Oriental Biographical Dictionary pp. 189.

+ Shorter Enycyclopaedia of Islam pp. 327-330.

۱۲ - انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، ج ۲ ،صفحہ ۸۵ - ۸۸

۱۳ - حاجی معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،صفحہ ۱۲ -۹۴۔

+ محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ، سیرت الصدیقؓ -

۱۴ - میدانی ، مجمع الامثال از الفاروق ، ج ۲ ،صفحہ ۱۹۲

۱۵- Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol, 1 P. 137

۱۶- Philip K. Hitti - History of the Arabs pp. 297-300

+ شاہ معین الدین احمد ندوی ، تاریخ اسلام ، جلد ۳ ،صفحہ ۹۶ - ۱۲۸

۱۷ - انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ، جلد ۱۶ ،صفحہ ۲۱۵ -

+ مصباح الدین احمد، الہارون،صفحہ ۹۳-۹۵

۱۸ - مولانا سید سلیمان ندوی ، حیاتِ امام مالک -

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۳ ،صفحہ ۲۰۵ - ۲۰۹

۱۹ - معین الدین ندوی ، مہاجرین ، ج ۱ ،صفحہ ۲۶۳ - ۳۰۰

۲۰ - یاقوت الحموی ، معجم البلدان ، ج ۸ صفحہ ۴۴۲ - ۴۴۳ -

+ شیخ عبداللہ بستانی ، البستان ج ۲ ،صفحہ ۲۵ - ۴۸ -

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، ج ۲ صفحہ ۳۲۷

+ مولانا سید سلیمان ندوی ، ارض القرآن ، ج ۲ ،صفحہ ۲۴۳ - ۲۴۸

+ Philip K. Hitti, - History of the Arabs p. 100

پیامِ مشرق
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

اے امیرِ کامگار، اے شہریار
نوجوان و مثلِ پیراں پختہ کار
(ص ۱۹۷/۲۱)

اس شعر میں امیر امان اللہ خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امیر امان اللہ خاں، حبیب اللہ خاں امیرِ کابل کے تیسرے فرزند ہیں جو یکم جون ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے - ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء کو اپنے والد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ امیر امان اللہ خاں کے دورِ حکومت میں افغانستان نے جس قدر سیاسی اور اقتصادی ترقی اس قلیل مدت میں کی، وہ کبھی افغانستان کو حاصل نہیں ہوئی تھی - اتحاد اسلامی کا سلسلہ افغانستان سے ترکستان تک بلا فصل قائم ہو گیا تھا - امیر امان اللہ نے اپنے مختصر عہد حکومت میں رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیے، اس لیے امیر امان اللہ کا عہد افغانستان کی تاریخ میں ایک مبارک عہد خیال کیا جاتا ہے۔

امیر امان اللہ کی اس روز افزوں ترقی سے انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوا، چنانچہ انہوں نے امیر امان اللہ کے خلاف مہم شروع کر دی - کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حکومت سنبھالنے کے بعد افغانستان میں مغربی تہذیب و تمدن کو رواج دینا چاہا - صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم پر بھی بڑا زور دیا - اس پر علماء کا طبقہ سخت برہم ہوا؛ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں جو بغاوت ہوئی، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عوام، امیر امان اللہ خاں کی مغرب زدگی سے بیزار تھے - ۲۸ - ۱۹۲۷ء میں انہوں نے یورپ کے بعض مقامات کا دورہ کیا - یورپ سے واپسی کے بعد غیر مقبول اصلاحات کا جاری کرنا انکے حق میں اور بھی نقصان دہ ثابت ہوا - بالآخر ۱۹۲۸ء کے اواخر میں ایک بغاوت ہوئی اور ۱۴ جون ۱۹۲۹ء کو انہیں تخت چھوڑنا پڑا -[۱] بعد ازاں وہ یورپ کی سیاحت کے لیے روانہ ہوئے اور چند سال سوئٹزرلینڈ میں قیام کے بعد ۲۵ اپریل ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

(ص ۲۴/۲۰۰)

''فاروقؓ'':- اشارہ حضرت عمر فاروقؓ کی طرف ہے-

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام غنتمہ تھا- حضرت عمرؓ کا خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا- آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول کریمؐ سے جا کر مل جاتا ہے-

حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی ہیں- آپ کے کارنامے روزِ روشن کی طرح تاباں و درخشاں ہیں- آپ ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کے لیے خود رسولِ اکرمؐ نے مشرف بہ اسلام ہونے کی دعا کی ہے- عام مؤرخین اور اربابِ سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۷ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے-

حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت کی حدود کو بہت وسیع کیا- آپ اپنے زمانے کے بہترین حکمران، مدبّر، سیاست دان، منتظم، سپہ سالار اور زبردست فاتح تھے- آپ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر تھی-

حضرت عمرؓ کو مغیرہؓ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے، جس کی کنیت ابو لولو تھی، شہید کیا- آپ نے ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ھ (۶۴۳ء) کو انتقال کیا-۲

''ایوبی'':- سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

سلطان صلاح الدین ایوبی ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ء) میں تکریت میں پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد نجم الدین وہاں کے حاکم تھے- صلاح الدین کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا اس لیے صلاح الدین کی پیدائش نامسعود خیال کی گئی، لیکن یہی مولود نامسعود، آگے چل کر جنگِ صلیبی کا ہیرو بنا- صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ رہے- دمشق پر نور الدین کے قبضے کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی- اس وقت سے وہ برابر نور الدین کے ہمراہ رہے- اس زمانے میں ان میں بلند اقبالی کے آثار نمایاں تھے، اس لیے ان پر نور الدین کی بڑی توجہ و نظر تھی اور وہ انہیں بہت مانتا تھا- ان کے فیضِ صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر ان کو صلاح الدین اعظم بنایا-۳

سلطان صلاح الدین ایوبی کے اقتدار کو مغربی ایشیا کے تمام سلاطین نے چند سال کے عرصے ہی میں تسلیم کر لیا تھا - صلاح الدین نے مصر و شام پر تقریباً بیس برس حکومت کی - ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) کو انتقال ہوا -

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین ایوّبی، فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہدِ جلیل کی موت تھی جو تمام عمر اسلام کی طرف سے تنہا، متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کرتا رہا اور جس نے مرتے مرتے بھی تثلیث کے مقابلے میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا، اس لیے اس کی موت پر تمام دنیائے اسلام نے اظہارِ غم کیا -

سلطان نور الدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا - ان کے فضائل و مناقب و کمالات بے شمار ہیں - ان کی سیرت و اخلاق کے متعلق ان کے رفیقِ خاص قاضی بہاء الدین ابن شداد کا بیان ملاحظہ ہو، جنہوں نے ان کے عدل، ان کی شجاعت، ان کی رحم دلی اور رعایا کے ساتھ ان کی شفقت و محبت کا حال بڑی خوبی سے بیان کیا ہے - [۴]

سریر کیقباد ، اکلیلِ جم خاک
کلیسا و بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم گوہرم چیست
نگاہم برتر از گردوں ، تنم خاک

(ص ۲۱۳/۳۷)

''کیقباد'' :- کیقباد، خاندان کیانی کا، جو فارس کا دوسرا حکمران خاندان ہے، پہلا بادشاہ تھا - منوچہر کی اولاد میں گذرا ہے - فردوسی نے شاہنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے - اس نے بڑے طویل عرصے تک حکومت کی اور چار بیٹے چھوڑے - [۵]

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہِ خرد خطاست

(ص ۲۸۰/۱۰۴)

''طارق'' - مراد ہے فاتح اندلس طارق بن زیاد سے -

طارق نسلاً بربری، افریقہ کے باشندے اور موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے

تھے- فوجی خدمات پر مامور تھے- پہلے طنجہ کے والی بنائے گئے تھے- کاؤنٹ جولین سے ان کے مراسم پہلے سے قائم تھے اور فتحِ اندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھے -لشکر گویا بربریوں پر مشتمل تھا ، اس لیے سپہ سالاری کے لیے طارق کا انتخاب موزوں ہوسکتا تھا - طارق ابتدا میں سات ہزار کے لشکر کے ساتھ اندلس کی فتح کے لیے روانہ ہوئے ، بعدازاں پانچ ہزار کی کمک اور روانہ کی گئی - اس طرح فاتحِ اندلس کی فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی - یہ بارہ ہزار مجاہد ایک لاکھ فوج کے مقابل صف آرا ہوئے تھے ، دشمن کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کیا - اس موقع پر طارق کی اس تقریر کے چند ٹکڑے جو انہوں نے اندلس پر حملہ کرنے سے پہلے کی، نقل کیے جاتے ہیں جن سے مجاہدین اور امیرِ لشکر کے کردار پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کن صفات کے حامل تھے :

"مسلمانو! یہ خوب سمجھ لو اب تمہارے بھاگنے کی جگہ کہاں ہے- سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے- خدا کی قسم اب سوائے پامردی و استقلال کے تمہارے لیے کوئی چارہ باقی نہیں رہا - یہی دونوں طاقتیں ہیں جو مغلوب نہیں ہوسکتیں - یہی دونوں فتح مند فوجیں ہیں جنہیں فوج کی قلتِ تعداد نقصان نہیں پہنچا سکتی -------سمجھ لو ! تم اس جزیرہ میں ایسے ہی ہو جیسے یغمائی بخیلوں کے دسترخوان پر ہوتے ہیں ، تمہارے دشمن اپنی فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ تمہارے سامنے آ چکے ہیں ------تمہارے پاس کوئی سامان نہیں بجز تمہاری تلواروں کے - تمہارے لیے کوئی رسد نہیں سوا اس کے کہ تم اپنے دشمنوں سے چھین کر حاصل کر لو -------امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادروں کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ تم اس جزیرہ کے تاجداروں اور رئیسوں کے داماد بن جاؤ - یہاں کے بہادروں اور شہسواروں سے دو دو ہاتھ کر لو- تم اس جزیرہ میں اللہ کے بول اور اس کے دین کو سربلند کرنے آئے ہو اور اس کا اجر پاؤ گے - یہاں کا مالِ غنیمت صرف تمہارے ہی واسطے ہے- تم جس عزم پر استوار رہو گے ، اللہ اس میں تماری مدد کرے گا اور دونوں جہانوں میں تمہارا نام باقی رہ جائے گا - ٦

طارق نے ۲۷ رمضان ۹۲ھ (۱۹ جولائی ۷۱۱ء) کی یادگار صبح کو یہ حملہ کیا- ان کی فوجوں نے جس مقام پر قیام کیا ، وہ آج تک جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے- غرض کہ طارق نے راڈرک اور اس کے ہمراہیوں کو شکست دی اور اندلس پر قبضہ کر لیا اس طرح وہاں اسلامی نظام حکومت کی بنیاد پڑی - ۷

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد
گوہرے داشت و لے نذرِ قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است
من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سر خم کرد

(ص ۲۸۴/۱۰۸)

''قباد'':- قباد ساسانیوں کا انیسواں بادشاہ تھا - اس کے عہد میں وزیر سوخرا (پدرِ بزرجمہر) کا عمل دخل تھا - جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اس کو قتل کیا - اس کی تخت نشینی کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا - قباد کو فنِ تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی- اس نے طبرستان میں متعدد عمارتیں بنوائیں - قباد کے آٹھ بیٹے تھے - ان میں نوشیرواں کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی - اس نے ۴۰ سال حکومت کی اور ۵۳۱ء میں انتقال کیا - ۸

❁

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستہ ای بندہ شدی ایاز را

(ص ۲۹۷/۱۲۱)

''غزنوی'':- اشارہ سلطان محمود غزنوی کی طرف ہے-

محمود غزنوی ، سلطان ناصر الدین سبکتگین کا بڑا بیٹا تھا - ۸۸۹ء میں تخت نشین ہوا - وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند آیا اور سترہ حملے کیے- ان میں سب سے زیادہ مشہور حملے نگر کوٹ ،متھرا ، اجین ، اجمیر ، تھانیسر ،قنوج اور سومنات کے ہیں - اسی سومنات کے حملہ کے موقع پر محمود کو ایک گراں قدر رقم اس لیے پیش کی گئی تھی کہ وہ سومنات کی فتح کے بعد مندر کے بتوں کو نہ توڑے -محمود نے اس رقم کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں بت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں نہ کہ بت فروش ! محمود کے زمانے میں پنجاب حکومتِ غزنی میں شامل ہو گیا تھا - اس کے عہد میں علم و ہنر کو بڑا فروغ ہوا - ہر قسم کے اہلِ علم اس کے دربار میں حاضر رہتے اور وہ خوب ان کی قدردانی کرتا -محمود نہایت شائستہ ، زندہ دل ، سادہ مزاج اور خلیق تھا - اس کے اہلِ علم وفضل درباریوں میں البیرونی اور فردوسی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - محمود کی تاریخِ پیدائش ۱۵ دسمبر ۹۶۷ء اور تاریخ وفات ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء ہے- اس کا مدفن غزنی میں ہے - ۹

❁

بیا کہ ساقیٔ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بہاراں جوابِ ارژنگ است

(ص ۱۲۱/۲۹۷)

''ارژنگ'':- مانی (Manichaeus) نے ۲۴۵ء میں شاپور اول کے عہد میں ایک نئے مذہب کے بانی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد جس تسلی دہندے کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے، وہ میں ہی ہوں - عوام نے اس پر یقین کیا اور اس کے پیرو ہو گئے - شاپور اس حرکت پر بہت ناراض ہوا؛ چنانچہ مانی چین کی طرف بھاگ گیا اور عرصہ تک غائب رہا- اس کے پیرو یہ سمجھتے رہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے اور پھر ظاہر ہو گا - اس دوران مانی نے نادر و نایاب تصاویر بنائیں اور ضعیف الاعتقاد اشخاص کو یہ یقین دلایا کہ فنِ مصوری کے یہ اعلیٰ نمونے خدا کی طرف سے آئے ہیں- یہ تصاویر ایک کتاب کی صورت میں محفوظ کی گئی تھیں جس کو ارژنگ یا ارتنگ کہتے ہیں - مانی کے مقلدین نے بعض معجزات بھی اس کی طرف منسوب کیے ہیں - بالآخر بہرام اول نے مانی کو اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا- ۱۰

❁

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ، ہنگامۂ چنگیزے

(ص ۱۲۸/۳۰۴)

''ہلاکو'':- ہلاکو قاآن ، ایلخان بھی کہلاتا ہے - تولی خان کا بیٹا ، چنگیز تاتاری کا پوتا اور چوتھا جانشین تھا -۱۲۵۳ء میں ایران کی سلطنت سے ، جو اس کے باپ کے حصے میں آئی تھی، ایشیائے کوچک کا حصہ ملحق کر کے اس کو اور وسعت دی اور خاندان ایلخانی کی بنا ڈالی - ۱۲۵۶ء میں ایران کے ایک مشہور فرقہ اسمٰعیلیہ کی بیخ کنی کی- ہلاکو نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کا محاصرہ کیا - خلیفہ مستعصم باللہ کو، جس کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی ، شکست دی - اس شکست میں ہلاکو نے لاکھوں انسانوں کو تہِ تیغ کیا ،شہر کو خوب لوٹا ،سخت وحشیانہ حرکات کیں ، کتب خانہ جلا دیا اور مسجدوں کی بے حرمتی کی - اسی دوران اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا ، اس لیے اس کو شام کی طرف جانا پڑا، جہاں وہ ۸ فروری ۱۲۸۵ء کو بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا - یہی تاتاری خاندان آگے چل کر مشرف بہ اسلام ہوتا ہے اور اسلام کا پاسبان بنتا ہے- ۱۱

''چنگیز'': -چینی تاتار کے ان بلند اور وسیع میدانوں میں جو منگولیا کہلاتے ہیں ، چند خانہ بدوش

قومیں رہتی تھیں جو ایک ہی مورث کی اولاد تھیں - نہایت خونخوار، سخت دل اور جنگ جو- اسی قوم میں ۱۱۶۲ء میں چنگیز خاں پیدا ہوا - ۱۳ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا - اس وقت متفرق طور پر ہر قوم کا جدا جدا سردار تھا - اس کا باپ بھی ایک سردار تھا، اس کو اپنے گروہ سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی تھی - لوگ اس کی جان کے درپے تھے اور اس کو سردار بنانا نہیں چاہتے تھے لیکن اس نے کئی سال کی مسلسل کوشش کے بعد اپنے دشمنوں پر کامل فتح حاصل کی اور بالآخر تمام متفرق اقوام کو متحد کر کے ۱۱۸۹ء میں ان کا بادشاہ بن گیا اور خاقان کا لقب اختیار کیا اور قراقرم دارالسلطنت بنایا- اس کے بعداس نے جنوب ومغرب کی طرف رخ کیا- ۱۲۱۸ء میں اس نے تقریباً کل تاتار اور چین کو اپنا ماتحت بنایا- خوجند، بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، ہرات، رے وغیرہ اس نے فتح کئے اور دنیا کے نامور فاتحین میں شمار ہوا -۱۸ اگست ۱۲۲۷ء کو اس کا انتقال ہوا - چنگیز، جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا- اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین وضوابط مرتب کیے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے- جوینی نے ان کو نقل کیا ہے- جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ بیابان سے ایوان مسرت بن گیا تھا- ۱۲

مزدک

(ص ۱۵۱/۳۲۷)

''مزدک'':- مزدک کی شخصیت کے بارے میں ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں-بعض عربی مصنفوں کا بیان کہ وہ پسا کا رہنے والا تھا، غلط ہے اس لیے کہ پسا زرتشت کا وطن تھا نہ کہ مزدک کا - بقول طبری مزدک کی جائے پیدائش مادریہ (؟) تھی، ممکن ہے اس سے مراد شہر مادرایا ہو جو دریائے دجلہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں اب قوت العمارہ ہے- مزدک کا نام ایرانی ہے اور اس کے باپ بامداز کا نام بھی ایرانی ہے- بقول دینوری وہ اصطخر کا رہنے والا تھا اور تبصرۃ العوام میں لکھا ہے کہ وہ تبریز میں پیدا ہوا -

مانی کی طرح مزدک بھی ایک نئے مذہب کا بانی تھا- مانی نے نور کے پانچ عنصر مانے ہیں: ایثر، ہوا، روشنی، پانی اور آگ لیکن مزدک نے تین عنصر تسلیم کیے ہیں: پانی، آگ اور خاک- مزدک کا کہنا تھا کہ زر، زمین اور زن کو انسانوں میں مشترک ہونا چاہیے- ۱۳

موسیو لینن و قیصر ولیم

(ص ۱۵۷/۳۳۳)

''لینن'':- مشہور روسی انقلاب پسند اور مادہ پرست ، کارل مارکس کے فلسفے کا شارح، بالشوزم کا بانی ، روس کا پہلا صدر ۱۸۷۰ء میں بمقام سمبرسک پیدا ہوا - اس نے سینٹ پٹرس برگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور اس کا اصلی نام (Vladimir Ilitch Ulianov) ولادیمر الچ اولیانوف تھا - اس کا باپ اسکولوں کا انسپکٹر تھا ، اس لیے بچپن ہی سے اس کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا -

۱۸۸۷ء میں لینن کے بڑے بھائی کو زارِ روس کے خلاف سازش کے جرم میں پھانسی دی گئی- اس واقعہ کا اس پر بڑا اثر ہوا اور ہمیشہ کے لیے انقلابی بن گیا اور چونکہ زبردست قوتِ ارادی کا مالک تھا ، اس لیے اس نے تیس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد عصرِ حاضر کا سب سے بڑا انقلاب برپا کر کے دنیا کو متحیر کر دیا -

لینن نے ۱۸۹۷ء سے اشتراکیت کی اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا - ۱۸۹۸ء میں اسے تین سال کے لیے مشرقی سائبیریا میں جلاوطن کر دیا گیا -۱۹۰۲ء میں اس نے روس کو خیرباد کہا اور ٹراٹسکی کے ساتھ مل کر اشتراکیت کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ نکالا - روس کا ۱۹۱۷ء کا انقلاب اسی کی کوششوں کا رہینِ منت ہے- لینن نے ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا- [۱۴]

'' قیصر ولیم'':- قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی ۲۷ جنوری ۱۸۵۹ء کو بمقام برلن پیدا ہوا - اس نے باقاعدہ فوجی تعلیم حاصل کی اور ابتدا ہی سے امورِ مملکت میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا - اپنے باپ فریڈرک سوم کا جانشین بنتے ہی اس نے نظامِ سلطنت کے سنبھالنے میں بڑی دانائی کا ثبوت دیا - ولیم نے متعدد بیرونی درباروں کو خود جا کر دیکھا- اس کی مطلق العنان حکمتِ عملی کی وجہ سے شہزادہ بسمارک کو مستعفی ہونا پڑا - ولیم سختی سے اس اصول کا حامی تھا کہ اسے سلطنت خدا کی طرف سے ملی ہے - وہ بیک وقت ایک اچھا سپاہی ، فن کار اور شاعر تھا - پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے آغاز کے جہاں اور اسباب تھے ، وہاں اس کے حاکمانہ غرور و اقتدار اور اس کی مطلق العنان حکمت عملی کو بھی بڑا دخل تھا - اس جنگِ عظیم میں دنیا کے تقریباً تمام ملکوں نے حصہ لیا - آخر میں جرمنی کو شکست ہوئی - شکست کے بعد قیصر ولیم کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا- اس نے ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو تخت چھوڑ کر مرنے کے وقت تک (۴ جون ۱۹۴۱ء) ہالینڈ میں

جلا وطنی کی زندگی بسر کی - پہلی جنگِ عظیم کے آغاز سے قبل اس کے دورِ حکومت میں جرمنی نے بڑی ترقی کی- [۱۵]

❁

می خورد ہر ذرۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل ، زندگی مشکل تر است

(ص ۳۴۱/۱۶۵)

''سکندر'': - سکندر (Alexander the Great) ۳۵۶ ق م میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کے صلب اور ملکہ المپاس کے بطن سے پیدا ہوا - حکیم ارسطو سے تعلیم و تربیت حاصل کی - سکندر بمشکل بیس سال کا تھا کہ ۳۳۶ ق م میں تخت نشین ہوا - ۳۳۶ق م میں اس نے ہندوستان کا رخ کیا - جہلم کے قریب پنجاب کے راجا سے جنگ ہوئی - اس میں راجا کا بیٹا قتل ہوا اور راجا کو شکست بھی ہوئی مگر سکندر نے ملک راجا کو واپس کر دیا - سکندر اعظم کی فتوحات کا سلسلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اس نے دنیا کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا - اس کا شمار دنیا کے مشہور فاتحین میں ہوتا ہے- [۱۶]

سکندر اور خضر کی ملاقات چشمۂ حیواں پر کس طرح ہوئی اور یہ روایت کہاں سے چل نکلی ، یہ اور اس قسم کے بہت سے واقعات سکندر کی زندگی سے وابستہ ہیں - سکندر نے آب حیواں کو پینا چاہا لیکن نہ پی سکا ، اس لیے وہ ابدی زندگی بھی حاصل نہ کر سکا - یہ روایت کہ سکندر آب حیواں کی تلاش میں نکلتا ہے ، سب سے پہلے ہمیں سامی ادب میں ملتی ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ وہاں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سکندر اور اس کا باورچی انڈریاس (Andreas) ایک طویل سفر پر چشمۂ حیواں کی تلاش میں نکلے- دوران سفر سکندر کے باورچی نے نمک میں لگی ہوئی مچھلی کو ایک چشمے میں دھویا- مچھلی کا پانی میں پہنچنا تھا کہ وہ زندہ ہوگئی اور کہیں چشمہ میں چلی گئی - انڈریاس خود بھی اس چشمے میں کود پڑا اور اس طرح ابدی زندگی حاصل کر کے باہر نکل آیا - جب اس نے یہ واقعہ سکندر سے بیان کیا تو سکندر نے کہا یہی وہ چشمہ ہے جسے آبِ حیواں کہا گیا ہے - سکندر نے اس کے تلاش کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن وہ چشمہ دوبارہ نہ ملا اور سکندر کو ابدی زندگی بھی نہ ملی ، وہ ابدی زندگی جو اس کے باورچی کے حصہ میں آ چکی تھی جو نہیں جانتا تھا کہ اس ابدی زندگی کو کیا کیا جائے - [۱۷]

❁

حوالہ کتب

۱ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ا صفحہ ۲۷۷، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۲ - معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، صفحہ ۹۵ - ۲۸۴

۳ - ابن خلکان، ج ۲، صفحہ ۲۷۰

۴ - شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم، صفحہ ۲۹۴ - ۳۵۸

۵ - Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.136-137

۶ - نفح الطیب، ج ا، صفحہ ۱۱۲ - کتاب الامامتہ والسیاسہ، ج ۲ صفحہ ۶۰

۷ - سید ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس حصہ اول، صفحہ ۷۱ - ۱۰۴ -
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴ صفحہ ۶۶۶

۸ - Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.441-462

۹ - Dr. Ishwari Prasad, Medieaval India, pp. 125-169

۱۰ - پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیان صفحہ ۱۰
+ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۴، صفحہ ۲۷۲

۱۱ - شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم، صفحہ ۴۰۶ - ۴۱۵ -
+ Sir Percy Sykes, A History of Persia,Vol.II, pp.93-98

۱۲ - جوینی، تاریخ جہانکشائے، ج ا، صفحہ ۱۵ - ۱۶ -
+ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۳۶۶ - ۳۶۸
+ Chambers's Biographical Dictionary, p 401

۱۳ - پروفیسر آرتھر کرسٹن، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال ایران بعہد ساسانیان، صفحہ ۴۵۰ - ۴۶۲
+ Sir Percy Sykes-A History of Persia,Vol.1 pp.442-444

۱۴ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، صفحہ ۹۱۱ - ۹۱۴
+ Chambers's Biographical Dictionary, p 583

۱۵- Wallace C. Caldavell, The New Popular History of the World. p.467

+ Sir Winston Churchill,The Second World War,Vol 1 pp.57

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۳۳، صفحہ ۶۱۴ - ۶۱۸

۱۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱، صفحہ ۵۶۶ - ۵۷۲-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۵۳۲ - ۵۳۴

۱۷- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۸۶۱ - ۸۶۵

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو
رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

(ص ۵۴/۳۸)

''جامِ جم'':- مراد پیالہ جمشید جو حکمائے فارس نے بنایا تھا کہ اس کے ذریعہ سے ہفت آسمان کا حال معلوم ہو جاتا تھا اور اس کو جام جہاں نما بھی کہتے ہیں، لیکن شرف نامہ معروف بہ سکندر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیالہ کیخسرو نے بنایا تھا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کیخسرو نے اس میں کچھ اضافہ کر دیا تھا - ایشیائی لوگوں کا خیال ہے کہ جامِ جم سے تمام عالم کا حال معلوم ہو جایا کرتا تھا - صحیح اتنا ہے کہ اس میں خطوط کھدے ہوئے تھے اور ان خطوط کی مدد سے حساب لگا کر ستاروں کی گردش اور ان کا اثر معلوم ہو جایا کرتا تھا - لیکن اصل بات یہ ہے کہ جس وقت جمشید نے شراب ایجاد کی تو اس کے لیے جو ساغرِ شراب بنایا، اس کا نام جامِ جم یا جامِ جمشید تجویز کیا- چونکہ شاہانہ تکلف مشہور ہے اس لیے یہ پیالہ طرح طرح کی صنعتوں سے تیار کیا گیا تھا -[۱]

ہے اس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی

(ص ۹۱/۷۵)

''علیؓ'':- علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر لقب امیرالمومنین خطاب تھا- آپ خلیفۂ چہارم، رسولِ کریمؐ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد تھے- رسولِ اکرمؐ کی چہیتی بیٹی فاطمہؓ آپ کی بیوی تھیں اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ آپ کے صاحبزادے- آپ کی تاریخ وفات ۲۱ رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) ہے- آپ کی خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے- مزار آپ کا نجف میں ہے- حضرت علیؓ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل تھے- صوفیہ کے اکثر سلسلے آپ ہی سے شروع ہوتے ہیں-[۲]

عاشق عزلت ہے دل ، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں
(ص ۹۶/۸۰)

'' دارا'': - دارا (Darius III) یا داراب سوم ، کیانی خاندان کا نواں بادشاہ تھا جو اپنے باپ دارا دوم کے بعد تخت نشین ہوا - ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم سے نبرد آزما ہوا لیکن باوجود ایک کثیر التعداد فوج کے سکندر کے مقابلہ میں شکست کھائی اور قتل ہوا- اس طرح دارا کی دولت وحکومت سکندر کے قبضہ میں آئی - دارا فارس کا بہت مشہور بادشاہ ہوا ہے-[۳]

وہی اک حسن ہے، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا، بے ستوں بھی، کوہکن بھی ہے
(ص ۱۰۳/۸۷)

اقبال نے اس شعر میں دنیائے شعر کے دو مشہور کرداروں کی طرف اشارہ کیا ہے - شیریں اور کوہکن یعنی فرہاد

''فرہاد'':- فرہاد ، شیریں سے جو خسرو پرویز ، بادشاہ فارس کی کنیز تھی ، محبت کرتا تھا - خسرو نے اس کو دے دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ فرہاد فارس کی مشہور پہاڑی بے ستون کو تراش کر اس میں سے ایک چشمہ نکال دے - چنانچہ وہ عرصے تک اپنی محبوبہ کے لیے حکم کی تعمیل کرتا رہا - اپنے مقصد کے قریب ہی پہنچا تھا کہ خسرو پرویز نے اس خوف سے کہ مبادا فرہاد کامیاب ہو جائے ، ایک بڑھیا کے ذریعہ اس تک یہ خبر پہنچائی کہ شیریں کا انتقال ہو گیا - اس خبر کو سن کر فرہاد نے اپنی جان دے دی -[۴]

سنایا ہند میں آ کر سرودِ ربّانی
پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے
(ص ۱۰۸/۹۲)

اس شعر کے پہلے مصرع میں شری کرشن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

''شری کرشن'':- ہندوؤں میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو شری کرشن کو خدا کا اوتار مانتے ہیں - مہا بھارت کی لڑائی میں انہوں نے جو مذہبی تعلیم ارجن کو دی ، وہ آج '' بھگوت گیتا '' کی شکل میں موجود ہے -[۵]

۞

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے
(ص۹۲/۱۰۸)

یہاں اشارہ گوتم بدھ کی طرف مقصود ہے۔

''بدھ'':۔ بدھ کے معنی روشن ضمیر کے ہیں۔ ان کا اصلی نام سدھارتھ تھا۔ انہیں گوتم بدھ بھی کہتے ہیں۔ یہی بدھ مذہب کے بانی تھے۔ ان کا سالِ ولادت غالبًا ۵٦۸ ق م ہے۔ بدھ مذہب تیسری صدی قبل مسیح میں برصغیر کا مقبول ترین مذہب تھا۔ بڑے بڑے راجاؤں نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا اور خود بھی اس مذہب کو قبول کیا۔ ان راجاؤں میں اشوک، کنشک اور ہرش کے نام قابل ذکر ہیں۔ گوتم بدھ کا ہشت گونہ مسلک تھا۔ صحیح ایمان، صحیح ارادہ، صحیح گفتار، صحیح عمل، صحیح پیشہ، صحیح کوشش، صحیح فکر اور صحیح توجہ۔ برصغیر پاک و ہند سے اس مذہب کے اخراج کا سب سے بڑا سبب برہمنیت کا فروغ تھا۔ برہمنوں نے ہر امکانی کوشش سے بدھ مذہب کو ختم کیا۔ برہمنوں نے جب بدھوں کو برصغیر پاک و ہند سے نکالا تو انہوں نے جاپان اور چین جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ بدھ مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف ملکوں میں پائے جاتے ہیں جن میں ہندوستان، پاکستان، برما، سیام، تبت، چین، جاپان وغیرہ شامل ہیں۔ ٦

۞

لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے
(ص۹۲/۱۰۸)

اس شعر میں اس آویزش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ازمنۂ وسطیٰ میں رومن کیتھولک کلیسا (مسیحیت) اور حکماء اور فلاسفہ کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ کلیسا یعنی مسیحیت کا دعویٰ یہ تھا کہ حق وہ ہے جس کی تائید مسیحیت کرے، اور اس کے برعکس حکماء کا کہنا یہ تھا کہ حق وہ ہے جسے عقل قبول کر سکے۔ حکماء کے اس طبقے کو ختم کرنے کے لیے کلیسا نے محکمۂ احتساب قائم کیا اور کئی صدیوں تک حکماء و فلاسفہ کے قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر کلیسا کو شکست ہوئی اور یورپ میں عقلیت کا دور دورہ ہو گیا۔ ۷

۞

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گذار دیں میں نے
(ص۹۳/۱۰۹)

یہاں مشہور اطالوی عالم ہیئت گیلیلیو کی طرف اشارہ ہے۔

''گیلیلیو'':۔ گیلیلیو (Galilei or Galileo) بمقام پیسا ۱۸ فروری ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا اور ۸ جنوری ۱۶۴۲ء کو فوت ہوا ۔ اسے شروع ہی سے طب کا شوق تھا ۔ اسی وقت سے وہ ارسطو کے نظریات سے اختلاف کیا کرتا تھا ۔ بعد ازاں اس نے ریاضی کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کار ریاضی کا پروفیسر مقرر ہوا، یہاں بھی وہ ارسطو کے نظریات کا مخالف ہی رہا ۔رفتہ رفتہ اس مخالفت نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ گیلیلیو کو ریاضی کی پروفیسری سے مستعفی ہونا پڑا ۔ اس نے مختلف قسم کی ایجادات کیں ۔ بتدریج ، گیلیلیو فلکیات کی طرف متوجہ ہوا اور اس علم میں اپنی محنت و کاوش سے بڑا اہم اضافہ کیا ۔ اس کو فلکیات کی دنیا میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے۔ ۸

❁

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

(ص ۹۳/۱۰۹)

اس شعر میں نکولس کوپرنیکس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

''نکولس کوپرنیکس'':۔ نکولس کوپرنیکس (Nicolas Copernicus) جدید علم ہئیت کا بانی ۱۹ فروری ۱۴۷۳ء کو پیدا ہوا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ آفتاب غیر متحرک ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے ۔کلیسا نے اس تعلیم کی وجہ سے اسے بے دین قرار دیا اور قتل کی دھمکی بھی دی لیکن اس نے اس کی ذرا پروا نہیں کی۔ تاریخ وفات ۲۴ مئی ۱۵۴۳ء ہے۔ ۹

❁

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقلِ دوربیں میں نے

(ص ۹۳/۱۰۹)

اس شعر میں نیوٹن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''نیوٹن'':۔ سر آئزک نیوٹن (Sir Isaac Newton) ۲۵ دسمبر ۱۶۴۲ء کو پیدا ہوا۔ ایک روز نیوٹن نے جب سیب کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو دفعتہً اس کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ زمین میں کوئی ایسی کشش ضرور ہے جو اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔ نیوٹن اپنے اس مشاہدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف قسم کے تجربات میں مشغول ہو گیا اور آخر کار کشش ثقل کا قانون دریافت کر لیا ۔ اس کا انتقال ۲۰ مارچ ۱۷۲۶ء کو ہوا۔ ۱۰

❁

کیا اسیر شعاعوں کو ، برقِ مضطر کو
بنا دی غیرت جنت یہ سرزمیں میں نے

(ص ۱۰۹/۹۳)

اس شعر کے پہلے مصرع میں اشارہ رنگٹن اور فیراڈے کی طرف مقصود ہے۔

''رنگٹن'':- ولہلم کونراڈ فون رنگٹن (Wilhelm Conrad Von Rongten) ۲۷ مارچ ۱۸۴۵ء کو پیدا ہوا - ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۹ء تک جامعہ میونخ میں پروفیسر رہا - ۱۸۹۵ء میں اس نے ماورائی شعاعوں (X-Rays) کو دریافت کیا - اس کا انتقال ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو ہوا -[۱۱]

''فیراڈے'':- مائیکل فیراڈے (Michael Faraday) لندن کے قریب ۲۲ ستمبر ۱۷۹۱ء کو پیدا ہوا- یہ بہت غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا - اس نے سائنس کی دنیا میں مختلف قسم کے تجربات کیے- اس کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ وہ ہے جو (Philosophical Transaction) میں چالیس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک چھپتا رہا - اس کی مشہور ومعروف کتاب کا نام (Experimental Researches on Electricity) ہے- فیراڈے بجلی کی ایجادات کے سلسلے میں بڑی شہرت رکھتا ہے- ان کا انتقال ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کو ہوا -[۱۲]

کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوار چغتائی

(ص ۱۲۱/۱۰۵)

'' خواب گہِ شہسوار چغتائی'' اشارہ ہے جہانگیر کے مقبرے کی طرف-

یہ مقبرہ ۱۰۳۷ء میں شاہ جہاں نے تعمیر کرایا اور لاکھوں روپیہ کا سامان جھاڑ فانوس ، قندیل،شامیانے اور خیمے شاہانہ مراتب کے مقدار یہاں پر رکھا گیا - یہ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے-سکھوں نے اپنے عہد میں اس مقبرہ کو بہت نقصان پہنچایا اور بیش قیمت جواہرات یہاں سے نکال کر لے گئے ، اور ان جواہرات سے امرتسر میں اپنے گوردوارے کو آراستہ کیا[۱۳] -

کبھی اپنا بھی نظارا کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلٰی کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

(ص ۱۲۹/۱۱۳)

’’مجنوں‘‘ :- مجنوں کا اصلی نام قیس تھا مگر عشق کی دیوانگی کے سبب اس کو ’’مجنون‘‘ ’’مجنون‘‘ کہا کرتے تھے - ملوح بن فراخم ، جو قبیلہ بنی عامر کا رئیس و سردار تھا ، اس کا باپ تھا اور یہ نجد واقع عرب کا باشندہ تھا - قیس نے اپنے بچپن میں لیلیٰ کو دیکھا تھا، اسی دن سے اس پر عاشق ہو گیا تھا- آخر میں یہ بات اس کے والدین کو معلوم ہو گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قیس کی شادی لیلیٰ سے ہو مگر ہر طرح کی کوشش کے باوجود ناکام رہے - ادھر قیس پر اس عشق کا کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے گھر کے الوانِ نعمت کو ٹھکرا کر صحرا نوردی اختیار کی اور اس صحرا نوردی میں جان دے دی- قیس ، صاحبِ دیوان تھا - اس کے عربی دیوان سے اس کے عشق کی داستان مرتب کی جا سکتی ہے- قیس کا زمانہ ہشام بن عبدالملک (۷۲۴ء) کا عہد تھا -[۱۴]

’’لیلیٰ ‘‘:- لیلیٰ ایک شریف گھرانے کی بیٹی تھی - ہر چند کہ اسے قیس سے محبت تھی ، لیکن خاندان کی ناموس کی خاطر وہ زبان سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی - اس کا عقد ایک اور شخص سے کر دیا گیا لیکن یہ وہاں خوش نہ رہ سکی - کہا جاتا ہے کہ لیلیٰ سیاہ فام تھی لیکن مجنوں پھر بھی اس پر حد درجہ فریفتہ تھا ۔[۱۵]

خاک اس بستی کی ہو کیوں کر نہ ہمدوشِ ارم
جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

(ص ۱۵۵/۱۷۱)

’’ارم‘‘ - مراد باغ ارم سے ہے- باغِ ارم ایک مشہور کافر بادشاہ شداد نے بنوایا تھا اور یہ بادشاہ خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا - یہ باغِ بہشت کی بجائے تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں حوروں کی جگہ خوبصورت عورتیں اور غلمانوں کے عوض حسین امرد تھے- جس وقت باغ تیار ہوا اور شداد اس کو دیکھنے کے لیے گیا تو خدا کے حکم سے گھوڑے کی رکاب میں سے پیر اتارنے بھی نہ پایا تھا کہ روح قبض ہو گئی اور سارا دعویٔ خدائی رکھا ہی رہا - اس باغ کے تین طبقے تھے اور ہر طبقہ ایک نئے انداز پر آراستہ کیا گیا تھا -[۱۶]

ہے ہزاروں قافلوں سے آشنا یہ رہگذر
چشمِ کوہِ نور نے دیکھے ہیں کتنے تاجور

(ص ۱۶۲/۱۷۸)

’’کوہ نور‘‘ :- کوہ نور ہند و پاکستان کے ایک بہت بڑے اور مشہور ہیرے کا نام ،جس کے برابر

تمام دنیا میں اس وقت تک کوئی ہیرا دستیاب نہیں ہوا - اس ہیرے کی نسبت عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے تین ہزار برس پیشتر راجا کرن انگھ، جو مہابھارت کے مشہور سورماؤں میں سے تھا، پہنا کرتا تھا - رفتہ رفتہ یہ ہیرا راجا بکرما جیت والیٔ اجین کی ملکیت میں آ گیا تھا - جب تک مسلمانوں کی حکومت نہیں آئی، یہ ہیرا راجگانِ مالوہ کے قبضہ میں رہا، مگر اس کے نام کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یا تو مہابھارت کے زمانے میں اس ہیرے کا یہ نام نہ ہوگا یا بعد میں یہ حکایت اس سے متعلق کی گئی ہو گی - غرض یہ ہیرا کسی زمانے میں گولکنڈہ سے برآمد ہوا تھا جس کی نسبت محمد ظہیر الدین بابر نے اپنی تزک بابری میں لکھا ہے کہ گوالیار کے ایک راجا نے، جو اس زمانے میں سلطان ابراہیم لودھی کی بجائے آگرے میں حکمرانی کر رہا تھا، لوٹ سے محفوظ رہنے کے شکریے میں میرے بیٹے نصیر الدین ہمایوں کی نذر کیا تھا -

برصغیر پاک و ہند میں دو ہیرے مشہور تھے - ایک کوہ نور دوسرا دریائے نور - یہ دونوں ہیرے ۱۷۳۹ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد، دہلی کی لوٹ سے نادر شاہ کے تصرف میں آئے تھے اور وہ انہیں ایران لے گیا تھا جن میں سے دریائے نور تو ایران کی ملک ہو گیا اور کوہ نور ملکہ الزبتھ دوم کے تاج کی زینت بنا -

۱۸۲۹ء میں یہ ہیرا انگریزوں کے قبضہ میں آیا اور ۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو قیصرۂ ہند کے حضور پیش ہوا - اب اس کا وزن صرف ۱/۲ ،۱۰۲ قیراط رہ گیا ہے -[۱۷]

۞

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

(ص ۱۹۲/۱۷۶)

''درِ خیبر'' - ۷ ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی - یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا - پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس مہم پر روانہ کیے گئے لیکن کامیابی نہ ہوئی - آخر میں حضرت علیؓ نے اس قلعہ کو فتح کیا - قیصر کا شہر حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوا -[۱۸]

۞

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

(ص ۱۹۳/۱۷۷)

اس شعر میں عقبہ بن نافع کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۶۲ ھ (۶۸۱ ء) میں یزید نے ان کو افریقہ کا والی مقرر کیا - وہاں پہنچے تو انہوں نے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی اولاد کو اس سلسلے میں جمع کر کے کہا: ''میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے، لہٰذا جبتک زندہ رہوں گا کفار سے جہاد کرتا رہوں گا''- چنانچہ وہ فتوحات کرتے ہوئے، اور دشمن کو شکستِ فاش دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ خشکی کی حد ختم ہوگئی اور بحرظلمات کے کنارے پہنچ گئے تو انہوں نے کہا: ''اے میرے خدا! اگر یہ بحر زخار درمیان حائل نہ ہو جاتا تو تیرے راستے میں جہاد کرتا ہوا اسی طرح آگے بڑھتا ہوا چلا جاتا-[۱۹]

❁

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں، جوشِ محبت میں فرد تھا

(ص ۱۸۹/۲۰۵)

''رام'':- رام کا پورا نام رام چندر تھا - یہ اجودھیا کے راجا دشرتھ کے بڑے بیٹے تھے - ان کا حال تفصیل سے رامائن میں درج ہے- سناتن دھرمی ہندو ان کو خدا کا ساتواں اوتار مانتے ہیں- انہوں نے لنکا کے راجا راون کو شکست دی - رام بہت بہادر، پاک طینت اور اپنے باپ کے فرمانبردار بیٹے تھے، چنانچہ انہوں نے باپ کی خواہش پر چودہ سال کے لیے بن باس اختیار کیا اور دنیا کے سامنے اتباعِ والدین کا ایک قابل قدر نمونہ پیش کیا- [۲۰]

❁

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(ص ۲۱۲/۲۲۸)

''ڈھونڈنے والوں'' اشارہ کولمبس کی طرف ہے-

''کولمبس'':- کرسٹوفر کولمبس (Christopher Columbus) ۱۴۴۶ء میں پیدا ہوا- اس کا باپ دولت مند تاجر تھا - کچھ عرصہ اس نے بھی اپنے باپ کا، تجارت میں ساتھ دیا - اس نے کچھ وقت پے ویا (Pavia) کی یونیورسٹی میں گذارا - چودہ سال کی عمر میں اس نے بحری سفر

اختیار کیا- اس زمانے کے ملاح اچھے سپاہی بھی ہوتے تھے، چنانچہ اس کو بھی ایک جنگ میں حصہ لینا پڑا - اس کے ابتدائی بحری سفروں کا حال بہت کم معلوم ہے-۱۴۷۴ء میں کولمبس نے اسپین سے مغرب کی سمت سفر کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند پہنچنے کا عزم کیا - اس سفر کے سلسلے میں اس کو ایک عالمِ ہیئت کی بھی تائید حاصل تھی - اگرچہ کولمبس برصغیر پاک و ہند نہ پہنچ سکا، لیکن امریکا (نئی دنیا) کی دریافت کا سہرا اس کے سر رہا۔ اس سفر میں اس کے بعض عزیز بھی شریک تھے جو اس کی ہرطرح مدد کرتے رہتے تھے۔ کولمبس نے متعدد بحری سفر کیے ۔ اس کا انتقال ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء کو ہوا - ۲۱

❁

حیدری فقر ہے ، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

(ص ۲۳۲/۲۱۶)

''حیدری فقر'':- حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کی بجائے ایک میدان،میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمرؓ بن خطاب نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں ، میرے لیے میدان کافی ہے ۔۲۲

ایک دن حضرت عبداللہ بن زریر آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے - دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا - انہوں نے کہا علی آپ کو پرندے کا گوشت پسند نہیں ہے - حضرت علیؓ نے جواب دیا: '' عبداللہ ، خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے- ایک خود کھائے اور اپنے بچوں کو کھلائے ، اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے-۲۳

''دولتِ عثمانی'':- حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم ،عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے- اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا - چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی اور مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا - آپ کی فیاضی کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپیہ کے صرف سے سامانِ جنگ سے مجاہدین کو آراستہ کیا - یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جب عام طور پر مسلمان عسرت اور تنگی سے پریشان تھے ، اور دوسری طرف قیصرِ روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسولِ کریمؐ کو تشویش تھی -۲۴

❁

فاطمہ ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
(ص ۲۴۳/۲۲۷)

ستمبر ۱۹۱۱ء میں اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو اس وقت ترکی کے قبضہ میں صرف دو جنگی جہاز تھے، اور وہ بھی خراب حالت میں - جہاں تک ترکی کی بری فوج کا تعلق ہے، اس کا راستہ بھی اطالیہ کے ساتھی ملک برطانیہ نے مصر کی ناکہ بندی کر کے روک دیا تھا، اس لیے شیخ سنوسی مرحوم نے، جو طرابلس میں عربوں کے دینی اور سیاسی قائد تھے، اسلام کی عظمتِ رفتہ کو قائم رکھنے کے لیے جہاد کا حکم دیا اور مسلمان اس بے سرو سامانی کی حالت میں بھی شوقِ جہاد میں میدان جنگ میں کود پڑے - اس بے سر و سامانی کا کچھ حال اس امر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فاطمہ بنت عبداللہ ایک عرب بیٹی میدانِ جنگ میں، مشکیزہ لیے ہوئے، زخمیوں کو پانی پلاتی پھر رہی تھی - اس وقت فاطمہ کی عمر صرف چودہ سال کی تھی لیکن اس میں ہمت و جرات بے پناہ تھی- بالآخر وہ زخمیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی -۲۵

❁

گرَدِ صلیب، گردِ قمر حلقہ زن ہوئی
شکری حصارِ درنہ میں محصور ہو گیا
(ص ۲۴۵/۲۲۹)

''شکری'' - اشارہ ہے غازی شکری پاشا کی طرف -

''شکری پاشا'':- شکری پاشا ۱۸۵۴ء میں بمقام روم پیدا ہوئے - ان کا خاندان فوجی خدمات کے لیے مشہور رہا ہے -شکری نے آستانہ کے مشہور مدرسہ حربیہ میں تعلیم حاصل کی- ۱۸۸۵ء میں ترکی فوج میں لیفٹیننٹ مقرر ہوئے - بعد ازاں ان کو فنونِ حربیہ کی تکمیل کے لیے جرمنی بھیجا گیا - قیصر ولیم اول ان کی جنگی صلاحیتوں کا بڑا مداح تھا -شکری نے جنگِ بلقان میں غیر معمولی بہادری دکھائی اور ابتدا میں بلغاریوں کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن کسی وجہ سے یہ جنگ کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دی گئی - آخر ۴ فروری ۱۹۱۳ء کو ایڈریانوپل پر گولہ باری سے یہ جنگ پھر شروع ہوگئی - بالآخر بلغاریوں نے ۲۶ مارچ کو اس پر قبضہ کر لیا اور شکری پاشا مع اپنی فوج کے گرفتار ہوئے - بعد ازاں بلغاروی اور ترکی افواج میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے طرفین کے جنگی قیدی چھوڑ دیے گئے؛ چنانچہ شکری پاشا کو بھی رہا کر دیا گیا -۲۶

❁

رہیلہ کس قدر ظالم ، جفا جو ، کینہ پرور تھا
نکالیں شاہِ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے

(ص ۲۴۶/۲۳۰)

''رہیلہ'':- غلام قادر خاں رہیلہ، نواب ضابطہ خاں کا بیٹا اور امیر الامراء وکیل مطلق نواب نجیب الدولہ کا پوتا تھا - نواب نجیب الدولہ نے مرہٹوں کا اقتدار ختم کرنے کی غرض سے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی تھی، چنانچہ پانی پت کی تیسری مشہور اور فیصلہ کن جنگ کے بعد برصغیر پاک وہند میں مرہٹوں کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا -

جب تک نواب نجیب الدولہ زندہ رہے، مرہٹوں کو ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی - ان کے بعد ان کے بیٹے سے انتقام لینے کی غرض سے شاہ عالم ثانی کے وزیر نجف خاں کو جو رہیلہ پٹھانوں سے للٰہی بغض رکھتا تھا اپنے ساتھ ملایا ، بعد ازاں شاہ عالم ثانی کو بھی اپنا ہمنوا کر لیا - ۱۷۷۲ء میں شاہ عالم ، مرہٹوں کا دست راست بن کر رہیلوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو شکست فاش دی - اس شکست میں رہیلہ سرداروں کی خواتین کی بڑی بے عزتی کی گئی - اس وقت غلام قادر کی عمر تقریباً ۱۳ سال کی تھی - اس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا - جب شاہ عالم مرہٹوں اور افغانوں کی امداد سے محروم ہو گیا تو غلام قادر خاں نے اس سے انتقام لیا، اور وہ اس طرح کہ اس کی آنکھیں نکلوا کر اپنے دل کی بھڑاس کو بجھایا - غلام قادر خاں رہیلہ کا انتقال ۱۷۸۸ء میں ہوا - ۲۷

''شاہ تیموری'' اشارہ شاہ عالم ثانی کی طرف ہے -

''شاہ عالم'':- شاہ عالم کا اصلی نام عالی گہر تھا - تاریخ پیدائش ۱۵ جون ۱۷۲۸ء ہے - ۱۷۵۸ء میں اس خوف سے کہ عماد الملک غازی الدین خان وزیر مملکت کہیں قید نہ کر لے - شاہ عالم قسمت آزمائی کے لیے دہلی چھوڑ کر بنگال پہنچا - یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو معزول کر کے میر جعفر کو مسند نشین کیا تھا - پانی پت کی لڑائی کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کا اعلان کر دیا جو اس وقت دہلی میں موجود نہ تھا - یہ واقعہ ۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء کا ہے - شاہ عالم نے بہار کو واپس لینے کے لیے انگریزوں سے جنگ کی لیکن بکسر کی مشہور جنگ میں شکست کھا کر ان سے صلح کر لی اور الہ آباد چلا آیا - یہاں ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو بنگال کی مسند ایسٹ انڈیا کمپنی کو ادا کی - کمپنی نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کے محاصل میں سے ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کو ادا کرنے کا وعدہ کیا - ۱۷۷۱ء تک شاہ عالم الہ آباد

میں بیکار پڑا رہا- اسی سال کے آخر میں ۲۵ دسمبر کو دہلی پہنچا - شاہ عالم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا- آفتاب تخلص تھا-۲۸

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

(ص ۲۵۲/۲۳۶)

اس شعر میں غزوہ تبوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

حضرت عمرؓ زیادہ دولت مند نہ تھے؛ تاہم جو کچھ انہوں نے خدا کی راہ میں صرف کیا، وہ ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا - ۹ ھ (۶۳۰ء) میں رسول کریمؐ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں - حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے نصف لے کر پیش کیا - ۲۹

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

(ص ۲۵۳/۲۳۷)

''صدیقؓ'': - اقبال نے اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جب رسول اکرمؐ نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے جنگ کے لیے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقمیں پیش کیں - اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا کل مال و متاع رسول کریمؐ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ میرے لیے بس آپ کی رفاقت کافی ہے-۳۰

نانک

(ص ۲۶۹/۲۵۳)

''گرو نانک'':- گرو نانک تلونڈی، ضلع لاہور میں ۱۴۶۹ء میں ایک کھتری خاندان میں پیدا ہوئے- وفات ۱۵۲۹ء میں بمقام موضع کرتار پور پائی- سکھوں کے فرقوں کے بانی تھے- بچپن ہی سے گرو نانک کو بت پرستی اور توہمات سے نفرت تھی- جو روپیہ ان کے ہاتھ لگتا، وہ غریبوں اور محتاجوں کو دے دیتے- آخر میں سیر و سیاحت کے لیے نکلے- افغانستان، ایران، ترکستان

وغیرہ کا سفر کیا- اکثر، پند ونصائح میں مصروف رہتے- گرو نانک تمام عمر توحید اور مساوات کا سبق دیتے رہے- ۳۱

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے ، خام تھا

(ص ۲۷۱/۲۵۵)

''پورس'':- اسکندر رومی نے ۳۳۱ ق م میں اربیلا کے مقام پر ایران کے بادشاہ دارا کو شکست دی - اس کے بعد اس نے برصغیر پاک و ہند کا رخ کیا - ۳۲۶ ق م میں سکندر نے اٹک کے قریب دریائے سندھ کو عبور کیا اور جہلم کے نزدیک پنجاب کے راجا پورس کو شکست دی - ۳۲

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی ، وہی مرحبی ، وہی عنتری

(ص ۲۸۰/۲۶۴)

''مرحبی اور عنتری'' کا اشارہ مرحب اور عنتر کی طرف ہے-

۷ ھ (۶۲۸ء) میں خیبر پر فوج کشی ہوئی - یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کیا جانا آسان نہ تھا - حضرت علیؓ نے جب خیبر فتح کیا تو اس وقت جہاں اور یہودیوں سے لڑنا پڑا ، وہاں ان کے ایک بہادر سردار مرحب سے بھی مقابلہ کرنا پڑا - جب مرحب حضرت علیؓ سے لڑنے کے لیے میدان میں آیا تو بڑے جوش وخروش سے رجز پڑھتا ہوا نکلا - حضرت علیؓ اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھے اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا - مرحب شاعر بھی تھا - ۳۳

''عنتری'': -عنتر خیبر کا ایک پہلوان جو جنگِ خیبر میں مرحب کی طرح حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا -

رجز ابواللیث عنتر درغزاء خیبر

انا ابواللیث و اسمی عنتر شاکی السلاح و بلادی خیبر

میں ابواللیث ہوں اور میرا نام عنتر ہے- میں ہتھیار باندھنے والا ہوں اور میرا وطن خیبر ہے-

جواب رجز عنتر بالہام خدای اکبر

اختار الله العلی الاکبر الیوم یرضیه و یخزی عنتر[۳۴]
خدا بزرگ و برتر نے یہ پسند کیا کہ آج کا دن اس کو خوش اور عنتر کو رسوا کرے۔

ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

(ص ۲۹۱/۲۷۵)

''ساحر الموط'' - مراد حسن بن صباح ہے۔

حسن بن صباح چوتھی صدی ہجری کے شروع میں طوس میں پیدا ہوا - خواجہ حسن نظام الملک، مشہور وزیر دربارِ سلجوقی، کا ہم مکتب اور دوست تھا - نظام الملک کی سفارش سے الپ ارسلان سلجوقی کے دربار میں میر نقیب مقرر ہو گیا لیکن بعد میں وہ خود اپنے محسن نظام الملک کا دشمن بن گیا اور دربار سے نکالا گیا - شام پہنچ کر فرقہ اسمٰعیلیہ کے پیشوا کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور تمام عمر اسی فرقے کے عقائد کی تعلیم و تلقین کرتا رہا - اس نے کوہ البرز کے شاداب علاقے میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر قلعہ الموط میں ایک جنت ارضی بنائی جس میں جارجیا اور کوہ قاف کی حسین عورتیں جمع کی تھیں - اس کے عقیدت مند جو دور دراز سے اس کے پاس آتے، یہ ان کو بھنگ کے نشے میں سرشار کر کے اس جنت ارضی کی سیر کراتا - اس کی جماعت کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور جب یہ تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا - ۱۰۸۹ء میں ایک مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ پر قبضہ کر لیا - جو لوگ اس کے مرید تھے، وہ باطنی یا فدائی کہلاتے تھے اور بھیس بدل کر اپنے مخالفین کو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتے - حسن بن صباح نے اپنا یہ کام ایک جماعت کے سپرد کر دیا تھا - اس جماعت نے اس کام کو جاری رکھا - ظاہر ہے اس کی مخالفت اسلام ہی کی طرف سے ہو سکتی تھی، اس لیے اسلام کو حسن بن صباح کی ذات سے سخت نقصان پہنچا - ۱۱۲۴ء میں اس کا انتقال ہوا - ۳۵

بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بہ چشمم آشکار آمد

(ص ۳۰۶/۲۹۰)

''خواجۂ بدر و حنین'' :- اشارہ رسول کریم ﷺ کی طرف ہے - بدر سے جنگِ بدر مراد ہے جو ۲ ھ (۶۲۳ء) میں ہوئی اور حنین سے جنگِ حنین کی طرف اشارہ ہے جو ۸ ھ (۶۲۹ء) میں وقوع پذیر ہوئی -

رسول کریمؐ عرب کے مشہور خاندان قریش سے تھے - کعبہ کی کلید برداری ہمیشہ سے آپؐ کے خاندان میں چلی آتی تھی - آپ کا خاندان عرب کا نہایت معزز خاندان تھا - آپؐ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی - آپؐ کے والد عبداللہ نے آپ کی ولادت کے تھوڑا ہی عرصے پہلے انتقال کیا اور آپؐ کی والدہ نے بھی ۶ سال کی قلیل مدت کے بعد آپؐ کے عہد طفلی میں رحلت کی - آپؐ کی پرورش اور تربیت آپؐ کے چچا ابوطالب نے کی - آپؐ اُمی تھے یعنی کسی سے تعلیم نہیں پائی تھی - بچپن سے صادق، امین اور ہمدرد بنی نوع انسان رہے - آپؐ کی راست بازی اور امانت کے شہرے کی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح کیا - آپ کو بت پرستی سے ہمیشہ نفرت رہی - آپؐ عبادتِ الٰہی کی غرض سے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے - سب سے پہلے وحی الٰہی یہیں نازل ہوئی اور آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا - اس وقت آپؐ کی عمر کا اکتالیسواں سال تھا - آپؐ دینِ حق کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور مکہ کے لوگ طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے - آخر کچھ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے - اپنے چچا کے انتقال کے بعد آپؐ طائف تشریف لے گئے - وہاں بھی لوگوں نے بے رحمی اور بے ادبی سے کام لیا - نبوت کے بارہویں سال واقعۂ معراج پیش آیا - جب کفارِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ نے مکے سے مدینے کو ہجرت فرمائی - اسی وقت سے مسلمانوں کا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے - مدینہ پہنچ کر آپؐ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے - مدینہ پہنچنے کے بعد بھی کفار سے مقابلے ہوتے رہے - کفار کے مقابلے میں غزوۂ بدر میں اسلام کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی - ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع واقع ہوا اور آپؐ مکے تشریف لے گئے جہاں آپؐ نے مسلمانوں کو خطبہ کے ذریعہ سے مختلف پند و نصائح فرمائے - اس میں خاص زور اخلاصِ عمل ، مسلمانوں کی جماعت میں شرکت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر تھا - ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا - آپؐ نے مسلمانوں کے درمیان انکی ہدایت کے لیے قرآن چھوڑا جو وقتاً فوقتاً آپؐ پر خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا - قرآن، حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مدون کیا گیا جو آج تک بغیر کسی تغیر و تبدل کے دنیا میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے موجود ہے -۳۶

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

(ص ۳۱۰/۲۹۴)

''نمرود'': - نمرود کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے - بڑا جابر بادشاہ تھا - اس کی حکومت بابل کے گردونواح میں تھی - اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں نمرود کے مورثِ اعلیٰ نے بابل کو فتح کیا۔ میئر (Meyer) کا کہنا ہے کہ لیبیا میں نمرود نام عام ہے-

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ خود کو ان کا رب اور مالک جانتے تھے، اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ، اسلیے کہ وہ صاحبِ عقل و شعور بھی ہوتا تھا اور صاحبِ تخت و تاج بھی، اس کی پرستش کرتی تھی- اسی نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوایا تھا لیکن آگ خدا کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ کے لیے سلامتی کا موجب بن گئی تھی- ۳۷

حضرتِ کرزن کو اب فکرِ مداوا ہے ضرور
حکم برداری کے معدے میں ہے دردِ لایطاق

(ص ۳۲۳/۳۰۷)

''کرزن'':- کرزن جنوری ۱۸۹۹ء میں برصغیر کا گورنر جنرل مقرر ہوا- اس کو آزاد قبائل سے بڑی دلچسپی تھی ؛ چنانچہ اس نے ایک نیا صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے نام سے بنایا- جنوری ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن نے شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے سلسلے میں دہلی دربار کی صدارت کی- کرزن دوبار برصغیر کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا - لارڈ کچنر سے کرزن کا فوجی معاملات میں اختلاف ہوا - اس اختلاف کی بنا پر کرزن ۱۹۰۵ء میں استعفیٰ دے کر انگلستان واپس چلا گیا۔ وہ ۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا چانسلر مقرر ہوا اور کئی نئی تجاویز یونیورسٹی آئین کے بارے میں عمل میں لایا - کرزن ہی کے زمانے میں تقسیمِ بنگال کا مسئلہ پیدا ہوا لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۹۱۱ء میں یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا کیونکہ تمام ملک ، بنگال کی تقسیم کے خلاف متحد تھا - کرزن کی تاریخ پیدائش ۱۱ جنوری ۱۸۵۹ء اور تاریخ وفات ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء ہے - ۳۸

کیا خوب امیرِ فیصل کو سنّوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا
(ص ۳۲۴/۳۰۸)

''امیر فیصل'' - مراد فیصل الحسین، شریف حسین کے تیسرے بیٹے سے ہے-

''سنوسی'':- محمد بن علی بن سنوسی بانی سلسلۂ سنوسیہ ایک بزرگ تھے جنھوں نے افریقہ میں سلسلۂ سنوسیہ قائم کیا تھا - ان کا سالِ پیدائش ۱۷۸۷ء اور سال وفات ۱۸۵۹ء ہے - محمد علی سنوسی کے دو بیٹے تھے، محمد شریف اور المہدی - المہدی چھوٹا تھا لیکن جانشینی اس کو نصیب ہوئی - یہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوا - اس نے کبھی مہدی موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اگرچہ اس کے بعض پیرو ایسا خیال کرتے رہے - المہدی کے انتقال کے وقت اس کے بیٹوں کی عمر بہت کم تھی؛ چنانچہ اس کا ایک بھتیجا احمد الشریف جانشین ہوا - سیدی احمد ترکوں کے ساتھ اطالوی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا - ترک اس کی شجاعت کے بڑے مداح تھے، کچھ عرصے بعد سیدی احمد کو المہدی کے بیٹے سید محمد آل ادریس کے حق میں دستبردار ہونا پڑا اور یہ اس وقت ہوا جب ۱۸ - ۱۹۱۷ء میں ترک اور جرمن اقتدار کم ہونے لگا تھا - سنوسی سلسلے کی انقلابی سرگرمیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ فرانس اور برطانیہ کو اس کی جانب سے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا - امیر فیصل ترکوں کے ساتھ بغاوت میں باغیوں کی امداد میں پیش پیش تھا اور یہ بات سنوسی کے لیے نا قابلِ برداشت تھی؛ چنانچہ اس نے غیرتِ ایمانی کو کام میں لانے کے لیے پیغام بھیجا[۳۹] -

۞

حوالہ کتب

۱ - مولوی احمد عبدالعزیز نائطی ، آصف اللغات ، ج ۱۷ ، صفحہ ۱۰۰۴۲-۱۰۰۴۴ -

+ سید احمد دہلوی ، فرہنگ آصفیہ ، ج ۲ ، صفحہ ۲۱

۲ - معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ، صفحہ ۲۱۷ - ۳۲۸ -

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۱ ، صفحہ ۲۸۳ - ۲۸۵

+ R.A Nicholson-A Literary History of the Arabs pp.190

۳ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۷ ، ص ۵۹ - ۶۰ ، مطبوعہ ۱۹۴۶ء

۴ - پروفیسر آرتھر کرسٹن سین ، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال ، ایران بعہد ساسانیان ، صفحہ ۶۰۰ - ۶۴۱ -

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۲ ، صفحہ ۶۷ -

+ مرزا فرصت شیرازی ، آثارِ عجم ، ج ۲ صفحہ ۳۹۳ - ۴۰۰ -

+ سید احمد دہلوی ، فرہنگ آصفیہ ، ج ۳ صفحہ ۳۳۸ - ۳۳۹

۵ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۱۳ ، صفحہ ۵۰۳

۶ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۴ ، صفحہ ۳۲۵ - ۳۲۸

۷ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۵ ، صفحہ ۴۱ - ۴۲

۸ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۹ صفحہ ۹۷۹ - ۹۸۱

۹ - ایضاً ، ج ۶ ، ص ۴۰۰

۱۰ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۱۶ ، ص ۳۶۱ - ۳۶۳

۱۱ - ایضاً ، ج ۱۹ ، ص ۵۲۷

۱۲ - ایضاً ، ۹ ، ص ۷۰ - ۷۱

۱۳ - کنہیا لال ، تاریخ لاہور

۱۴ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۳ ، ص ۹۶ -

+ سید احمد دہلوی ، فرہنگ آصفیہ ، ج ۴ ، ص ۲۹۵ - ۲۹۸

۱۵ - سید احمد دہلوی ، فرہنگ آصفیہ ، ج ۴ ، ص ۲۴۲

۱۶ - ایضاً ، ج ۳ ، ص ۱۷۱

۱۷ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۱۳ ، ص ۴۷۴ -

+ سید احمد دہلوی فرہنگ آصفیہ ، ج ۳ ، ص ۵۹۸ - ۵۹۹

۱۸ - حاجی معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،ص ۲۷۹ - ۲۸۰

۱۹ - ابن اثیر ، ج ۴ ،ص ۴۳ -

\+ قاضی زین العابدین ، تاریخ ملت ، ج ۳ ،ص ۹۷ - ۱۰۰

۲۰ - سید احمد دہلوی ، فرہنگ آصفیہ ، ج ۲ ،ص ۳۴۴

۲۱- Chambers's Encyclopaedia, Vol III, pp . 368-369

۲۲ - حاجی معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،ص ۳۵۷

۲۳ - مسند احمد ، ج ۱،ص ۸۷

۲۴ - حاجی معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،ص ۲۶۰ - ۲۶۱

۲۵ - مولانا ابوالکلام آزاد ، الہلال ،۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء

۲۶ - عبدالمجید عتیقی - ترکانِ احرار ،ص ۱۷۸ - ۱۸۴

۲۷ - سید الطاف علی - حیاتِ حافظ رحمت خاں

\+ Beale, An Oriental Biographical Dictionary. p 145

\+ The Cambridge History of India, Vol IV, p 448

۲۸- The Cambridge History of India, Vol IV, pp 443-444

۲۹ - معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،ص ۹۵ - ۱۸۴

۳۰ - حاجی معین الدین ندوی ، خلفائے راشدین ،ص ۱۲ - ۶۴

۳۱ - جامع اللغات ، ج ۴ ،ص ۶۸۶

۳۲ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۱۸ ،ص ۲۹۷

۳۳ - سیرۃ ابن ہشام - بہامش الروض الانف ، ج ۲ ،ص ۲۳۸ -

\+ جیوئش انسائیکلوپیڈیا ، ج ۸،ص ۳۳۰

۳۴ - میر حسن میبذی - شرح دیوان امیر المومنین ،ص ۲۴۰،مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ء

۳۵ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۲ ،ص ۲۷۶

۳۶ - شبلی ، سیرت النبی -

\+ قاضی محمد سلیمان ، رحمتہ للعالمین

۳۷ - مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ،قصص القرآن ، ج ۱ ،ص ۱۷۴ - ۱۸۳ -

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۱۶ ،ص ۴۶۱ ،مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۳۸- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۶ ،ص ۹۰۰ - ۹۰۱

۳۹ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۲۰،ص ۳۳۱ - ۳۳۴ ،مطبوعہ ۱۹۵۰ء

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی ، لاہور، ۱۹۹۰ء)

آں فقر کہ بے تیغے صد کشورِ دل گیرد
از شوکتِ دارا بہ ، از فرِّ فریدوں بہ

(ص ۳۶۳/۱۹)

''فریدوں'':- فریدوں قدیم زمانے میں فارس کا بادشاہ تھا - اس کا دورِ حکومت بہت طویل بتایا گیا ہے -ضحاک ، ظالم بادشاہِ فارس کو قتل کر کے فریدوں نے سلطنت حاصل کی جب کہ ضحاک کے مظالم حد سے بڑھ چکے تھے - فریدوں کا عہدِ حکومت عمدگی اور خوشحالی سے گزرا - اس کے تین بیٹے تھے- سام ، تور اور ایرج - تخت کے لیے ان میں جنگ ہوئی اور آپس میں قتل ہوئے -نتیجہ میں فریدوں کا پوتا منوچہر تخت نشیں ہوا - ۱

۞

خیز و کارِ ایبک و سوری نگر
وا نما چشمے اگر داری جگر

(ص ۱۲۶/۴۷۰)

'' ایبک'' :- قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا - اصل میں یہ شہاب الدین غوری کا غلام تھا جس نے پہلے اس کو فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر مامور کیا بعد ازاں اس کو ۱۱۹۲ء میں اپنا نائب مقرر کیا - اسی سال قطب الدین نے میرٹھ اور دہلی کو فتح کیا اور بنگال کی حکومت کی توسیع کی - ۱۲۰۶ء میں ایبک نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور دہلی پایۂ تخت بنایا - برصغیر پاک و ہند کا پہلا اسلامی بادشاہ یہی ہے اور مورخین جس پہلے شاہی خاندان کو خاندانِ غلاماں کہتے ہیں ، اس کا بانی بھی ایبک ہی تھا- اس نے ایک عالیشان مسجد قطب الاسلام کے نام سے تعمیر کرائی جسے قوۃ الاسلام بھی کہتے ہیں - ایبک ۱۲۱۰ء میں گھوڑے سے گر کر بمقام لاہور فوت ہوا اور یہیں دفن ہوا - وہ بڑا سخی بادشاہ تھا - ۲

مراد شیر شاہ سوری سے ہے-

''سوری'':- شیر شاہ سوری کا اصلی نام فرید تھا - اس کا باپ حسن خاں خاندان سور کا ایک افغان تھا- شیر شاہ نے اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ترقی کی - ابتدا میں وہ محمد لوہانی بادشاہ بہار کے ہاں ملازم رہا - یہیں اس نے ایک شیر کا شکار کیا جس پر شیر خاں کا خطاب ملا اور شیر شاہ مشہور ہوا - شیر شاہ ۱۴۷۲ء میں پیدا ہوا اور ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو انتقال کیا - اس نے ہندوستان پر تقریباً پانچ سال حکومت کی اور نہایت لائق و کامیاب حکمران ثابت ہوا - اس کا دورِ حکومت گو قلیل عرصے رہا؛ تاہم اس نے بہت کچھ کیا- شیر شاہ سوری نظامِ سلطنت میں اکبر کا پیشرو ہے کہ اکبر نے بہت سی اصلاحات شیر شاہ ہی کے نظامِ سلطنت سے لے کر اور ان میں ضروریاتِ زمانہ کے مطابق تبدیلی کر کے قبول کیں ۳ -

حوالہ کتب

۱- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال - ایران بعہد ساسانیان، ص ۶۷۸

+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, Vol , 1 p.135

۲- The Cambridge History of India, vol . III , pp 41-48.

+ Dr Syed Moinul Haq, A Short History of the Delhi Sultanate, pp 65-74

۳- Dr. R.C. Majumdar, An Advanced History of India, pp 434- 443.

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ضربِ قلندری بیار، سدِّ سکندری شکن
رسمِ کلیم تازہ کن، رونقِ ساحری شکن

(ص ۲۹ / ۵۰۱)

''سدِ سکندری'':- سدِ سکندری سکندر نے نہیں بلکہ ذوالقرنین نے بنوائی تھی -

محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے - ایک حملہ سکندر سے پہلے کا عہد، دوسرا طوائف الملو کی کا عہد اور تیسرا ساسانی سلاطین کا عہد، اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان تینوں عہدوں میں سے فارس کی عظمت اور اس کے عروج کا عہد خورس، (سائرس) کے عہدِ حکومت سے شروع ہوتا ہے - اس بادشاہ کو یہودی خورس، یونانی سائرس (Cyrus) فارسی گورش اور کے ارش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں -

قرآن میں ذوالقرنین کا واقعہ (۱۸/۸۳ - ۹۹) تفصیل سے درج ہے - قرآن نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے، اس کا اطلاق خورس کے سوا اور کسی شخصیت پر نہیں ہوتا - خدا نے اپنے فضل و کرم سے ذوالقرنین کو حکمرانی عطا فرمائی تھی - اس کی بڑی مہمیں تین تھیں - پہلے مغربی ممالک فتح کیے پھر مشرقی، پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کے دوسری طرف سے یاجوج ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے - اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج ماجوج کی راہ بند ہو گئی -

تمام عرب مورخین کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے یہ دیوار تعمیر کی تھی - لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا -

جوزیفس اور پروکوپیس (Procopius) دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا؛ حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقے میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو-

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درہ داریال کی سد وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے-

سائرس ۵۵۰ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ ق م میں فوت ہوا - مذہباً زرتشتی تھا اور زرتشت کا ہم عصر بھی -۱

از جمال زہرہء بگداختی
دل بہ چاہِ بابلے انداختی

(ص ۵۱۱/۳۹)

مشہور ہے کہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت ، زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے اور فعل بد کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش میں دونوں فرشتے چاہ بابل میں آج تک الٹے لٹک رہے ہیں اور زہرہ ان فرشتوں سے اسم اعظم سیکھ کر اس کی برکت سے آسمان پر چڑھ گئی اور ستارہ کی صورت میں مسخ کر دی گئی -

ہر چند کہ ہاروت و ماروت اور زہرہ کا یہ قصہ بعض احادیث میں مروی ہے مگر بہ اتفاق محدثین یہ احادیث شاذ وضعیف ہیں - اصل یہ کہ یہ قصہ یہود کی کتابوں میں سے ہے اور ان کے بہتانات میں ہے- ۲

''آزمایش کردن اہرمن زرتشت را''

(ص ۵۲۰/۴۸)

''زرتشت'':- نواحِ مشرق کے اس حصہ میں جو اب سرزمینِ افغانستان میں شامل ہے، غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشت (زراتشترا) ایک اصلاح شدہ مزدائیت کا پیغمبر بن کر آیا - زرتشت کا مذہب ایک نا کامل توحید ہے- ربانی ہستیوں کی وہاں کثرت ہے، اس طرح کہ مزدا گویا ذات ہے اور وہ سب اس کی تجلیات یا صفات ہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی مشیت کو، کہ وہی مشیت ایزدی ہے، نافذ کرنے والی ہیں - مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت کا عقیدہ محض ظاہری ہے کیونکہ دو عالمگیر روحوں (یعنی روحِ خیر اور روحِ شر) کے درمیان جو جنگ جاری ہے، وہ بالآخر روح خیر کی فتح پر منتہی ہوگی -

زرتشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے- اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی

مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا۔نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصل محور ہے۔ پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں '' اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا ، یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا''۔ زرتشت کی تعلیم سر تا سر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی ، اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا ردِعمل ہے۔

چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زرتشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا ، دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ پھر سکندرِ اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دوصد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ زرتشت کا سالِ وفات تقریباً ۵۸۳ ق م سے لے کر ۵۵۰ ق م کے درمیان ہونا چاہیے۔[۳]

۞

آں فلاطوس ، آں صلیب ، آں روئے زرد
زیرِ گردوں تو چہ کر دی او چہ کرد

(ص۵۲/۵۲۴)

'' فلاطوس '' :۔ فلاطوس (Pontius Pilate) پانچواں رومی حاکم تھا جس نے ۲۶ء سے ۳۶ء تک حکومت کی۔ حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب اسی کے زمانے میں کیا گیا۔ لوقا کی انجیل میں اسی کا ذکر موجود ہے۔ فلاطوس کے بارے میں بڑے قصے مشہور ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے بلکہ بعض تو افسانوی حیثیت رکھتے ہیں جو اس کی زندگی اور خودکشی کے متعلق ہیں۔[۴]

۞

اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست
گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست

(ص۵۴/۵۲۶)

'' عدنانی '':۔ مراد عدنان سے ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جن میں ایک کا نام قیدار تھے۔ قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان ہوئے ۔عرب کے وہ قبائل جو بنی اسماعیل کہلاتے ہیں ،زیادہ تر عدنان ہی کی اولاد ہیں ،اس لیے بنی اسماعیل کو عدنانی بھی کہا جاتا ہے۔آگے چل کر انہی بنی عدنان کی ایک شاخ

بنو قریش کہلائی - عدنان کی کنیت ابو معد تھی ،رسولِ کریمؐ کا نسب نامہ ان تک مسلسل پہنچتا ہے- ۵

❁

بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر
رم خن و لات و منات وعسر وغسر

(ص ۵٦۱/۸۹)

’’ بعل‘‘: -شامی قوم کا معبود تھا - قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے - بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں - اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا - عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا ، اسی بعل کی تحریف ہے-

’’ مردوخ ‘‘: - اس کی پرستش اہل بابل کرتے تھے - اس کا ذکر توریت میں بھی ہے -

’’ یعوق‘‘ :-عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے - اہل یمن میں یہ بت پوجا جاتا تھا - یعوق کے معنی روکنا ہے، یعنی مصیبتوں کو روکنا - اس کی ہمدان میں بھی پرستش ہوتی تھی -

’’ نسر‘‘ :-نسر کے لغوی معنی گدھ کے ہیں - اسی شکل کا ایک مجموعہ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں - نسر ، دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں مدت سے پوجا جاتا تھا - اس کے متعلق تو بتحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک آسمانی شکل کا نام ہے جو ایک پرندے کی شکل پر تھا- نسر، حمیر کے خاندان ذی الکلاع کا بھی معبود تھا -

’’ عسر‘‘ :-عسر (Osiris) مصریوں کا معبود اعظم تھا -

’’ فسر‘‘ ، ’’ رم خن‘‘ اور ’’غسر‘‘ یہ تینوں فرضی نام ہیں -٦

❁

اے فواد ، اے فیصل ، اے ابنِ سعود
تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود

(ص ۵٦۹/۹۷)

فواد کا اشارہ مصر کے بادشاہ ،شاہ فاروق کے والد اسمٰعیل فواد کی طرف ہے- فیصل سے مراد شاہ عراق فیصل ثانی کے والد فیصل الحسین اور ابنِ سعود سے مرحوم عبدالعزیز ابنِ سعود مراد ہیں-

’’فواد‘‘-اسمٰعیل فواد ۱۹۱۷ء میں تخت نشین ہوا ، ۹ جولائی ۱۹۲۸ء کو اس نے پارلیمنٹ برخاست کر دی اور خود حکومت کرنے کا عزم کر لیا - جمہوریت اور وفد پارٹی کا دشمن تھا - انگریزوں کے اشاروں پر کام کرتا تھا - ۱۹۳٦ء میں انتقال کیا -۷

''فیصل'':۔فیصل الحسین (۱۸۸۵ء - ۱۹۳۳ء) عراق کا بادشاہ طائف میں پیدا ہوا - شریف حسین کا تیسرا بیٹا تھا - اس کا شجرۂ نسب حضرت فاطمہؓ سے جا ملتا ہے -۱۹۱۳ء میں جدے کا حاکم مقرر ہوا اور عربوں کی قومی تحریک میں آگے بڑھ کر خود کو پیش کیا - ۱۹۱۴ء میں اس نے اپنے باپ کی فوج کی مکہ کے قریب قیادت کی - ۱۹۱۵ء میں شام کے ترکی گورنر کے دوش بدوش لڑتا رہا ، لیکن دفعتہً سالِ نو کے آغاز میں حجاز کی طرف چلا آیا جہاں اس نے عربوں کی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا - یہ عرب فوج کا سپہ سالارِ اعلیٰ تھا - کچھ عرصے بعد اس نے شام کی ریاست کا نظم و نسق سنبھالا اور پیرس کی امن کانفرنس میں شرکت کے بعد اپریل ۱۹۱۹ء میں شام واپس ہوا - ۱۹۲۰ء میں شام کا بادشاہ مقرر ہوا لیکن فرانس سے اختلاف پر اس نے جولائی ۱۹۲۰ء میں شام کو چھوڑ دیا - بعد ازاں عراق پہنچا جہاں کثرت رائے سے جون ۱۹۲۱ء میں بادشاہ بنا - فیصل پہلی جنگِ عظیم میں انگریزوں کے ساتھ رہا - ۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا -۸

''ابن سعود'':- عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن ابنِ فیصل ابن سعود شاہ حجاز ، نجد کے دارالخلافہ ریاض میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے -ان کے والد کا انتقال ۱۹۲۸ء میں ہوگیا تھا -عبدالرحمٰن ، سلطانِ نجد امیر فیصل کے چار بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا - باپ کے انتقال کے بعد اس کے دو بڑے بیٹے تخت نشینی کے لیے باہم جنگ کرنے لگے اور اس جنگ نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ بدنظمی تمام وسط ایشیا میں پھیل گئی - ابن رشید کا حریف خاندان شمالی نجد سے جنوب کی طرف بڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ ۱۸۹۱ء میں وہاب خاندان کو نکال باہر کیا اور خود ریاض پر قابض ہوگیا -

۱۹۰۰ء میں ابنِ سعود کے باپ عبدالرحمٰن نے اپنے والد کے تخت کو حاصل کرنے کے لیے عزمِ صمیم کیا - اس کو شکست ہوئی - وہ اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوگیا - چنانچہ عبدالعزیز نے دوسرے ہی سال دو سو آدمیوں کے ہمراہ حملہ کر دیا اور نجد پر قبضہ کر لیا - یہ ابن سعود کی بہادری کا غیر معمولی کارنامہ ہے - اس کے بعد انہوں نے نجد کی حکومت کو فروغ دینا شروع کیا اور اس طرح عربوں میں اتحاد پیدا کر کے عرب سلطنت قائم کی -

ابنِ سعود کو استحکامِ سلطنت کی خاطر ترکوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا - ترک مشرقی عرب پر قابض تھے - جب لڑائی ہوئی تو ان کو ابنِ سعود کے حق میں وہاں سے ہٹنا پڑا - ترکوں کے بعد ابن سعود نے اپنے دو قدیم حریفوں کی طرف توجہ مبذول کی - ایک تو ان میں ابن رشید کا خاندان تھا اور دوسرا حجاز کا شاہ حسین - ابنِ سعود نے ان دونوں کو زیر کیا - ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو

ابنِ سعود نے حجاز کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا - ایک سال کے بعد ان کو نجد اور اس کے متعلقات کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا -

دوسری جنگِ عظیم میں ان کی ہمدردی انگریزوں کے ساتھ تھی - انہوں نے حکومت بڑے انصاف اور مستعدی سے کی - ان کے عہدِ حکومت میں سعودی عرب نے ہر طرح کی ترقی کی - وہ شدت سے قرون اولیٰ کے اسلام پر عامل تھے اور خود کو خدا کا خادم کہتے تھے- ابن سعود نے ۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا،۹ اور ریاض میں دفن کیے گئے- ۱۰

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن

(ص ۱۴۲/۶۱۴)

'' جعفر'' :-جعفر علی خاں تاریخ میں میر جعفر کے نام سے مشہور ہے - انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر میر جعفر کو ۱۷۵۷ء میں بنگال کا نواب بنا دیا تھا - مگر وہ انتظامِ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا ، اس وجہ سے معزول کر دیا گیا اور انگریزوں نے اس کی معقول پنشن مقرر کر دی - اس کے بعد اس کا داماد میر قاسم علی خاں مسند نشین ہوا - میر قاسم نے اس کے بعد انگریزوں کی مخالفت کی ، اس لیے انگریزی فوج کو اس سے لڑنا پڑا - انگریزوں نے پھر میر جعفر کو گدی پر بٹھایا - میر جعفر اپنے ولیٔ نعمت، سراج الدولہ سے غداری کر کے انگریزوں سے مل گیا تھا ؛ چنانچہ اس نے نواب کے تمام بھید انگریزوں کو بتا دیے - اس طرح نواب کو انگریزوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور بنگال کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا - میر جعفر کا انتقال ۵ فروری ۱۷۶۵ء کو ہوا- ۱۱

''صادق'':- میر صادق ، حیدر علی کا معتمد خاص اور وزیر تھا - میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا - مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا - سلطان حیدر علی سے صادق کی دشمنی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سلطان نے اس کو معزول کر دیا تھا اور بعد میں بحال بھی کر دیا تھا ،لیکن یہ میرزادہ در پردہ اپنی توہین کا انتقام لینے پر تلا ہوا تھا - میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے اصلاحات جاری کیں اور ملک میں مجلسِ شوریٰ قائم کی اور اس کا نام'' زمرۂ غم نباشد'' رکھا - اس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ رعایا میں سلطنت کی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو-لیکن میر صادق نے اپنے اثر و رسوخ سے اس مجلسِ شوریٰ کو بے کار بنا دیا -

میر صادق کے اثر و رسوخ کا عالم یہ تھا کہ یہ سلطان تک کوئی خبر نہ پہنچنے دیتا تھا - اسی وجہ سے سلطان کو میسور کی تیسری اور چوتھی لڑائی میں پے در پے شکست اٹھانی پڑی - سرنگاپٹم کے محاصرے کے آخری دن یعنی ۴ مئی ۱۸۹۹ء کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ، ڈگی دروازے سے باہر نکلا تو میر صادق نے دروازے کو اندر سے بند کرا دیا - اس غدار کو خوف تھا کہیں سلطان واپس آ کر انگریزوں سے صلح نہ کر لے - دروازے بند کر دینے کے بعد اس غدار نے فصیلِ قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو دے دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج نے سمٹ کر تین طرف سے فصیلِ قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کر دیں اور سلطان شہید ہو گیا - اس طرح میر صادق کی غداری سے میسور کی اسلامی سلطنت ختم ہوئی - ۱۲

گفت ’’ ایں کاشانۂ شرف النسا ست
مرغِ بامش با ملائک ہم نواست‘‘

(ص ۱۵۷/۶۲۹)

’’ شرف النسا ‘‘ :- شرف النسا نواب خان بہادر خاں کی بیٹی، اور نواب عبدالصمد خاں کی پوتی تھیں - یہ دونوں باپ بیٹے ، بہادر شاہ اور شاہ عالم کے زمانے میں یکے بعد دیگرے پنجاب کے گورنر تھے -

شرف النسا کا مقبرہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں بنایا گیا - مقبرہ کی عمارت اپنے عہد کے فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ خیال کی جاتی ہے - یہ مقبرہ لاہور میں سرو والے مقبرے کے نام سے مشہور ہے - ۱۳

آں فروغِ دودۂ عبدالصمد
فقرِ او نقشے کہ ماند تا ابد

(ص ۱۵۷/۶۲۹)

’’عبدالصمد‘‘:- عبدالصمد خان الملقب بہ نواب شمس الدولہ بہادر جنگ ولد خواجہ عبدالکریم ، خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی اولاد سے تھے - ان کے والد سمرقندی تھے مگر یہ آگرے میں پیدا ہوئے - بچپن میں والد کے ساتھ سمرقند جا کر تحصیل علم کی - اورنگ زیب کے عہد میں واپس آئے - شش صدی کا منصب ملا اور چند ہی روز میں پانژدہ صدی پر ترقی ہوئی - خان کا خطاب عطا ہوا - جہاندار شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب اور عالی جنگ کا خطاب ملا - فرخ سیر کے عہد

میں لاہور کے صوبے دار مقرر ہوئے -سکھوں کے مقابلے کے لیے فوج لے کر گئے ، ان کو شکست دی اور ان کے سردار ، بندہ بیراگی کو گرفتار کیا - محمد شاہ نے ملتان کا صوبے دار بنایا اور شمس الدولہ کا خطاب دیا - ۱۷۳۹ء میں انتقال ہوا -[۱۴]

۞

عمر ہا گل رخت بر بست و کشاد
خاکِ ما دیگر شہاب الدیں نزاد

(ص ۶۳۴/۱۶۲)

''شہاب الدین'':- سلطان شہاب الدین اپنے باپ کے بعد کشمیر کے تخت کا مالک ہوا- شجاعت اور اخلاق پسندیدہ رکھتا تھا - فاتح اور اولوالعزم تھا - جس روز کہیں سے فتح کی خوش خبری نہ آتی ، اس دن رنجیدہ رہتا اور سمجھتا کہ ایک دن عمر کی مدت میں سے کم ہو گیا- ۱۳۵۶ء میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور دس سال کی مدت میں تبت ، کاشغر ، بدخشاں اور کابل کو فتح کیا ، اسکے بعد ہندوستان پر فوج کشی کی - فیروز، سلطان دہلی سے مقابلہ ہوا - دریائے ستلج پر اس کو شکست دی ، اس کے بعد کشمیر واپس چلا آیا - ۱۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳۷۶ء میں انتقال کیا - ۱۵

۞

خسروانِ مشرق اندر انجمن
سطوتِ ایران و افغان و دکن

(ص ۶۴۲/۱۷۰)

اس شعر میں مشرق کے علی الترتیب تین حکمرانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- شاہ ،احمد شاہ ابدالی المعروف بہ احمد شاہ درانی اور ٹیپو سلطان -

''شاہ'':- قلی نام تھا - خراسان میں ۱۶۸۷ء میں پیدا ہوا - جوانی میں یہ ڈاکوؤں کا سردار تھا اور لوٹ مار کیا کرتا تھا - رفتہ رفتہ اس کی قوت بڑھتی گئی - ادھر ایران کی صفوی حکومت زوال کی طرف مائل اور ابدالی قبائل کے حملوں کا نشانہ بنی ہوئی تھی - ۱۷۳۰ء میں طہماسپ دوم نے اپنے دشمن کی سرکوبی کے لیے اس کی مدد چاہی - اس نے طہماسپ ،شاہِ ایران کو دشمن سے نجات دلائی اور قندھار تک افغانوں کا پیچھا کیا - اس اثنا میں شاہِ ایران نے شاہ کی مرضی کے خلاف ترکوں سے معاہدہ کر لیا - اس پر شاہ نے بادشاہ کو معزول کر دیا اور شیر خوار شہزادے کو ۱۶ اگست ۱۷۳۲ء کو عباس سوم کے لقب سے تخت نشین کیا اور انصرامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا ، اور ۱۷۳۶ء میں خود مختار ہو کر خود بادشاہ بن بیٹھا- بعض افغان سردار برصغیر پاک و ہند بھاگ آئے تھے ، شاہ نے محمد شاہ سے ان کا مطالبہ کیا- اس مطالبے پر کچھ توجہ نہ کی گئی- شاہ نے کابل کو ، جو مغلیہ

حکومت کا ایک صوبہ تھا، حملہ کر کے فتح کر لیا- پھر ۱۷۳۹ء میں سندھ کو پار کر کے لاہور پر قبضہ کرتا ہوا دہلی پہنچا، وہاں قتل عام کیا - دہلی کی بادشاہت اس حملے سے بہت کمزور ہو گئی - دور دراز کے صوبے خود مختار ہو گئے -دہلی سے ایران واپس ہونے کے بعد شاہ کے مزاج میں ظلم و تکبر بہت بڑھ گیا تھا - اس سے نادری دربار کے اراکین بد دل ہوئے اور اس کے خلاف سازش کر کے اسے ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کو قتل کر دیا - نادری حکومت تقریباً دس سال رہی- ۱۶

''احمد شاہ درانی'':۔ ہرات کے قرب و جوار میں فرقہ ابدال کا سردار زادہ تھا - شاہ نے بچپن میں اس کو قید کر لیا اور گرز برداری پر مامور کیا - بعد ازاں رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدے پر پہنچ گیا- ۱۰ مئی ۱۷۴۷ء کی رات کو شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ نے ایران کی فوج پر ازبکوں کی مدد سے حملہ کیا لیکن پسپا ہو گیا - پسپائی کے بعد احمد شاہ نے فوج کو چھوڑ دیا اور قندھار کی طرف بڑھ کر شہر پر قبضہ کر لیا، اور وہ خزانہ جو کابل اور سندھ سے فارس کی فوج کو جا رہا تھا، چھین لیا - ان ذرائع کی مدد سے اس نے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جو بہت جلد طاقتور ہو کر گرد و نواح کی سلطنتوں کے لیے ایک خطرہ بن گئی - احمد شاہ نے کابل اور قندھار کے علاوہ پشاور پر بھی قبضہ کر لیا اور اس فتح سے دلیر ہو کر اور مغلیہ سلطنت کی کمزوری دیکھ کر اس نے ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ کیا - ۱۷۴۸ء میں لاہور سے کوچ کیا اور شہزادہ احمد سے مقابلہ ہوا -شہزادے کے ہمراہ وزیر قمرالدین کے مارے جانے سے مغل فوج منتشر ہو گئی اور فریقین کا بہت نقصان ہوا - ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں کی طاقت ہندوستان کے تقریباً تمام صوبوں میں پھیل گئی تھی - نجیب الدولہ، شجاع الدولہ، بلکہ ہندو بھی متفق ہو گئے اور احمد شاہ کو دہلی پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور خود مدد کا وعدہ کیا - احمد شاہ اس دعوت پر بہت خوش ہوا اور دہلی کے قریب پہنچ کر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دی- یہ مشہور لڑائی ۶ جون ۱۷۶۱ء کو ہوئی - اس کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس ہوا - احمد شاہ درانی نے ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۷۳ء میں وفات پائی-۱۷

''ٹیپو سلطان'':- ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان ۱۷۵۰ء میں بمقام دیون ہلی پیدا ہوا- سلطان حیدر علی کو ارکاٹ کے مشہور درویش ٹیپو مستان سے بڑی عقیدت تھی - چونکہ سلطان حیدر علی کے کوئی اولاد نہ تھی اور یہ بیٹا درویش ہی کی دعا سے سلطان کے ہاں پیدا ہوا تھا، اس لیے سلطان حیدر علی نے درویش ہی کے نام پر اس کا نام ابوالفتح، فتح علی ٹیپو سلطان رکھا - ٹیپو کے معنی کنڑی زبان میں چیتے کے ہیں - ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں اپنے باپ کی جگہ میسور کا والی ہوا - وہ انگریزوں کا سخت دشمن تھا - اس نے انگریزوں سے کئی مرتبہ جنگ کی اور ان کو ملک سے نکالنے

کی انتہائی کوشش کرتا رہا لیکن بعض عناصر کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ناکام رہا - ٹیپو سلطان ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹم کے محاصرے میں شہید ہوا اور بمقام لال باغ اپنے باپ کے مقبرے میں دفن ہوا -

ٹیپو سلطان علوم وفنون کا بڑا قدر دان تھا - اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں قرآن کی تفسیریں ، سنسکرت کی کتابیں ، شاہانِ مغلیہ کی فتوحات کی تاریخ کے مسودے اور ہندوستان کے تاریخی وقائع موجود تھے - یہ سارا ذخیرہ بعد میں کلکتے کے کتب خانے میں منتقل کر دیا گیا -

ٹیپو سلطان کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ روادارانہ تھا - اس نے مندروں کے لیے بڑے بڑے عطیات دیے - [۱۸]

❁

درمیاں بنشستہ بر اورنگِ زر
خسروانِ جم حشم بہرام فر

(ص ۶۴۴/۱۷۲)

''بہرام'': - بہرام اوّل ساسانی خاندان کا چوتھا بادشاہ اور ہرمز کا بیٹا تھا - ۲۷۳ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا - رحم دل اور فیاض تھا - رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی - اس کے عہد کا مشہور واقعہ مصور 'مانی' کا قتل ہے جو فرقہ مانویہ کا بانی تھا - بہرام نے صرف تین سال تین مہینے حکومت کی - اس کے بعد اس کا بیٹا بہرام ثانی ۲۷۶ء میں تخت نشین ہوا - [۱۹]

❁

کارِ آں وارفتۂ ملک و نسب
ذکرِ شاپور است و تحقیرِ عرب

(ص ۶۴۵/۱۷۳)

''شاپور'': - شاپور اوّل ،خاندان ساسانیان کا بادشاہ ، اردشیر بابکاں کا بیٹا ، ۲۴۰ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا - اس نے ۲۴۰ء میں رومی سلطنت پر حملہ کیا اور کئی فتوحات حاصل کیں - ایرانی مورخین کے بیان کے مطابق شاپور نے ۳۰ سال حکومت کی - شاپور ایک اچھا سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ عقلمند اور فیاض حکمران بھی تھا - اس نے ۲۷۳ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ہرمز اوّل اس کا جانشین ہوا - [۲۰]

❁

با وطن پیوست و از خود در گذشت
دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت

(ص ۱۷۳/۶۴۵)

''رستم'':- ایران کا مشہور پہلوان تھا - اس کا نام فارسی ادب میں بکثرت آیا ہے - شاہنامۂ فردوسی اس کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے جس میں اس کو رستمِ داستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے- اس کو رستمِ زابلی بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ زابلستان کا حاکم بھی تھا - اس کے باپ کا نام زال بتایا جاتا ہے اور داماد کا نام نریمان رستم ، بہمن کے مقابلہ میں جو کیانی خاندان کا ساتواں بادشاہ تھا ،لڑا اور مارا گیا -۲۱

بایزید و شبلی و بوذر ازوست
امتاں را طغرل و سنجر ازوست

(ص ۱۸۹/۶۶۱)

'' طغرل'': -طغرل بیگ ، میکائیل بن سلجوق کا بیٹا تھا اور خاندانِ سلجوق کا پہلا بادشاہ - اس نے ۱۰۳۸ء میں سلطان مسعود اوّل بن سلطان محمود کو شکست دی اور اور نیشاپور کا بادشاہ بن گیا - اس نے عراق اور بغداد کو فتح کیا اور تسخیرِ بغداد کے بعد خلیفہ قائم باللہ کو بھی شکست دی جس نے طغرل کو خراساں کا بادشاہ بنا دیا -سلجوق خاندان تین شاخوں میں تقسیم ہو گیا تھا جو ہمدان ، کرمان اور روم (بلاد ترکی) میں آباد تھا - طغرل بیگ نے ۲۶ سال حکومت کی اور ستر سال کی عمر میں ۱۰۶۳ء میں انتقال کیا - الپ ارسلان، اس کا بھتیجا جانشین ہوا -

طغرل بیگ کے کمالات اور اوصافِ جہاں بانی خود اس کی زندگی سے ظاہر ہیں- اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اس کو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر عظیم الشان سلجوقی سلطنت قائم کی -

طغرل ایک راسخ العقیدہ اور دیندار مسلمان اور پاکباز متقی فرماں روا تھا -مسجدوں کی تعمیر سے شغف تھا - کہا کرتا کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو- ۲۲

''سنجر'':- سلطان سنجر ، ملک شاہ سلجوقی کا تیسرا بیٹا تھا -۱۰۹۲ء میں خراسان پر قابض ہوا- بعد ازاں فارس کا بادشاہ تسلیم کیا گیا- اس نے غزنوی خاندان کے بادشاہ بہرام شاہ کو خراج گذار بنایا - علاء الدین ، بادشاہ غور نے بہرام شاہ کو شکست دی اور غزنی لے لیا - بعد میں علاء الدین

بھی سنجر کا مطیع ہوا - ۱۱۵۷ء میں سلطان سنجر کا انتقال ہوا- اس کو مرو میں دفن کیا گیا - اس کے بعد خراسان میں سلجوقی خاندان کا خاتمہ ہو گیا -

سلطان سنجر، سلجوقی خاندان کی عظمت و ناموس کا محافظ تھا اور تمام خاندان اس کو اپنا سرپرست اور مربیّ مانتا تھا - اس کی حکومت خراسان ، غزنہ ، خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی اور ایران ، آرمینیہ ، آذربائیجان ، موصل ، دیار ربیعہ ، دیار بکراور حرمین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور ''سلطانِ اعظم'' کے لقب سے مشہور تھا - سلطان سنجر کی شان و شوکت اور عظمت و سطوت اس کے عہد میں ضرب المثل تھی -۲۳

۞

سّرے از اسرارِ دیں بر گویمت
داستانے از مظفر گویمت

(ص ۲۰۰/۶۷۲)

''مظفر بیگڑہ'':- سلطان مظفر شاہانِ گجرات کے سلسلے کا مشہور حکمران ہے -ان حکمرانوں کا دورِ حکومت ۷۹۹ ھ (۱۳۹۶ء) تا ۹۸۰ ھ (۱۵۷۳ء) ہے - مظفر اوّل کو طبقات سلاطینِ اسلام کا پہلا بادشاہ کہا جاتا ہے اور مظفر ثالث کو آخری - مظفر اوّل دراصل لقب ہے ظفر خاں کا - یہ راجپوت خاندان کا فرد تھا - ۷۹۴ھ (۱۳۹۱ء) میں مظفر خاں کو گجرات کا والی مقرر کیا گیا - ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) سے اس نے خود مختاری کا اعلان کرنا شروع کر دیا -محمود شاہ اوّل نے جو بیگڑہ بھی کہلاتا ہے جونا گڑھ ، کاٹھیاواڑ اور چپانیر کو بھی گجرات کا حصہ بنا لیا - سلطان مظفر اسی محمود شاہ اوّل کا فرزند تھا۔ ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) تا ۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء) - سلطان مظفر ایک راسخ العقیدہ اور دین دار حکمران تھا -۲۴

۞

حوالہ کتب

۱- مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۳۹۹ - ۴۳۰ -

+ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۳، ص ۱۳۲ - ۲۷۴

+ Herodotus - Vol. 1 Book I pp.237-352

+ Xenophon - The Persian Expedition, Book I pp. 17-59

+ The Historians' History of the World, Vol II, pp 587 - 600

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۹۳۹ - ۹۴۰

+ جیوئش انسائیکلوپیڈیا، ج ۴، ص ۴۰۲ - ۴۰۵

۲- مولانا محمد نذیر عرشی - مفتاح العلوم، ج ۱، ص ۲۳۴ - ۲۳۵

۳- پروفیسر آرتھر کرسٹن سین - مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیان، ص ۳۲ - ۴۳

+ Professor Grundy, Universal History of the World Vol.II p.1130

۴- James Hastings, Dictionary of the Bible pp.729-730

۵- شیخ عبداللہ بستانی، البستان، ج ۲ ص ۱۵۳۵، بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

+ امین بغدادی، سبائک الذہب، ص ۱۹

۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۸۲۷ - ۸۳۷، ج ۱۹، ص ۱۲۱ ج ۸، ص ۵۸ - ۶۱

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸، ص ۹۶ - ۱۰۰ الف طبع ۱۹۵۰ء

۸- ایضاً، ج ۱۲، ص ۵۸۷ - ۵۹۱

۹- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۲، ص ۳۴ -

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۴۱۴ - ۴۱۸

۱۰- David Howarth, The Desert King, A Life of Ibn Saud, pp.230, Beirut.

۱۱- The Cambridge History of India, Vol V.P.174

۱۲- محمود خاں محمود بنگلوری - تاریخ سلطنت خداداد (میسور)، ص ۳۸۰ - ۳۸۲

۱۳- S. M. Latif, Lahore; its history, architectural remains and antiquities, Lahore, 1892.pp 135-136

۱۴- مآثر الامرا، ج ۲، ص ۵۱۴ - ۵۱۷

+ Thomas William Beale, An Oriental Biographical Dictionary p.14.

۱۵ - تاریخ فرشتہ ، ج ۲ ، ص ۳۳۹ مطبوعہ نول کشور - طبقات اکبری ، ج ۳ ، ص ۴۲۸ - ۴۲۹

۱۶- Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol.II, pp. 247-274

۱۷- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۱ ، ص ۴۳۲

+ Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol.II, pp. 275-276

۱۸ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ، ج ۲۲ ، ص ۲۴۰ -

+ محمود خاں محمود بنگلوری ، تاریخ سلطنت خداداد (میسور)

+ L. B. Bowring-- Haider Ali and Tipu Sultan.

۱۹- Sir Percy Sykes -- A History of Persia, vol.1. pp.405-407

۲۰- Sir Percy Sykes -- A History of Persia, vol.1. pp.412-426

۲۱- Ibid. pp. 136-137 and 495 - 496

۲۲ - عماد الدین اصفہانی ، دولت آلِ سلجوق ، ص ۶۲ -

+ شاہ معین الدین احمد ندوی ، تاریخِ اسلام حصہ چہارم ، ص ۹۵

۲۳- عماد الدین اصفہانی ، دولت آلِ سلجوقی ، ص ۱۱۰ -

+ ابن خلکان ، ج ۱ ، ص ۲۱۷-

+ شاہ معین الدین احمد ندوی ، تاریخ اسلام، حصہ چہارم ، ص ۱۷۳

+ Ameer Ali --Short History of the Saracens, p. 384

۲۴- Beale, An Oriental Biographical Dictionary p.286., Sind Sagar Academy, Lahore.

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال ، اردو ، لاہور ، ۱۹۹۰ء)

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

(ص ۲۷/ ۳۵۱)

''پرویز'':-خسرو دوم پرویز ، ہرمزد بادشاہِ ایران کا فرزند تھا - ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا- روما کے بادشاہوں سے اس کی جنگ رہی - درا ، اڈیسا وغیرہ کو اس نے فتح کیا - شام ،فلسطین اور بیت المقدس پر بھی قبضہ کیا - ۳۸ سال تک حکومت کی - اس کے پیش روؤں کو ایسی کامیابی کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی - پرویز کے عہد کے اختتام کے قریب ہرقلس بادشاہِ روم نے ایران پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی - اس کے تمام شاندار محلات برباد کر دیے اور خزانہ لوٹ لیا- اس واقعہ سے خسرو پرویز کی رعایا میں اس کی طرف سے بد دلی پیدا ہوگئی - ان کا خیال تھا کہ اس تباہی و بربادی کا سبب پرویز ہی ہے- رعایا نے اس کے خلاف سازش کی جس میں اس کا بیٹا شیرویہ بھی شریک تھا -خسرو پرویز کا انتقال ۸۲۶ء میں ہوا -

خسرو دوم کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت حرص اور زر پرستی تھی - اپنی ۳۸ سال کی حکومت میں اس نے ہر ممکن طریقے سے بے اندازہ دولت جمع کی اور اسے رفاہ کے کاموں سے بچا کر اپنے خزانوں میں بھرا - اس کی حکومت کے تیسویں سال میں اس کے خزانے کی مقدار ایک ارب ساٹھ کروڑ مثقال تک پہنچ گئی جو ایک ارب تیس کروڑ فرانک کے برابر ہوتی ہے - لڑائیوں کا مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا - فردوسی نے خسرو کی دولت کا حال شاعرانہ تفصیل کے ساتھ الگ الگ بیان کیا ہے اور اس کے سات خزانوں کی ایک فہرست بھی دی ہے- [1]

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

(ص ۴۱۱/۸۷)

''جمشید'':- حضرت عیسیٰ سے ۸۰۰ سال پہلے خاندان پیش دادیان سے فارس کا بادشاہ تھا - اس کا جامِ جمشید، جسے جام جم بھی کہتے ہیں، اورتختِ جمشید بہت مشہور ہیں - جامِ جمشید کا شمار دنیا کے عجائبات میں تھا - کہا جاتا ہے کہ شراب جمشید ہی نے ایجاد کی تھی- مختلف علوم وفنون کی ایجاد کا سہرا جو آگے چل کر تہذیب وتمدن کا جزو بنے ، جمشید ہی کے سر ہے-ضحاک نے اس کو قتل کیا -۲

❁

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

(ص ۴۱۲/۸۸)

''نوشیرواں'':- نوشیروان عادل ، فارس کے بادشاہ کیقباد کا فرزند تھا - ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا- روم کے بادشاہ کوشکست دی ، بغداد کو دارالسلطنت بنایا -نہایت منصف اور عدل پسند بادشاہ تھا - اس کا انصاف اب تک ضرب المثل ہے - طویل مدت حکومت کرنے کے بعد ۵۷۹ء میں فوت ہوا - اس کے بعد اس کا بیٹا ہرمز جانشین ہوا -۳

❁

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

(ص ۴۱۲/۸۸)

''بوالحسن'':۔ بوالحسن یا ابوالحسن حضرت علیؓ کی کنیت ہے۔ اقبال کے شعر یہ نکتہ الخ میں آپ ہی کی ذات مراد ہے۔حضرت علیؓ کا ایک قول نہج البلاغہ میں منقول ہے :

انه یموت من مات مناولیس بمیت۔[۴]

(جو مر جاتا ہے وہ انسانوں کے نزدیک مر جاتا ہے لیکن اس کی روح نہیں مرتی)۔

❁

احکام ترے حق ہیں مگر ، اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

(ص ۳۳/۳۵۷)

''پاژند'':۔متن اوستا کی پہلوی ''تشریح'' ژند کہلاتی ہے۔اسی طرح پہلوی ژند کی ''تشریح مکرر'' پاژند کہلاتی ہے۔تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے ، وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم ہے اور اس کے الفاظ ہزوارش کی بجائے مناسب فارسی الفاظ ہیں۔ اس نقل وتفسیر کے لیے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے ہیں تو نتیجہ پاژند کہلاتا ہے اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کیے جاتے ہیں تو پارسی کہلاتا ہے۔ پہلوی کی نقل خواہ پاژند ہوخواہ فارسی ، دونوں سے جدید یا بعد الاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما شکل پیدا ہو جائے گی اور آرامی عنصر بالکل معدوم۔ متعدد کتابیں مثلاً مینوئے خرد (روحِ فراست) اس وقت ایسی موجود ہیں جن کے پہلوی اور پاژند دونوں قبیل کے نسخے ملتے ہیں۔لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ہیں ، وہ اصل تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ہیں) نقل ہیں اس لیے کہ تشریح مکرر کی ضرورت تب ہی محسوس ہوئی جب مدتوں متروک رہنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے اور کاتبانِ پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ہونے لگے۔ [۵]

❁

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو!

(ص ۷۵/۳۹۹)

''غوری'':۔ مراد سلطان شہاب الدین غوری ہے۔

سلطان غوری کا نام معزالدین محمد سام تھا۔ غوری ۱۱۷۴ء میں غزنی کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو شکست دے کر قید کر لیا اور خراسان اور برصغیر

کے بڑے حصہ کو فتح کیا۔ اجمیر اور قنوج کے ہندو راجاؤں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی اور ۱۱۹۴ء میں برصغیر میں اسلامی حکومت قائم کی۔غوری نے غزنی، غور اور برصغیر پر تین سال حکومت کی۔ ۱۴ مارچ ۱۲۰۶ء کو قوم گکھڑ نے، جب وہ غزنی واپس جا رہا تھا، راستے میں قتل کر دیا۔[۶] غوری کا مزار جہلم کے پاس بتایا جاتا ہے۔

❁

دیکھ چکا المنی ، شورشِ اصلاحِ دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں

(ص ۴۲۶/۱۰۲)

''اصلاحِ دیں'':۔ مراد سولھویں صدی کا مذہبی انقلاب یعنی ریفارمیشن (Reformation) جس نے مغرب کی عیسائیت کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ اس انقلاب کے اسباب مختلف تھے مثلاً اخلاقی ، اقتصادی ، سیاسی اور عقائد سے متعلق۔ ان میں اخلاقی وجوہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ جرمنی میں مارٹن لوتھر نے اس تحریک میں سب سے نمایاں حصہ لیا۔ اس نے کہا کہ گرجا ، پادریوں کی مداخلت سے الگ ہونا چاہیے ، اور یہ بھی کہا کہ عبادت خانوں کے معائنے ، متبرک دن اور زیارت کے ایام کا تعین اور پادریوں کی شادی کا انتظام بھی ہوتا کہ وہ کسی برے فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ یہ تحریک تقریباً تمام یورپی ممالک میں پھیلی۔ جرمنی اس تحریک سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ جرمنی کے علاوہ جن ممالک میں اس تحریک کو فروغ حاصل ہوا ، ان میں برطانیہ عظمیٰ ، سوئٹزرلینڈ ، فرانس ، نیدرلینڈ ، ڈنمارک ، اٹلی ، اسپین ، آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ شامل ہیں۔ گو لوتھر کو اس تحریک کی بنا پر کلیسا سے خارج کر دیا گیا لیکن اس نے نصف عیسائی دنیا کو کلیسا کی غلامی سے نجات دلا دی۔[۷]

❁

چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

(ص ۴۲۶/۱۰۲)

''انقلاب'':۔ مراد انقلابِ فرانس (French Revolution) ہے۔

انقلابِ فرانس ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء کو رونما ہوا۔ اس انقلاب کے بعد فرانس میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر سال اہلِ فرانس ۱۴ جولائی کا دن اپنی قومی آزادی کا دن خیال کرتے

اور بڑی شان و شوکت سے مناتے ہیں - یہ انقلاب نہ صرف فرانس کے لیے بلکہ تمام یورپ کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے - اس انقلاب نے یورپی اقوام میں جمہوریت ، قومیت اور اجتماعیت کی روح پھونک دی - اس انقلاب کے بعد فرانس ملوکیت کی لعنت سے پاک ہو گیا - انقلاب کو کامیاب بنانے میں فرانس کے اہلِ قلم کا بڑا ہاتھ تھا - جن مصنفین نے انقلاب کے لیے ذہنوں کو تیار کیا ، ان میں روسو ، کا نام سرفہرست نظر آتا ہے -۸

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

(ص ۱۰۴/۴۲۸)

''معتمد'' - ہشام کی معزولی کے بعد اندلس کی وسیع سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھی ؛ چنانچہ بنی عباد نے اشبیلیہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی - المعتمد باللہ ۴۶۱ھ (۱۰۶۸ء) میں تخت نشین ہوا - معتمد بلاشبہ بڑا بہادر بادشاہ تھا ، لیکن اس زمانے میں مسلمان حکمران آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتے تھے اور عیسائی بادشاہوں سے امداد کے طالب ہوتے تھے ؛ چنانچہ معتمد نے بھی ایک عیسائی سردار 'الفانسو' نامی سے دوستی کی اور اسے خراج دینا منظور کیا- ۴۷۵ھ (۱۰۸۲ء) میں معتمد نے الفانسو کے سفیر کو ، جو خراج لینے آیا تھا ، قتل کرا دیا- اس بات پر ناراض ہو کر الفانسو نے اشبیلیہ پر حملہ کر دیا - معتمد کی فوجی طاقت الفانسو کے مقابلے میں کم تھی ، اس لیے معتمد نے یوسف بن تاشفین سے کمک طلب کی ؛ چنانچہ یوسف نے معتمد کی امداد کی اور الفانسو کو شکست دے کر واپس چلا گیا - ساتھ ہی یوسف نے معتمد کی کمزوری کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا - دوسرے سال یوسف نے معتمد پر حملہ کیا اور اس کو قید کر کے افریقہ لے گیا اور اشبیلیہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا - یوسف نے قید خانے میں معتمد کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا ، لیکن جب ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں معتمد کا بیٹا جو اس کے ساتھ قید تھا ، قید خانے سے فرار ہو گیا اور یوسف کے دشمنوں میں مل گیا جو اس کو معزول کرنا چاہتے تھے تو یوسف نے برانگیختہ ہو کر معتمد کو سر سے پاؤں تک فولادی زنجیروں میں جکڑ دیا- معتمد سے یہ تکلیف برداشت نہ ہو سکی اور رنج و غم کی حالت میں اس کی زبان سے چند اشعار نکلے - معتمد عربی زبان کا صاحبِ دیوان شاعر تھا -۹

عبدالرحمٰن اوّل کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں

(ص ۱۰۵/۴۲۹)

''عبدالرحمٰن اوّل'':- عبدالرحمٰن اوّل خاندان بنی امیہ کے خلیفہ ہشام کا پوتا تھا- عباسیوں کے ہاتھوں تنگ آ کر ہسپانیہ چلا گیا تھا - اہلِ یمن ، جو حکمران خاندان کے مظالم کا شکار تھے ، اس کے گرد جمع ہو گئے - اس نے حاکمِ ہسپانیہ کو ، جو برائے نام خلفائے عباسیہ کا ماتحت تھا ، زیر کیا اور خود خلیفہ بن گیا اور خلفائے عباسیہ کی ماتحتی سے قطع تعلق کر کے ، خود مختار بادشاہ بن کر ، شاہِ قرطبہ کا لقب اختیار کیا - ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۴ھ (۷۹۰ء) میں انتقال کیا - عبدالرحمٰن اول ہی سلطنتِ اندلس کا بانی ہے - ۱۰

❁

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

(ص ۱۱۷/۴۴۱)

''سلیم'':- سلطان بایزید دوم کا دوسرا بیٹا، سلطان سلیم اول ،دولت عثمانیہ کے نامور ترین سلاطین میں ہوا ہے - اس کی بہادری کے کارنامے تاریخ میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہیں - سلطان سلیم اپنے باپ کے بعد ۱۶ اپریل ۱۵۱۲ء کو تخت نشین ہوا اور آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۵۲۰ء کو وفات پائی - ۱۵۱۷ء میں سلیم کے عہدِ حکومت میں مصر فتح ہوا اور مصر کے بعد شام ، فلسطین اور حجاز بھی اس کے زیرِ نگین آ گئے - فارس پر حملہ کیا ، آرمینیا کو ترکی کا ایک صوبہ بنایا - ہنگری کی فوج کو شکست دی - سلطان سلیم کو حجاز کی فتح کے بعد '' خادم الحرمین الشریفین'' کا لقب ملا - یہ پہلا عثمانی سلطان تھا جو اس لقب سے نوازا گیا - ۱۱

❁

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنّیدی و اردشیری

(ص ۱۲۲/۴۴۶)

''اردشیری'':- منسوب بہ اردشیر - اردشیر (Artaxeres or Ardashir) ساسانی خاندان کا بانی تھا - اس کے عہدِ حکومت کے بارے میں بہت کم معلومات بہم پہنچی ہیں - یونانی اور رومی

مصنفین اردشیر کی پارتھین قوم پر فتح اور رومیوں سے اس کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں - اردشیر، بابک کا دوسرا بیٹا تھا - بابک اور اس کے بڑے بیٹے شاپور کی وفات کے بعد اردشیر تخت نشین ہوا - اس کی تخت نشینی کا سال تقریباً ۲۱۲ ء بتایا جاتا ہے - وہ ساسانی خاندان کا بڑا اولوالعزم بادشاہ تھا - اس کا انتقال ۲۴۱ ء میں ہوا - ۱۲ اقبال کے ہاں محض بادشاہ کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے -

۞

نپولین کے مزار پر

(ص ۱۵۵/۴۷۹)

''نپولین'' - نپولین بوناپارٹ (Napoleon Bonaparte) کا شمار دنیا کے مشہور ترین فاتحین میں ہے - وہ ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا - ۱۷۷۹ء میں پیرس کے فوجی اسکول میں داخل ہوا اور ۱۷۸۵ء کو سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے اس کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا - فوج میں اس نے غیر معمولی لیاقت کا ثبوت دیا ؛ چنانچہ جلد ہی اس کو جنرل کا عہدہ دے دیا گیا - ۱۸۰۵ء میں نپولین نے روس ،آسٹریا اور انگلستان کے خلاف نبرد آزمائی شروع کی - ۱۸ مئی ۱۸۰۴ء کو اس نے ''شہنشاہ'' کا لقب اختیار کیا - اس نے قلیل مدت میں یورپ کے بیشتر حصے کو فتح کر لیا لیکن روس پر حملہ اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا- بالآخر نپولین کو اپنے بیٹے کے حق میں ۱۱ اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت چھوڑنا پڑا - نپولین ، حکومت سے کنارہ کشی کرنے کے بعد ایلبا میں اقامت گزیں ہو گیا تھا ، لیکن دوسری مرتبہ پھر اس نے یکم مارچ ۱۸۱۵ء کو فرانس پر قبضہ کر لیا جس پر یورپ کے تقریباً تمام ممالک نے، جن میں انگلستان اور جرمنی پیش پیش تھے ، اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا - چنانچہ واٹرلو کے میدان میں اس کو شکستِ فاش ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے- انگریزوں نے اس کو ایک جزیرے میں نظر بند کر دیا اور اس قید و بند کی حالت میں اس نے ۵ مئی ۱۸۲۱ء کو انتقال کیا - ۱۳

۞

یکایک ہل گئی خاکِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور

(ص ۱۶۱/۴۸۵)

''تیمور'':- تیمور ۱۳۳۶ء میں شہر سبز میں پیدا ہوا - مختلف لڑائیوں میں حصہ لینے کے بعد ۱۳۶۹ء میں تخت نشیں ہوا - اس کے بعد تیس برس تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا- مغرب میں دریائے والگا کے کنارے تک ملک فتح کیا ، جنوب اور جنوب مغرب میں افغانستان ، ایران، بغداد ، کربلا ، کردستان تک فتح کیا - ۱۳۹۸ء میں برصغیر پاک و ہند پر حملہ کیا اور دہلی کو فتح کر کے بے شمار مال و دولت لے گیا - اس کے بعد ترکوں پر حملہ کر دیا اور دمشق اور حلب کو تسخیر کر کے سلطان بایزید کو گرفتار کر لیا - چین پر حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء کو انتقال کیا اور سمرقند میں دفن کیا گیا -۱۴

۞

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

(ص ۴۸۸/۱۶۴)

''جہانگیر'':- جہانگیر، مغل شہنشاہ دہلی ۱۶۰۵ء میں اپنے باپ اکبر کے بعد جانشین ہوا - اس کا نام سلیم تھا لیکن تخت نشینی کے بعد اس نے جہانگیر کا لقب اختیار کیا - ۹۹-۱۵۹۸ء میں جب اکبر دکن پر حملہ آور ہوا تو اس نے کئی بغاوتوں کو تقویت پہنچائی -۱۶۰۴ء میں باپ بیٹے میں مصالحت ہو گئی اور جہانگیر کو جنوبی اور مغربی ہند کا حاکم بنا دیا گیا اور آگرے میں ولی عہد کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دے دی گئی - ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو تخت نشیں ہونے کے بعد جہانگیر نے اس طرح ہر دلعزیزی حاصل کی کہ دفعتہً اپنے کٹر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا - لیکن اس کا یہ جوش ایمانی رفتہ رفتہ کم ہونے لگا اور وہ عیسائیوں اور ہندوؤں کو بے جا مراعات دینے لگا - اکتوبر ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے واپس آتے ہوئے اس نے انتقال کیا اور لاہور کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوا - اس کو فنونِ لطیفہ سے بڑا شغف تھا - فارسی کا بہترین انشا پرداز تھا - اس کی تزک اس کی شاہد ہے - اس کے دورِ حکومت میں نور جہاں کا بہت عمل دخل رہا - نور الدین محمد جہانگیر مذہب کے معاملے میں خاصا آزاد خیال تھا ، اس کی تصدیق اس کی خود نوشت تزک سے ہوتی ہے - وہ اپنی شراب نوشی کا ذکر بڑی بے باکی سے کرتا ہے - ۱۵

۞

حوالہ کتب

۱ - پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیان، ص ۵۹۸ - ۶۶۸

۲۔ Sir Percy Sykes, A History of Persia, vol. II. P. 139

۳ - پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیان، ص۴۸۴ اور۵۹۲

۴ - نہج البلاغہ، حصہ اول، ص ۱۸۵، مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ بمصر

۵ - پروفیسر ایڈورڈ براؤن، مترجم سید سجاد حسین - تاریخ ادبیات ایران، ص۱۴۴-۱۴۵

۶۔ Dr. Ishwari Prasad, Medieval India, pp 126-149.

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۹، ص۴۲ -۴۳

۸- ایضاً، ج ۹، ص۸۰۴ - ۸۰۵

۹۔ Reinhart Dozy, Spanish Islam, pp 637-736

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۷۷۹ - ۷۸۱

۱۰۔ Reinhart Dozy, Spanish Islam, pp 161- 229

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص۵۴ - ۵۵

۱۱ - ڈاکٹر محمد عزیر، دولت عثمانیہ، ج ۱، ص ۱۵۸ - ۱۸۴

۱۲ - پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، ایران بعہد ساسانیان، ص۱۰۶-۱۳۳

\+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲، ص ۳۰۷ - ۳۰۸

۱۳ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص۸۴ - ۹۶

۱۴ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۲، ص۳۳۲ - ۳۳۳، طبع ۱۹۴۶ء

۱۵۔ The Cambridge History of India, vol. iv,pp166-182, Cambridge University Press, 1937.

۱۶ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۲، ص ۸۶۷، طبع ۱۹۵۰

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

خوشا نصیب کہ خاکِ تو آرمید اینجا
کہ ایں زمیں زطلسمِ فرنگ آزاد است!

(ص ۷۳۵/۵۹)

اس شعر میں اشارہ شہنشاہ بابر کی طرف ہے۔

مشہور فاتح برصغیر پاک و ہند اور برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ یہ تیموری خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے باپ کا نام عمر شیخ تھا جو فرغانہ کا حاکم تھا۔ ۱۴۹۵ء میں بابر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ۱۵۲۱ء میں دلی کے سلطان ابراہیم لودھی سے وہاں کے امراء نے بدظن ہو کر بابر کو برصغیر پاک و ہند پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس نے فوراً اس طرف توجہ کی اور بارہ ہزار کی جمعیت سے ۲۱ اپریل ۱۵۰۶ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ شکست دی اور آگرے پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں بابر کا مقابلہ میواڑ کے رانا سانگا سے ہوا۔ ۱۰ مارچ ۱۵۲۷ء کو بابر نے بڑی مشکل سے رانا سانگا کو شکست دی اور تمام شمالی ہندوستان کا مالک بن گیا۔ باقی سال اس نے اپنی حکومت کے استحکام اور اپنے پایہ تخت آگرے کو آباد کرنے میں صرف کیے۔ بابر نے ۴۸ سال کی عمر میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال کیا۔ اس کی خودنوشت سوانح 'تزکِ بابری' بڑی اہم تصنیف ہے۔[1]

❁

تربتِ آں خسروِ روشن ضمیر
از ضمیرش ملّتے صورت پذیر

(ص ۷۴۴/۶۸)

''خسرو روشن ضمیر'' - احمد شاہ بابا سے مراد احمد شاہ ابدالی ہے۔ دیکھیے صفحہ ۲۰۸

❁

مثلِ فاتح آں امیرِ صف شکن
سکّۂ زد ہم باقلیمِ سخن

(ص ۶۸/۷۴۴)

''فاتح'':۔ اشارہ سلطان محمد فاتح ،قسطنطنیہ کی طرف ہے-

محمد ثانی، الملقب بہ سلطان محمد فاتح دولت عثمانیہ کا ساتواں فرمانروا ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک حکمران رہا - اس کا سال پیدائش رجب ۸۳۲ھ (اپریل ۱۴۲۹ء) ہے۔۱۴۴۴ء میں اپنے بھائی کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا - باقاعدہ تخت نشینی سے پہلے دو مرتبہ ادرنہ کا گورنر رہ چکا تھا - یوں تو اس کی تمام عمر فتوحات ہی میں صرف ہوئی لیکن اس کی اصل فتح قسطنطنیہ کی فتح ہے جو ۱۴۵۳ء میں واقع ہوئی - ۱۴۸۱ء میں اس کا انتقال ہوا - وہ علوم وفنون کا بڑا قدردان تھا - اس کے دربار سے متعدد ترکی شعرا کو وظیفے ملتے تھے-۲

❁

فاش گو باپورِ نادر فاش گوے
باطنِ خود را بہ ظاہر فاش گوے

(ص ۶۹/۷۴۵)

یہاں اشارہ محمد ظاہر شاہ سابق والی افغانستان کی طرف ہے-

محمد ظاہر شاہ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا - اپنے والد کے قتل کے بعد ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو تخت نشیں ہوا -

❁

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر
تختِ احمد شاہ را شانے دگر

(ص ۷۰/۷۴۶)

پہلے مصرع میں اشارہ محمد شاہ غازی کی طرف ہے اور دوسرے مصرع میں احمد شاہ سے احمد شاہ ابدالی مراد ہے-

محمد شاہ غازی ۱۰ اپریل ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوا - ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خاں کے تخت چھوڑنے کے بعد شاہ نے بچہ سقّہ کو شکست دی اور تخت نشین ہوا - ۱۹۳۳ء میں اس کو قتل کر دیا گیا - اس کے بعد اس کا بیٹا محمد ظاہر شاہ تخت نشین ہوا-۳

حوالہ کتب

۱۔ The Cambridge History of India, vol. iv,pp, 1-20

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲،ص ۸۳۷ – ۸۳۸

۲ – ڈاکٹر محمد عزیر، دولت عثمانیہ، ج ۱،ص ۱۰۳–۱۴۵

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳،ص ۶۵۸ – ۶۵۹

۳ – انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶،ص ۵۵ ،طبع ۱۹۵۰ء

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بتخانۂ بہزاد

(ص ۶۴۲/۱۴۲)

''بتخانۂ بہزاد'': - کمال الدین بہزاد، ایران کے مشہور ترین مصوروں میں شمار کیا جاتا ہے - یہ مختصر تصاویر بنانے میں بڑا کمال رکھتا تھا - اس نے تیمور نامہ اور بوستانِ سعدی میں تصاویر بنائی تھیں - شاہِ ایران، اسمٰعیل صفوی اس کا قدر دان تھا - بہزاد ۱۵۲۴ء میں زندہ تھا - بہزاد کے شاگردوں میں شیخ زادہ خراسانی اور مظفر علی کو شہرت نصیب ہوئی -[۱]

خود ابوالہول نے یہ نکتہ سکھایا مجھ کو
وہ ابوالہول کہ ہے صاحبِ اسرارِ قدیم

(ص ۶۵۶/۱۵۶)

''ابوالہول'': - مصر میں واقع، ابوالہول (Sphinx) ایک دیو ہیکل بت ہے جسے چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے - مصری دیومالا میں اس کی مختلف شکلیں بتائی گئی ہیں جن میں سے ایک سب سے زیادہ مشہور ہے اور جس کا حلیہ یہ ہے، جسم شیر کا اور چہرہ انسان کا - یہ شکل قوت اور ذہانت کا مظہر خیال کی جاتی ہے - عرب سیّاح اور مورخ عبداللطیف نے اہرامِ مصر اور ابوالہول کے بارے میں نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات باتیں فراہم کی ہیں، لیکن جدید تحقیقات نے عبداللطیف کے بیانات میں بہت کچھ ترمیم کر دی ہے - ابوالہول کا بت اہرام مصر سے ۱۸۰۰ فٹ کے فاصلہ پر واقع ہے - یہ بت تقریباً ۳۵۰۰ ق م میں بنایا گیا تھا -[۲]

حوالہ کتب

۱ - انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۷۱۷

۲ - انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ج ۲۵، ص ۴۰۳ - ۴۰۴، مطبوعہ ۱۹۴۷ء

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور،۱۹۹۰ء)

تو اے باد بیاباں از عرب خیز
ز نیلِ مصریاں موجے بر انگیز
بگو فاروق را پیغامِ فاروقؓ
کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز

(ص ۸۱۹/۶۷)

''فاروق'':- شاہ فاروق اول ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنے باپ کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہوا - حکومت کے انتظام کے لیے جتنی توجہ درکار تھی ، فاروق نے اتنی توجہ نہیں کی ، تعیش پسندانہ زندگی گذارنے کا خوگر تھا- نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اور عوام اس سے بیزار ہوئے اور انہوں نے بغاوت کی اور اس کو ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا ۔ مصر کو ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو ایک جمہوریہ قرار دے دیا گیا-شاہ فاروق نے ۱۶ مارچ ۱۹۶۵ء کو انتقال کیا-[۱]

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو میدانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگر گوں کرد تقدیرِ عمرؓ را

(ص ۸۳۰/۷۸)

''دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را'':- یہاں اشارہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی طرف کیا گیا ہے-

قریش کے سر برآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانی اسلامؐ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے ، اس لیے رسول کریمؐ نے خصوصیت کے ساتھ انہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی - لیکن یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام

کا سب سے بڑا دشمن سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا - تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلاتِ اسلام میں اختلاف ہے-

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر اربابِ سیر لکھتے ہیں ، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلامؐ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اکرمؐ کی طرف چلے- راستے میں اتفاقاً نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے - بولے محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں - انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں - فوراً لپکے اور بہن کے ہاں پہنچے - وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے - لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی - بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی ، بولیں کچھ نہیں - انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں ''مرتد'' ہو گئے ہو - یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کو بھی مارا یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا - بولیں ، عمر جو بن آئے کرو ، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا - ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خاص اثر کیا - بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا - ان کے جسم سے خون جاری تھا - دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی - فرمایا تم لوگ کچھ پڑھ رہے تھے ، مجھ کو بھی سناؤ - فاطمہ نے قرآن کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیے - اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی :

سبّح للّٰہ ما فی السّمٰوات والارض و ھوالعزیز الحکیم –۵۷/۱

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے ، خدا کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے-

ایک ایک لفظ پڑھ کر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے :

آمنوا باللّٰہ و رسولہ – ۵۷/۷

(تو) خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ -

تو بے اختیار پکار اٹھے اشھد ان لّاالٰہ الا اللّٰہ و اشھد انّ محمد رسول اللّٰہ -

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول کریمؐ ، ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا ، پناہ گزیں تھے- حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی - چونکہ شمشیر بکف تھے ، صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا ، آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا - حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول کریمؐ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے

فرمایا: ''کیوں عمر! کس ارادہ سے آئے ہو؟''۔ نبوت کی پرُ جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا- نہایت خضوع سے عرض کی کہ ''ایمان لانے کے لیے''۔ رسول کریمؐ اور صحابہؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں-

یہی روایت تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ دارقطنی ، حاکم ، ابو یعلیٰ اور بیہقی میں حضرت انس سے مروی ہے-۲

ہو مبارک اس شہنشاہِ نکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اسرارِ ملوکیت ہیں فاش

(کلیات اردو، ص ۲۱/۲۹۷)

''شہنشاہِ نکوفرجام'': اشارہ ایڈورڈ ہشتم کی طرف ہے-

ایڈورڈ ہشتم، جارج پنجم کا سب سے بڑا بیٹا ،۲۳ جون ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوا-تعلیم آکسفورڈ میں پائی- ۱۹۱۰ء میں اس کو پرنس آف ویلز بنایا گیا- شاہ ایڈورڈ ہشتم کی مختصر حکومت میں بڑے بڑے کام انجام پذیر ہوئے- حکومت سنبھالنے کے کچھ دن بعد سے یہ خبر امریکی پریس میں اڑنے لگی کہ شاہ برطانیہ مسز سمپسن سے شادی کرنا چاہتے ہیں-مسز سمپسن امریکہ کے عوامی طبقے سے تعلق رکھتی تھی- انگلستان کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا- ایڈورڈ نے محبت کو بادشاہت پر ترجیح دی اور تاج وتخت سے دستبردار ہو گیا- ۳ جون ۱۹۳۷ء کو اس نے اپنی محبوبہ سے شادی کی- یہ عورت (مسز سمپسن) اس سے قبل دو شوہروں کو طلاق دے چکی تھی، اسی لیے حکومت برطانیہ کو اعتراض تھا-لیکن شاہ کہتا تھا کہ جس عورت کو میں چاہتا ہوں، اس کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا- ایڈورڈ ہشتم نے عمر کا بڑا حصہ فرانس میں بسر کیا- بالآخر ۷۷ سال کی عمر پا کر ۲۸ مئی ۱۹۷۳ء کو پیرس میں انتقال کیا اور تجہیز وتکفین کی رسومات انگلستان میں ادا کی گئیں-۳

حوالہ کتب

۱۔ The International Who's Who, P.xiii

۲۔ معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، ص ۴۴ - ۵۳

۳ - انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸، ص ۱۲ - ۱۸، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

باقیاتِ اقبال

(طبع اوّل، ۱۹۵۲ء)

ہاں ، سلام اے مولدِ بوذاسف گوتم تجھے
اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے

(ص ۱۵۰)

''بوذاسف'':- بعض اہلِ علم کے نزدیک بوذاسف گوتم بدھ کا نام ہے- دوسروں کے خیال میں یہ مذہب صابی کا بانی تھا- لفظ بوذاسف 'بت' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے-۱

حوالہ کتاب

۱- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ، ج ۱،ص ۷۶۶-۷۷۰

باب ششم

سیاسی تلمیحات

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

آں فلارنساویٔ باطل پرست
سرمۂ او دیدۂ مردم شکست

(ص ۱۱۰/۱۲۶)

''فلارنساویٔ باطل پرست'' اشارہ میکیاولی کی طرف ہے۔

نکولو میکیاولی (Niccolo Machiavelii) مشہور اطالوی سیاستدان اور مصنف ۳ مئی ۱۴۶۹ء کو بمقام فلارنس پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کی بابت بہت کم معلوم ہے۔

میکیاولی نے ارسٹوفینز (Aristophanes) کے نمونہ پر ایک طربیہ نظم (Le Maschere) لکھی۔ اس نے ایک اور کتاب تاریخ فلارنس کے نام سے مرتب کی۔ وہ صاحبِ طرز ادیب تھا۔ اس کی تصانیف متعدد ہیں۔ ان میں سب سے مشہور کتاب (Il-Principe) کتاب الملوک ہے۔ اس میں میکیاولی نے چند بنیادی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس نے اخلاقیات کے مقابلے میں سیاسیات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اس کتاب میں میکیاولی نے اہل اطالیہ کی زبوں حالی کا صرف ایک حل تجویز کیا ہے، اور وہ یہ کہ اطالیہ متحد ہو اور اس میں کوئی طاقتور جابر پیدا ہو۔ میکیاولی نے فطرتِ انسانی کا مطالعہ

بڑی دقتِ نظر سے کیا تھا- وہ تمام اشیا کے قدرتی اسباب پر زیادہ غور وخوض کرتا تھا یا پھر ان اسباب کو وہ قسمت سے متعلق کر دیتا تھا- اس طرح اس نے ارسطو کے طریقِ فکر کو زندہ کیا- اس کے نزدیک صحت مند قومیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اپنے طور پر راست باز ہو- میکیا ولی کا عقیدہ تھا کہ مذہب سیاست سے الگ کوئی اور چیز ہے- وہ عوام کو قوم کی روح خیال کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ عوام سیاست دان کے ہاتھ میں کھلونا ہوں، ان کی تمام ضروریات سیاست دان کے قبضۂ قدرت میں ہوں اور سیاست دان بھی کوئی جابر ہو- میکیا ولی کا انتقال ۲۰ جون ۱۵۲۷ء کو ہوا-

میکیا ولی کی تعلیم کا خلاصہ اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مذہب اور اخلاق کو سیاست سے خارج کر دیا ہے، وطن کی پرستش کو انسانوں کی زندگی کا جزو قرار دیا، اور ارباب سیاست کو مذہب سے بے تعلق کر دیا-۱

اقبال، میکیا ولی کے اس عقیدہ سے سخت اختلاف کرتے ہیں کہ مذہب اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں- انہوں نے تو صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر سیاست کو مذہب سے الگ کر دیا جائے تو پھر وہ صرف غارتگری کا ایک آلہ بن کر رہ جاتی ہے-

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حوالہ کتاب

۱- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۵۷۵-۵۷۸

پیام مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور ۱۹۹۰ء)

خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدّہ اللہ

(ص ۱۱۰/۲۸۶)

''مصطفیٰ کمال پاشا'': مصطفیٰ کمال اتاترک ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ دمشق میں فوجی خدمات انجام دینے کے بعد اتاترک کو مقدونیہ بھیج دیا گیا۔ وہ انجمن اتحاد وترقی کے سرگرم کارکن رہے۔ ۱۹۱۱ء میں طرابلس پہنچ کر عربوں کی ایک باقاعدہ فوج تیار کی۔ ترکی کے پے در پے انقلابات کے بعد اتاترک نے ۱۹۲۰ء سے انگورہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ متعدد لڑائیوں میں بہ حیثیت سپہ سالار اعظم حصہ لیا اور خاصی کامیابی اور نیک نامی حاصل کی۔ اتاترک نے ۱۹۲۴ء میں خلافت کو ختم کیا اور سلطان عبدالحمید خاں کو جلاوطن کر دیا۔ سلطان کے بعد اتاترک کو ترکی جمہوریہ کا پہلا صدر تسلیم کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کے فوجی کارناموں میں قسطنطنیہ کو اتحادی فوجوں سے آزاد کرانا اور فتح سمرنا کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اتاترک کا انتقال استنبول میں ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوا۔[۱]

شروع شروع میں اقبال کو مصطفیٰ کمال سے بڑی عقیدت رہی لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، وہ مصطفیٰ کمال پاشا کی لادینیت اور مغربیت سے بیزار ہوتے گئے۔

۞

جمعیت الاقوام

(ص ۱۴۹/۳۲۵)

''جمعیت الاقوام'': جمعیت الاقوام (League of Nations) پہلی جنگ عظیم کے بعد معرض وجود میں آئی، اس غرض سے کہ دنیا کی تمام اقوام مل جل کر اپنے اختلافات بغیر جنگ کے طے کریں۔

کچھ عرصے بعد ہی جمعیت الاقوام کا اثر کم ہونے لگا کیونکہ اس میں جو طاقتور اقوام تھیں، وہ کمزور قوموں سے پوری طرح تعاون نہیں کرتی تھیں - نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں جمعیت الاقوام ختم ہو گئی - جمعیت الاقوام کا صدر مقام جنیوا تھا - اب اس کی جانشینی کا فرض تنظیم اقوام متحدہ (U.N.O) انجام دے رہی ہے-[۲]

۞

حوالہ کتب

۱-انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ج ۱۶، ص ۳۴۶-۳۴۷

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳،ص ۸۲۹-۸۴۴،طبع ۱۹۵۰ء

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو
جہاز پر سے تمھیں ہم سلام کرتے ہیں

(ص ۱۵۰/۱۶۶)

''مازنی'':-اشارہ اطالیہ کے مشہور محبِّ وطن گی سپ مازنی کی طرف ہے-

گی سپ مازنی (GiuseppeMazzini) جنیوا میں ۲۲ جون ۱۸۰۵ء کو پیدا ہوا-ابتدا ہی سے بڑا ہونہار تھا-۱۹ سال کی عمر میں وکالت شروع کر دی تھی-۱۸۲۱ء میں اس نے اپنے ہم وطنوں کا حال زار دیکھ کر یہ تہیہ کرلیا کہ اپنے عزیز ملک اطالیہ کو آزاد کرانا چاہیے-اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اسے ادبی مشاغل ترک کرنے پڑے- ۱۸۲۹ء میں اس نے ملک کی ایک سیاسی جماعت میں شرکت کی، گو اس جماعت کی پُرفریب چالوں کا یہ شکار ہوا اور اس کو قید برداشت کرنی پڑی-جوں ہی یہ قید سے رہا ہوا، اس نے اطالیہ کے نوجوانوں کی ایک جماعت بنائی جس کا واحد مقصد اپنے ملک کو آزاد کرانا تھا-اس نے ملک کی آزادی کی خاطر بڑے بڑے مصائب برداشت کیے- بالآخر اطالیہ آزاد کرانے میں کامیاب ہوا-۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو انتقال کیا-مازنی کا نام اطالیہ کی جنگِ آزادی کے سلسلہ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے -[۱]

۞

اسیری

(ص ۲۶۵/۲۸۱)

یہ نظم علامہ اقبال نے اس وقت سپرد قلم کی جب دسمبر ۱۹۱۹ء میں علی برادران (مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی) قید فرنگ سے آزاد ہو کر امرتسر پہنچے اور ان کی تشریف آوری کے موقع پر خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا-

دریوزۂ خلافت

(ص ۲۶۵/۲۸۱)

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی وجہ سے شکستِ فاش اٹھانی پڑی؛ چنانچہ انہوں نے غیر مشروط طور پر اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے- انگریزوں نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں سے جو وعدے کیے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ترکی کی سالمیت بہر طور برقرار رکھی جائے گی، اگرچہ عمل اس کے برعکس ہوا- ترکی کی اس تباہی پر تمام برصغیر پاک و ہند میں صفِ ماتم بچھ گئی- مسلمانوں نے تمام ملک میں احتجاجی جلسے کیے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا- ان جلسوں کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا اور یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۲۰ء میں انگلستان کو ایک وفد روانہ کیا جائے- چنانچہ وفد روانہ کیا گیا لیکن آٹھ ماہ بعد وفد ناکام واپس ہوا-۲

علامہ اقبال نے اپنی دور رس نگاہوں سے بھانپ لیا تھا کہ حکومت برطانیہ جو خود زوالِ خلافت کی سب سے زیادہ آرزومند ہے، وہ بھلا کب وفد کے مطالبات پر توجہ کرے گی، اس لیے انہوں نے یہ بلیغ نظم تحریر کی-

یہ آیۂ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر
گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

(ص ۳۰۶/۳۲۲)

۱۹۲۲ء میں گاندھی جی نے جیل سے ایک مضمون، اشاعت کی غرض سے، اپنے اخبار کے لیے تحریر کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور گیتا کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں کتابوں کی تعلیم یکساں ہے، اس لیے اسلام اور ہندو مذہب دونوں سچے ہیں- گویا گاندھی جی نے ''وحدتِ ادیانِ عالم'' کا سبق دہرا کر اسلام کی برتری پر ایک کاری ضرب لگائی- اس کے بعد ملک میں کئی اور حضرات نے اس قسم کی کتابیں لکھیں- اقبال نے اس کے مضر اثرات کو محسوس کیا اور یہ اشعار لکھے-

حوالہ کتب

۱- Chambers's Encyclopaedia' vol. vii pp 102-103

۲- سید طفیل احمد منگلوی علیگ- مسلمانوں کا روشن مستقبل، مطبوعہ نظامی پریس بدایون، بار سوم، ۱۹۴۰ء، ص ۴۷۵-۴۹۹

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

سیّد السادات مولانا جمال
زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال
(ص ۶۱/۵۳۳)

''جمال'':-اشارہ جمال الدین الحسینی کی طرف ہے-

مولانا سید جمال الدین افغانی شعبان ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۹ء) میں پیدا ہوئے- ان کے والد سید صفدر اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے- افغانی کے مولد کے بارے میں دو مختلف آراء ہیں- کچھ لوگ ان کو ایرانی نژاد مانتے ہیں، بعض کی رائے میں وہ افغنستان میں پیدا ہوئے تھے- انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی ابتری سے ان کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کے جمود و تعطل کو دور کرنے میں صرف کی اور اتحاد اسلام (Pan-Islamism) میں مسلمانوں کی فلاح کا راز پایا- ۱۸ برس کی عمر میں وہ برصغیر پاک و ہند آئے، پھر حج کو چلے گئے- ۱۸۵۸ء میں پھر افغانستان حکومت سے متعلق ہو گئے- ۱۸۶۹ء میں دوسری بار ہندوستان آئے، یہاں سے مصر گئے- ۱۸۷۰ء میں استنبول پہنچے- وہاں علی شاہ نے ان کا استقبال کیا اور ''انجمنِ دانش'' کا رکن بنایا- وہاں سے وہ مصر چلے گئے جہاں ریاض پاشا نے ان کا خیر مقدم کیا- وہاں انہوں نے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۷۹ء تک فلسفہ اور دینیات کا درس دیا- وہ جس ملک میں جاتے، وہاں کا حکمران طبقہ شروع میں ان کا خیر مقدم کرتا بعد میں مخالف ہو جاتا- علماء ان کے اجتہادی رجحانات سے خائف تھے- ان مخالفتوں کی بنا پر وہ کسی ایک ملک میں جم کر نہ بیٹھ سکے- انہوں نے انگلستان، فرانس، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ کی سیر کی تھی اور مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا تھا- پیرس سے انہوں نے اپنا رسالہ ''عروۃ الوثقیٰ'' جاری کیا- ان کے شاگردوں میں مفتی محمد عبدہ کو خاص مرتبہ حاصل ہے- ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو استنبول میں انتقال کیا- ۱۹۴۰ء میں ان کے جسدِ خاکی کو ترکی سے افغانستان منتقل کر دیا گیا-[1]

ترک سالار آں حلیمِ دردمند
فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند
(ص۶۱/۵۳۳)

''حلیم'':- مراد سعید حلیم پاشا سے ہے-

سعید، ترکی سیاستدان حلیم پاشا کا بیٹا اور محمد علی کا پوتا، موجودہ مصری حکومت کا بانی، قاہرہ میں پیدا ہوا- ترکی اور جنیوا میں تعلیم حاصل کی- چونکہ اسے نوجوان ترک تحریک سے ہمدردی تھی، اس لیے جلاوطن کیا گیا- بعدازاں اس نے پیرس کی 'Committee of Union and Progress' سے رابطہ پیدا کر لیا- ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد استنبول واپس ہوا اور سینیٹ کا رکن بنایا گیا- ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۸ء تک مختلف عہدوں پر مامور رہا- ۱۷ جون ۱۹۱۳ء کو وزیراعظم بنایا گیا- اپنے عہدِ وزارت میں سعید حلیم نے رفاہِ عام کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں- اس نے یونانیوں سے خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کی- سعید حلیم پاشا 'ترک- جرمن' اتحاد کا علمبردار تھا، بایں ہمہ ترکی کو پہلی جنگِ عظیم میں غیر جانبدار رکھنا چاہتا تھا- جنگِ عظیم میں ترکی کی شرکت کی بنا پر استعفیٰ دے دیا، استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا- بالآخر فروری ۱۹۱۷ء تک وزارت کا کام چلایا- ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو سعید حلیم پاشا کو انگریزوں نے مالٹا میں قید کیا- ۱۹۲۱ء میں اس کو رہا کیا گیا- بعدازاں ۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو روم میں قتل کر دیا گیا-[۲]

پہلوی آں وارثِ تختِ قباد
ناخنِ او عقدۂ ایراں کشاد
(ص۱۷۸/۶۵۰)

''پہلوی'':- اشارہ رضا شاہ پہلوی کی طرف ہے-

رضا خاں نام تھا- ۱۸۷۷ء میں ایک فوجی افسر کے ہاں پیدا ہوا- ۱۹۱۷ء میں تہران پہنچا- ۱۹۲۱ء میں چار ہزار فوج کے ساتھ تہران پر قبضہ کیا- بعدازاں ایران کی فوج کا سپہ سالارِ اعظم مقرر ہوا- ۱۹۱۳ء میں وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوا اور ۱۹۳۵ء میں ایران کا شہنشاہ تسلیم کیا گیا- اس طرح ایران کی شہنشاہیت پہلوی خاندان میں منتقل ہوئی- اگست ۱۹۴۱ء میں برطانیہ اور روس نے ایران میں فوجیں داخل کر دیں کہ کہیں ایران پر جرمنی کا قبضہ نہ ہو جائے؛ چنانچہ رضا خاں کو تخت چھوڑنا پڑا-

رضا کے بعد اس کا بیٹا محمد رضا پہلوی تخت نشین ہوا۔ رضا خان کا انتقال ۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہوا۔۳

❁

حوالہ کتب

۱۔ قاضی محمد عبد الغفار، آثارِ جمال الدین افغانی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند۔

+ رضا ہمدانی، حیاتِ جمال الدین افغانی، مطبوعہ لاہور۔

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ا ص ۱۰۰۸-۱۰۱۱

۲۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۹ ص ۸۱۸

+ E.F.Knight-The Awakening of Turkey pp 251-252

۳۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۹ ص ۳۳۹، طبع ۱۹۵۰ء

بالِ جبریل

(کلیّاتِ اقبال،اردو، لاہور،۱۹۹۰ء)

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد
(ص۲/۷/۳۹۶)

''رشی'':-رشی کا اشارہ مہاتما گاندھی کی طرف ہے-

موہن داس کرم چند گاندھی ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۹ءکو کاٹھیاواڑ کے ایک مقام پور بندر میں پیدا ہوئے- ان کے دادا پور بندر کی ریاست کے دیوان تھے- گاندھی جی ۱۷سال کی عمر میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ولایت گئے اور وہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے راجکوٹ واپس آئے جہاں ان کے والدین رہتے تھے-۱۸۹۳ء میں ایک مقدمے کی پیروی میں ان کو جنوبی افریقہ جانا پڑا اور اس طرح ان کی افریقہ کی زندگی کا آغاز ہوا- افریقہ میں انہوں نے ہندوستانیوں کے حقوق کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور اپنے مقدور بھر ان کی خدمت کی- افریقہ سے واپسی پر انہوں نے ہند کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا- تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ خلافت، انڈین نیشنل کانگریس وغیرہ میں نمایاں کام کیا- گاندھی جی کی حکمتِ عملی کا بنیادی تصور عدمِ تشدد تھا- وہ ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ اپنی حکمتِ عملی سے کرتے تھے- انہوں نے ملک کی آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- گاندھی جی سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے متعدد بار گرفتار ہوئے- ان کی زندگی کا بڑا قیمتی وقت جیلوں میں گذرا- ملک کی تقسیم کے بعد ایک کٹر ہندو نے ان کو دہلی میں ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ءکو ہلاک کر دیا- مہاتما گاندھی بلاشبہ ہندو قوم کے مسلمہ لیڈر تھے- انہوں نے اپنی زندگی میں اچھوتوں کے لیے بھی بڑا کام کیا- وہ تمام عمر اچھوتوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے اور اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ انہوں نے ذات پات کی تفریق کو مٹانے کے لیے برت رکھا، مگر اس کے باوجود برہمنوں نے یہ تفریق بدستور قائم رکھی اور گاندھی جی کے برت کا کوئی اثر نہ ہوا-[۱]

مسولینی

(ص ۱۵۶/۴۸۰)

''مسولینی'':- بے نی ٹو مسولینی (Benito Mussolini) اطالیہ کے صوبے فارلی کے ایک قصبے میں ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا- مسولینی اطالیہ کا وزیر اعظم اور آمر مطلق تھا- اس نے اپنی تعلیم کا زمانہ بڑی دشواریوں کے ساتھ پورا کیا- اس نے کچھ عرصے اونتی (Avanti) نامی رسالے کی ادارت کی- اس رسالے کا مقصد صرف حکومت کی خرابیاں بیان کرنا تھا- پہلی جنگ عظیم میں مسولینی اتحادیوں کے ساتھ رہا- جنگ ختم ہونے پر اطالیہ میں اشتراکیت کی تحریک بڑے زوروں پر پھیل گئی- مسولینی نے سختی کے ساتھ اس تحریک کو ختم کیا اور ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جسے فاشزم (Fascism) کہتے ہیں- جس طرح اشتراکیت ایک عوامی تحریک تھی، اسی طرح فاشزم ایک غیر عوامی تحریک تھی- فاشزم کی تحریک مارچ ۱۹۱۹ء میں عالم وجود میں آئی اور اس تحریک کا مرکز ملان (Milan) تھا- مسولینی نے ملک کی حالت کو سدھارا اور آخر کار اہل اطالیہ کا سردار بن گیا- ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو وزیر اعظم مقرر ہوا- وزارت سنبھالتے ہی اس نے ملک کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بعد اصلاحات شروع کیں- اسی دوران ایک بڑی تعداد اس کی مخالف بن گئی- اس مخالفت کے باوجود مسولینی ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء تک وزارت کے عہدہ پر فائز رہا- بالآخر دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح نے اس کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا کیونکہ وہ محوری طاقتوں کے ساتھ تھا اور محوری طاقتیں شکست کھا چکی تھیں- ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی گرفتار ہوا اور دو روز بعد مع اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا-۲

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۰، ص ۱۵-

+ C.F. Andrews, Mahatma Gandhi's Ideas

+ Romain Rolland, Mahatma Gandhi.

۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۶، ص ۲۸-۳۱

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ابی سینیا

(ص ۱۵۷/ ۶۵۷)

جب ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء کو اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ اٹلی نے بلاوجہ ابی سینیا پر حملہ کر دیا ہے (جسے آج ایتھوپیا کہا جاتا ہے) تو علامہ اقبال کو بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے تاثرات قلبی کا اظہار اس نظم (ابی سینیا) کی صورت میں کیا۔

رختِ سفر

(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

گاندھی سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی
کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا

(ص ۱۳۷)

''مالوی'': -اشارہ پنڈت مدن موہن مالوی کی طرف ہے-
پنڈت مدن موہن مالوی نے برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں-انہیں گاندھی جی کی حکمت عملی سے اتفاق تھا- وہ آزادی عدم تشدد کے ذریعے حاصل کرنے کے قائل تھے- پنڈت مالوی ہندوستان کے ماہرینِ تعلیم میں شمار ہوتے تھے-ان کی تعلیمی خدمات بھی ہندو قوم کے لیے کسی سے کم نہیں- وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے- انتقال نومبر ۱۹۴۶ء میں کیا-

۞

لندن کے چرخِ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح

(ص ۱۴۶)

''محمد علی جناح'': - محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے - یہ کراچی کے خوجہ جماعت کے ایک متمول تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے-مشن ہائی اسکول کراچی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا- اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۸۹۲ء میں لندن پہنچے جہاں آپ نے لنکنز ان (Lincoln's Inn) سے چار سال کی مدت میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۹۶ء میں امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی- بیرسٹری کا ابتدائی زمانہ بڑی تنگ دستی میں بسر کیا لیکن اپنے بلند عزائم پر قائم رہے اور کبھی جدوجہد سے منہ نہ موڑا- بالآخر مقدمات میں کامیاب ہونے لگے-اسی طرح وہ دس سال تک ایک معمولی بیرسٹر

کی حیثیت سے کام کرتے رہے- کچھ عرصے بعد ان کا شمار ملک کے ممتاز بیرسٹروں میں ہونے لگا- ان کا سیاسی شعور اسی زمانے میں بیدار ہو چکا تھا، جب وہ لندن میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے تھے- شادی بمبئی کے ایک متمول گھرانے میں کی- بیگم جناح کے بعد ان کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نے امور خانہ داری کی ذمہ داری سنبھال لی- ان کی سیاسی زندگی ایک قوم پرست کی حیثیت سے شروع ہوئی- بعد ازاں ۱۹۱۳ء میں انہوں نے مولانا محمد علی مرحوم اور سید وزیر حسین کی استدعا پر مسلم لیگ میں شرکت قبول کر لی اور اس کے باقاعدہ ممبر بن گئے- مسلم لیگ کو زندگی آپ ہی کی شبانہ روز کوششوں سے حاصل ہوئی- دس سال مسلم لیگ کے صدر رہے- مسلم قوم نے ان کی خدمات کے پیش نظر ان کو قائد اعظم کہا- ۱۹۴۰ء میں لاہور کے ایک اجلاس میں مسلم لیگ نے پاکستان کی قرار داد منظور کی- کانگریس نے اس قرارداد کی مخالفت پوری شدومد کے ساتھ کی، آخر کار مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور ملک کی تقسیم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آئی اور پاکستان معرض وجود میں آیا- قائد اعظم محمد علی جناح اس ملک کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے- ابھی وہ گورنر جنرل ہی تھے کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور کراچی میں دفن ہوئے-۱

حوالہ کتاب

۱- صفیہ سلطانہ انور، قائد اعظم میری نظر میں-

باب ہفتم

اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق ومغرب کا ذکر

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم
دفترِ سر بستۂ اسرارِ علوم

(ص ۱۲/۲۸)

''پیرِ روم'':- آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا- والد کا نام بہاء الدین تھا جو سلطان العلماء کے نام سے مشہور تھے- آپ کا مولد بلخ تھا- ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ (۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء) آپ کی تاریخِ ولادت ہے- رومی نے ابتدا میں تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر دیگر اساتذہ کی طرف رجوع ہوئے- آپ نے حصولِ علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے- ۱۸ سال کی عمر میں تکمیل کا درجہ حاصل کیا- جب شمس تبریزی جو بابا کمال الدین کے خلیفہ تھے، اپنے پیر کے ایما سے قونیہ جا کر مولانا رومی سے ملے تو مولانا نے ان سے فیض حاصل کیا- اس سے پہلے مولانا پر علوم ظاہری کا رنگ غالب تھا، اس کے بعد ان اشغال میں کمی آ گئی اور شمس تبریز کی صحبت کے سوا کوئی شے ان کو بھلی نہ معلوم ہوتی تھی- اب محویت اور استغراق کا غلبہ ہو گیا- کئی کئی دن بلا خورد ونوش، سماع کی کیفیت میں گذر جاتے- بالآخر ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۷ ستمبر ۱۲۸۳ء) کو بمقام قونیہ انتقال کیا- رومی کا دیوان، خطوط کا مجموعہ اور مثنوی ان کی زندۂ جاوید تصانیف ہیں- مثنوی کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو ''ہست قرآں در زبان پہلوی'' کہا گیا ہے- مثنوی کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ملتے ہیں جو اس

کے قبولِ عام کا بین ثبوت ہیں - اقبال کو رومی سے والہانہ عقیدت تھی اس لیے وہ کہیں ان کو پیر رومی اور کسی جگہ مرشد رومی کہتے ہیں -[۱]

ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطّار کرد

(ص ۳۱/۱۸)

''عطّار'': -اصلی نام محمد، لقب فریدالدین اور عطار تخلص تھا جو دوا سازی کے پیشے کی نسبت سے اختیار کیا تھا - آپ بمقام شاد باغ جو نیشاپور کا ایک گاؤں ہے، ۵۱۳ھ (۱۱۱۹ء) میں پیدا ہوئے - آپ کا شمار اکابر صوفیہ میں ہے- معرفت اور تصوف میں بہت سی تصانیف ہیں- آپ نے طویل عمر پائی- نیشاپور کے قتل عام میں جو چنگیز خان کے حکم سے ہوا تھا، ۲۶ اپریل ۱۲۳۰ء کو شہید ہوئے - عطار کی چند مشہور مثنویوں کے نام یہ ہیں: پند نامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ اور منطق الطیر -ان کے علاوہ نثر میں تذکرۃ الاولیاء بھی عطار کی تصنیف ہے- عطار فارسی کے ممتاز شعرا میں سے ہیں- رومی جیسا شاعر و صوفی ان کے کمال شاعری کا معترف ہے؛ رومی کے صاحبزادے سلطان فرماتے ہیں

ما از پئے سنائی و عطار آمدیم -[۲]

کشتۂ اندازِ ملّا جامیم
نظم و نثرِ او علاج خامیم

(ص ۴۱/۲۵)

''جامی'': -نورالدین عبدالرحمٰن جامی، فارسی کے مشہور صوفی شاعر تھے- ولادت ۲۲ شعبان ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) کو ہرات کے قریب موضع جام میں واقع ہوئی -اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص جامی رکھا - جامی نہایت خوش خلق اور شریف الطبع انسان تھے-ان کی وسعت معلومات کا حال یہ تھا کہ اس زمانے میں کوئی دوسرا عالم ان کا مد مقابل نہ تھا - سلطان ابوسعید مرزا سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے جو اس کے مرتے دم تک قائم رہے- جامی کثیر التصانیف تھے- ان کو بیک وقت فارسی نظم ونثر پر بڑی قدرت تھی اور اس کے ساتھ وہ عربی کے ایک جید عالم تھے- جامی کی بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ہفت اورنگ (سات مثنویاں) اور کلیات قصائد وغزلیات ۔ان کے علاوہ نفحات الانس،

بہارستان ، لوائح جامی ، شواہد النبوۃ اور شرح ملا جامی مقبول عام ہیں - تاریخ وفات ۱۸ محرم ۸۹۱ ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے-۳

خسروِ شیریں زباں ، رنگیں بیاں
نغمہ ہائش از ضمیرِ کن فکاں

(ص۲۹/۴۵)

''خسرو'':- خواجہ ابوالحسن امیر خسرو برصغیر کے نہایت مشہور صوفی شاعر تھے- ان کا لقب طوطیٔ ہند تھا- انہوں نے بہت سے سلاطینِ دہلی کے ہاں ملازمت کی اور درباری شاعر رہے- ان کے والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ترک تھے جو بلخ سے برصغیر آئے تھے- امیر خسرو پٹیالی ضلع ایٹہ میں ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے- آٹھ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا- تربیت و تعلیم ان کے نانا عماد الملک نے کی- ۹ سال کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی- ان کے کلام میں ایک خاص قسم کا سوز و گداز پایا جاتا ہے- یہ سب کچھ ان کے پیر محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کی دعا کا اثر تھا- امیر خسرو کو اپنے پیر سے بڑی عقیدت تھی اور پیر بھی بدرجہ غایت ان سے محبت کرتے تھے- امیر خسرو کا انتقال ستمبر ۱۳۲۵ء میں ہوا اور محبوب الٰہی کے مزار کے قریب دہلی میں دفن ہوئے- ان کی بعض مشہور تصانیف یہ ہیں: غرۃ الکمال، ہشت بہشت، آئینہ سکندری، اعجاز خسروی، خزائن الفتوح، لیلیٰ مجنوں، مطلع الانوار، قران السعدین، نہ سپہر، شیریں خسرو اور تغلق نامہ- امیر خسرو کی بعض تصانیف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جا چکا ہے- وہ اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے اردو اور فارسی شاعری میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں-۴

''خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں''

(ص۵۳/۶۹)

یہ شعر رومی کا ہے-(دفتر اوّل، ص۵، مثنوی معنوی، رمضانی)

''در درونم سنگ و اندر سنگ نار
آب را بر نارِ من نبود گذار''

(ص۵۹/۷۵)

رومی کا اصل شعر یوں ہے:

سنگ و آہن در دروں دارند نار
آب را بر نارِ شاں نبود گذار

(دفتر اول، ص۱۸، رمضانی)

❁

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما
رخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما

(ص۶۸/۸۴)

یہ شعر خواجہ حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:
(ص۳۴، دیوانِ حافظ، مترجم قاضی سجّاد، مشتاق بک کارنر، لاہور)

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

❁

''ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
از درونِ من نجست اسرارِ من''

(ص۷۴/۹۰)

یہ شعر رومی کا ہے۔ (دفتر اوّل، ص۲، رمضانی)

❁

حوالہ کتب

۱- شبلی، سوانح مولوی روم۔

+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۱۲۱-۱۳۷

+ E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol ii pp 515-525

۲- شبلی، شعر العجم، ج ۲، ص ۸-۱۶

+ E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol ii pp 507-514

۳- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۳۲۰-۳۲۸

+ E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol iii pp 507-548

۴- شبلی، بیان خسرو۔

+ شبلی، شعر العجم، ج ۲، ص ۱۰۷-۱۹۵۔

+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۲۸۹-۲۹۲

+ Professor Muhammad Habib - Hazrat Amir Khusrou of Delhi.

رموزِ بےخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

(ص۷۹/۹۵)

یہ شعر سعدی کا ہے۔(شبلی نعمانی، شعر العجم، ص۴۹، حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء)

۞

باز خوانم قصۂ پارینہ ات
تازہ سازم داغہائے سینہ ات

(ص۸۱/۹۷)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے:

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہ گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

۞

''نکتہ ہا چوں تیغِ پولاد است تیز
گر نمی فہمی ز پیش ما گریز''

(ص۸۵/۱۰۱)

یہ شعر رومی کے ہاں اس طرح ہے:

نکتہ ہا چوں تیغِ فولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز

(دفتر اول، ص۱۶، رمضانی)

۞

امتش در حرزِ دیوارِ حرم
نعرہ زن مانندِ شیراں در اجم

(ص۹۷/۱۱۳)

یہ شعر قصیدہ بردہ کے مندرجہ ذیل شعر (۱۳۸) سے ماخوذ ہے:

احــلّ اُمّتـــه ، فـی حـرزِ مـلّتــه
کـالـلّیـث حلّ مع الاشبـال فی اجم

یعنی یہ کہ رسول کریمؐ نے اپنی قوم کو اپنے دین کے مضبوط قلعے میں اتارا جیسے شیر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر اپنی کچھار میں فروکش ہوتا ہے۔

❁

رونق از ما محفلِ ایام را
او رُسل را ختم و ما اقوام را

(ص ۹۸/۱۱۴)

یہ شعر قصیدہ بردہ کے اس شعر (۱۱۸) سے ماخوذ ہے:

لــمـــا دعـــا الـلّٰـــه داعیـنـــا لـطـــاعة
بـــا کـــرم الـــرســـل کـنّـــا اکـــرم الامـــم

مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو جو ہمیں اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں، سب رسولوں کا سردار کہہ کر پکارا تو ہم (قدرتی طور پر) سب قوموں کے سردار ہوئے۔

❁

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہٰ گردیدہ است

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

''بنائے لا الہٰ'' - اشارہ اس مشہور رباعی کی طرف ہے:

شاہ است حسین و پادشاہ است حسین
دین است حسین و دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسین

❁

پیشِ پیغمبرؐ چو کعب پاک زاد
ہدیہ ای آورد از بانت سعاد
در ثنایش گوہرِ شب تاب سفت
سیفِ مسلول از سیوف الہند گفت

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

''کعب'':- کعبؓ بن زہیر عرب کے مشہور شاعر، رسول اکرم ﷺ کو اپنے کلام سے بہت ایذا دیا کرتے تھے- فتح مکہ کے بعد مکے سے بھاگ کر طائف چلے گئے تھے- وہاں سے قصیدہ بانت سعادلکھ کر رسول کریمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی پچھلی غلطیوں کی معافی مانگی- آپؐ نے کعبؓ کو معاف کر دیا اور قصیدے کے صلے میں اپنی چادرِ مبارک عطا فرمائی- اس قصیدے میں کعبؓ بن زہیر نے رسولِ اکرم ﷺ کو برصغیر کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار سے تشبیہ دی- چونکہ رسول کریم ﷺ اپنی ذات کو کسی خاص ملک سے وابستہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپؐ ساری دنیا کے ہادی ہیں اس لیے آپؐ نے کعب سے ارشاد فرمایا کہ سیف من سیوف الہند کے بجائے ''سیف من سیوف اللہ'' کہو- قصیدہ بانت سعاد، حضور اکرمؐ کے روبرو اور صحابہؓ کی موجودگی میں پڑھا گیا تھا- یہ قصیدہ رسول کریمؐ کو بہت پسند آیا- اس قصیدے میں ۱۵۷ اشعار ہیں- اس کی مختلف زبانوں میں شرحیں بھی موجود ہیں- کعبؓ بن زہیر صاحبِ دیوان اور بڑے پُرگو شاعر تھے- ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں کعبؓ کی پُرگوئی کا ذکر کیا ہے- قصیدۂ بانت سعاد اس طرح شروع ہوتا ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول ۔[1]

(میری محبوبہ) سعاد مجھ سے جدا ہوگئی، اس لیے میرا دل آج ہر قسم کی خوشی سے محروم ہے- اس کی جدائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس غلام کے مانند ہوں جو ذلیل وخوار ہوا اور اس کا فدیہ کسی نے ادا نہ کیا ہو-[1]

❁

آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

(ص ۱۱۷/۱۳۳)

''عراقی'':- پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے- ہمدان کے نواح میں پیدا ہوئے- صغرسنی میں قرآن حفظ کیا- ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر فریفتہ تھے- ۱۷ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے

معقولات ومنقولات پڑھ کر فارغ ہوئے - ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا اور ان کے پاس برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے- شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا اور برصغیر پاک و ہند جانے کا حکم دیا - یہاں پہنچ کر وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیضِ صحبت سے روحانی اور باطنی دولت حاصل کی - وفات کے وقت عمر ۸۸ سال کی تھی - میخانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) درج ہے- عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے- مثنوی کا نام ''عشاق نامہ'' ہے- ان کا شمار فارسی کے مشہور شعرا میں ہے- ۲

حرف چوں طائر بہ پرواز آورد
نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد
(ص۱۳۶/۱۵۲)

غالب کا اصل شعر اس طرح ہے جو اس نے انگریزوں کی تعریف میں کہا ہے:

نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند
حرف چوں طائر بہ پرواز آورند۔ ۳

''نورِ حق را کس نجوید زاد و بود
خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود''
(ص۱۵۳/۱۶۹)

یہ شعر رومی کا ہے- (دفتر چہارم، ص۲۳۲، رمضانی)

اے بُصیری را ردا بخشندہَ
بربطِ سلما مرا بخشندہَ
(ص۱۵۷/۱۷۳)

''بصیریؒ'' - بصیری کا پورا نام شرف الدین ابوعبداللہ ابن سعید الصنہاجی المعروف بہ البوصیری ہے- بوصیر مصر میں ایک بستی ہے، وہاں پیدا ہوئے اسی لیے بوصیری یا بصیری کہلاتے ہیں- بعض ان کا وطن دلاص بتاتے ہیں اسی لیے ان کو دلاصی بھی کہا جاتا ہے- بصیری نے مرضِ فالج کی حالت میں ایک

قصیدہ الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے لکھا جو رسول کریمؐ کی مدح میں تھا- آنحضرتؐ بصیری کے پاس عالمِ رؤیا میں تشریف لائے اور ان کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا جس کی برکت سے بصیری نے فالج کے مرض سے شفا پائی، اور اسی لیے اس قصیدے کا نام بردہ پڑا کہ چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں- قصیدۂ بردہ ۱۶۲ اشعار پر مشتمل ہے- بصیریؒ نے کئی اور قصیدے بھی لکھے ہیں لیکن سب سے زیادہ شہرت قصیدہ بردہ ہی کو ملی اور اس قصیدے کی ۹۰ سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں- قصیدۂ مذکور کا پہلا شعر یہ ہے:

امــن تــذکــر جیــران بــذی ســلــم

مــزجــت دمــعــا جــری مــن مقـلة بـدم

کیا ذی سلم کے پڑوسیوں کی یاد میں تیرے گوشۂ چشم سے خون کے آنسو بہہ رہے ہیں؟

بصیریؒ کے حالاتِ زندگی بہت کم معلوم ہیں- صوفی ابو العباس احمد المصری کے درس میں بصیریؒ شریک ہوا کرتے تھے- علمِ حدیث میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی - بصیریؒ یکم شوال ۶۰۸ھ (۷ مارچ ۱۲۱۲ء) کو بمقام بوصیر پیدا ہوئے- ان کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف ہے- سیوطیؒ ۶۹۵ھ (۹۶/۱۲۹۵ء) بتاتے ہیں- مقریزی اور ابن شاکر ۶۹۶ھ- (۹۷-۱۲۹۶ء) کہتے ہیں- اور بعض کے نزدیک ۶۹۴ھ (۹۵-۱۲۹۴ء) ہے[۴]-

حوالہ کتب

۱- یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۱۵۶۲-

\+ انسائیکلوپیڈیا آف سلام، ج ۲، ص ۵۸۴

۲- شبلی- شعر العجم، ج ۵- ص ۱۲۸،

\+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن بزم صوفیہ ص ۱۵۳-۱۷۰

\+ E.G. Browne, A Literary History of Persia. vol iii, pp 124-139

۳- کلیاتِ غالب فارسی، مطبوعہ نول کشور لکھنو، ص ۱۱۰

۴- یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ ص ۶۰۴-۶۰۵-

\+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۸۰۴

\+ Philip K. Hitti, History of the Arabs, pp.689-690

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۸۳ء)

او چو بلبل در چمن ''فردوسِ گوش''
من بصحرا چوں جرس گرمِ خروش

(ص۲۲/۱۹۸)

''فردوسِ گوش'':- یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل شعر سے لی گئی ہے: (دیوان غالب اردو، ص۱۳۸، مطبوعات مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء)

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ ، وہ فردوسِ گوش ہے

تو اے کودک منش خود را ادب کن!
مسلماں زادہ ای، ترکِ نسب کن!
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر ، ترکِ عرب کن!

(ص۴۷/۲۲۳)

'' ترکِ نسب'' :- یہ ترکیب جامیؒ کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (دیوان کامل جامی، ص۲۵۷، چاپ خانہ پیروز، ۱۳۴۱ ادوش)

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کاندریں رہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

اسی مضمون کو کبیر نے یوں ادا کیا ہے:

جات پات پوچھے نا کوئے
ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

۞

عجم از نغمہ ام آتش بجان است
صدائے من درائے کاروان است
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی
کہ رہ خوابیدہ ومحمل گراں است

(ص۵۹/۲۳۵)

عرفی کا شعر یہ ہے: (کلیات عرفی شیرازی، ص۲۱۶، چاپ خانہ محمد علی علمی، تہران)

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

''عرفی'':- جمال الدین نام، عرفی تخلص، وطن شیراز- فارسی کا مشہور شاعر تھا- وہ وطن سے آگرے آیا، جہاں کئی سال تک حکیم ابوالفتح گیلانی کا مصاحب رہا- ۱۵۸۹ء میں عبدالرحیم خان خاناں نے اس کو شہنشاہ اکبر کے دربار میں پیش کیا- دو سال بعد ۱۵۹۱ء میں ۳۶ سال کی عمر پا کر لاہور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا- بعد ازاں اس کی ہڈیاں صابر اصفہانی نے نجف بھیج دیں کیونکہ عرفی وہیں دفن ہونا چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش اس کے ایک قصیدے کے ایک شعر سے ظاہر ہوتی ہے- اس کی چند تصانیف ہیں مگر قصائد اور دیوان بہت مشہور ہیں- عرفی کے ہاں خیالات میں بلندی اور طرزِ بیاں میں بڑا زور پایا جاتا ہے-[۱]

۞

باوراق سینا نشیمن گرفتم
بسے دیدم از نسخۂ فاریابی

(ص۸۴/۲۶۰)

''فاریابی'':- ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیرالدین فاریابی بلخ کے ایک قصبہ فاراب میں پیدا ہوا- وہ جوانی ہی سے شعر وادب اور تحصیل علم کا شائق تھا- اس نے علم نجوم میں بڑی مہارت پیدا کی- نیشاپور، مازندران اور آذربائیجان کی سیاحت کی- اپنے زمانے کے امرا وسلاطین کی مدح سرائی کیا کرتا تھا-

اس کے قصائد استادانہ ہیں لیکن وہ انوری اور خاقانی کے ہم پلہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعض قطعات خوب ہیں۔ وہ صاحب دیوان شاعر تھا۔ اس نے آخر عمر میں قصیدہ گوئی ترک کر دی تھی۔ اس کا انتقال تبریز میں ۵۰۸ھ (۱۲۰۱ء) میں ہوا۔۲

دراصل یہاں فاریابی کے بجائے فارابی کا ذکر ہونا چاہیے۔ اقبال غالباً ضرورتِ شعری کی بنا پر یہاں فاریابی کا لفظ لے آئے ہیں۔

❁

"یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم"

(ص۹۲/۲۶۸)

یہ اشعار سعدی کے ہیں۔(کلیات سعدی، ص۲۹۷، محمد علی فروغی، انتشارات امیر کبیر، تہران،۱۳۶۵)

❁

زندگی وعمل

(ص۱۰۴/۲۸۰)

(درجواب نظم ہائنہ موسوم بہ "سوالات")

"ہائنے":۔ گوئٹے اور شلر کے بعد جرمن ادبیات کی مشہور ترین شخصیت (Heinrich Heine) ہائن رش ہائنے ۱۳ دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے نپولین اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بڑی دلچسپی تھی۔ ۱۸۱۵ء میں اس کو فرینک فرٹ، بنکنگ کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا لیکن اس نے اسے فوراً ہی ترک کر دیا کیونکہ اسے تعلیم سے دلچسپی نہ تھی۔ بعدازاں اس نے تجارت شروع کی، اس میں بھی ناکام رہا۔ اسی اثنا میں اس کو اپنے مالدار چچا کی لڑکی سے عشق ہو گیا۔ اس لڑکی کے تغافل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہائنے شعری تخلیق کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ۱۸۱۹ء میں اس کے چچا نے اس کو بون یونیورسٹی میں تعلیم کے لیے بھیجا۔ وہاں اور اس کے بعد برلن اور گوٹنجن میں اس نے قانون کا مطالعہ کیا اور ۱۸۲۵ء میں

گوٹنجن سے قانون میں ڈاکٹریٹ حاصل کی - لیکن اس کی طبیعت شاعری کی طرف زیادہ مائل تھی - ہائنے کے بہت سے نغمے جرمن قوم کو بڑے عزیز ہیں - Das Buch der Lieder اور Reisebilder ہائنے کے شاہکار ہیں - اس کی تمام تصنیفات ہنگامی ہیں، لیکن ان دونظموں میں دوامی اقدار بھی پائی جاتی ہیں جنہیں مدت العمر بھلایا نہیں جا سکتا - اس کو نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی - گو وہ مذہب سے تمسخر کرتا تھا، تاہم اس کے دل میں بائبل کی بڑی قدر تھی - اس کے تعلقات پیرس کے چوٹی کے ادیبوں سے تھے - ۱۷ فروری ۱۸۵۶ء کو اس نے انتقال کیا - ۳

❀

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر
نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر

(ص ۱۱۰/۲۸۶)

''غنی'':- مرزا محمد طاہر نام، غنی تخلص تھا - اس کا وطن کشمیر تھا - فارسی ادب میں غنی کشمیری کے نام سے مشہور ہے - شیخ محسن فانی کے ارشد تلامذہ میں تھا - غنی کی شہرت اس کے دیوان سے ہے - ۱۶۶۸ء میں غنی کا انتقال ہوا - اس وقت اس کے استاد محسن فانی زندہ تھے - غنی انتقال کے وقت جوان تھا اور اس کی شاعری عروج پر تھی - کبھی کبھی طاہر بھی تخلص کرتا تھا -

غنی کے ہاں تکلف وتصنع کا رنگ نمایاں ہے - یہ ایک خاص طرز کا ترجمان تھا - اس کے اشعار سمجھنے کے لیے ذہن پر بڑا زور ڈالنا پڑتا ہے - غنی کی دوسری خصوصیت ''مثالیہ نگاری'' ہے - شبلی لکھتے ہیں:

''مثالیہ مضمون پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے لیکن کلیم، مرزا صائب اور غنی نے گویا اس کو ایک خاص فن بنا دیا - چونکہ یہ تینوں شاعر کشمیر میں مدت تک ہم قدم وہم قلم رہے تھے اور باہم مشاعرے رہتے تھے، اس لیے قیاس یہ ہے کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا - علی قلی سلیم بھی مثالیہ میں کمال رکھتا ہے اور اس کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہیں مدفون ہے - غنی کے ہاں مثالیہ میں سب سے زیادہ غلو ملتا ہے'' -

غنی اور صائب کی ملاقات ہوئی تو غنی نے اپنا حسب ذیل شعر پڑھا - صائب اس شعر پر دیوان قربان کرنے کو تیار تھا - ۴

حسنِ سبزے بہ خطِ سبز مرا کرد اسیر
دام ہم رنگِ زمیں بود گرفتار شدم

❀

بملکِ جم نہ دہم مصرعِ نظیری را
''کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست''

(ص۱۲۶/۳۰۲)

نظیری کا پورا شعر یوں ہے: (دیوان نظیری نیشاپوری، از مظاہر مصفا، ص۷۳، کتابخانہ ہائے امیر کبیروزوّار)

گریزد از صفِ ما، ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

''نظیری'':- محمد حسین نام، نظیری تخلص اور نیشاپور وطن تھا- فارسی کا مسلم الثبوت شاعر مانا جاتا ہے- اپنے وطن سے برصغیر پاک وہند چلا آیا تھا- عبدالرحیم خان خاناں اس کا مربی تھا- نظیری ۱۶۰۲ء میں حج کو گیا اور واپس آ کر پھر خانِ خاناں کی سرکار سے منسلک ہو کر احمد آباد میں رہنے لگا- وہیں ۱۶۱۳ء میں انتقال کیا- اس نے فارسی دیوان یادگار چھوڑا-

نظیری کا اصل میدان غزل ہے- اس کے کلام میں حافظ یا خسرو کا سوز وگداز اور جذبات کی فراوانی نہیں- اس کی توجہ لفظوں کے انتخاب اور ترکیبوں کی تراش خراش پر زیادہ رہتی تھی- نظیری اس طرز تغزل کا امام ہے- نازک خیالات اور واردات عشق کا لطیف بیان اس کی خصوصیات میں ہیں-۵

❁

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمّت مردانہ

(ص۱۳۰/۳۰۶)

یہ شعر مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

بزیرِ کنگرۂ کبریا اش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

❁

شعلۂ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومی کہ گفت ''منزلِ ما کبریا است''

(ص۱۳۳/۳۰۹)

''منزل ما کبریا است'' - یہ ٹکڑا مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے:

ما ز فلک بر تریم وز ملک افزوں تریم
زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریا است

۞

بیا بہ مجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

(ص ۱۳۶/۳۱۲)

مصرع ثانی حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند

(ص ۲۰۸، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

۞

''مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند''

(ص ۱۴۹/۳۲۵)

یہ شعر غالب کا ہے - (کلیات غالب فارسی، ص ۱۳۶، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء)

۞

خیالِ او چہ پریخانۂ بنا کرد است
شباب غش کند از جلوۂ لبِ بامش

(ص ۱۵۲/۳۲۸)

اس شعر میں انگریزی کے مشہور شاعر بائرن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے -

''بائرن'': - جارج گارڈن بائرن (George Gordon Byron) انگلستان کا مشہور شاعر ۲۲ جنوری ۱۷۸۸ء کو لندن میں پیدا ہوا - وہ ایک دولت مند خاندان کا فرد تھا - اس نے ہے رو اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی - بائرن نے کثرت سے اشعار لکھے اور متعدد کتابیں تصنیف کیں - انگریز نقادوں نے اس کو صف اول کا شاعر مانا ہے - اس کے ہاں زورِ بیان کی فراوانی ہے - بائرن کا انتقال

۱۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو ہوا- اس کی دو مشہور نظموں کے نام The Dream اور Darkness ہیں- اس نے اپنی ایک نظم سے تمام یورپ کو ترکی کے خلاف یونانیوں کی حمایت کے لیے جنگ پر آمادہ کر دیا تھا -[۶]

۞

بنوائے خود گم استی سخنِ تو ، مرقدِ تو
بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی

(ص ۳۳۰/۱۵۴)

اس شعر میں پٹوفی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

''پٹوفی'':-سینڈر پٹوفی (Sandor Petofi) ہنگری کا جواں مرگ شاعر یکم جنوری ۱۸۲۳ء کو پیدا ہوا- اس نے اپنی زندگی میں مختلف پیشے اختیار کیے- پہلے وہ ایکٹر بنا، اس کے بعد سپاہی اور سب سے آخر میں ادبی کام میں منہمک ہوا- ۱۸۴۴ء میں بحیثیت شاعر اس کی خاصی شہرت ہو چکی تھی- ۱۸۴۸ء میں پٹوفی نے انقلابی مہم میں حصہ لیا اور بڑی تعداد میں رزمیہ اشعار لکھے- پٹوفی سے قبل پند و نصیحت بہت تھی، اس نے ہنگری کی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا- ۳۱ جولائی ۱۸۴۹ء کو جنگ میں کام آیا-[۷]

۞

''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند''
ہماں نخل را شاخ و برگ و بر اند

(ص ۳۳۰/۱۵۴)

پہلا مصرع سعدی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۴۷)

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

۞

طائرِ عقلِ فلک پروازِ او دانی کہ چیست؟
''ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس''

(ص ۳۳۲/۱۵۶)

مصرع ثانی دہقاں علی شطرنجی کے قطعۂ ذیل سے لیا گیا ہے:

اے برادر گر عروسِ خوبت آبستن شدہ است
اندریں مدت کہ بودی غائب از نزدِ عروس
بر عروست بدگماں گشتن نباید بہر آنکہ
ما کیاں چوں نیک باشد خایہ گیرد بے خروس ۔۸

بے پشت بود بادۂ سرجوشِ زندگی
آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

(ص۱۵۹/۳۳۵)

اقبال نے اس شعر میں براؤننگ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''براؤننگ'':۔ رابرٹ براؤننگ (Robert Browning) انگلستان کا مشہور شاعر ۷ مئی ۱۸۱۲ء کو بمقام کیمبرویل پیدا ہوا۔ اس نے ۱۹ سال کی عمر میں ایک ڈرامائی نظم 'Pauline' لکھی جو ۱۸۳۳ء میں شائع ہوئی۔ براؤننگ نے ایک اور نظم 'Paracelsus' لکھی جس سے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کی مقبول عام دو نظموں کے نام یہ ہیں: The Pied Piper of Hamelin اور
How they Brought the Good News from Ghent to Aix

۱۸۵۰ء میں براؤننگ نے اپنے بہترین کارنامے پیش کئے جن کے نام یہ ہیں:

(1) Fra Lippo (2) Childe Roland (3) Andrea del Sarto

(4) Evelyn Hope (5) Holy Cross Day (6) Up at a Villa.

۱۸۶۹ء میں اس نے اپنا شاہکار The Ring and the Book پیش کیا۔ اس نے ایک نظم Rabbi ben Ezra بھی لکھی جس میں موسیقی، فلسفہ اور ابدی زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ براؤننگ کے ہاں یہ خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں، ڈرامائی اسلوب کا نباہنا، فطرت انسانی کی بوقلمونیوں پر روشنی ڈالنا اور بالغ نظر مبصر ہونا۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ء کو طویل عمر پا کر اس نے وینس میں انتقال کیا۔ ۹

کے تواند گفت شرحِ کارزارِ زندگی
''می پرد رنگش، حبابے چوں بدریا بشکند''

(ص۱۶۶/۳۴۲)

مصرع ثانی سرخوش کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

کے توانم دید زاہد جامِ صہبا بشکند
می پرد رنگم حبابے گر بدریا بشکند۔۱۰

حوالہ کتب

۱- شبلی-شعر العجم، ج۳ص۸۳-۱۳۳،-
+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ص ۳۴۶-۳۴۷-
+ E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol iv pp 24-249
۲- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص،۹۷-۹۸-
۳- Chambers's Encyclopaedia vol. v. pp. 622-623
+ مولانا آزاد بلگرامی، سرو آزاد، ص۱۰۳-
+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص۴-
۴- + Dr. G.M.D. Sufi, Kashmir- Being the Cultural History of Kashmir as Influenced by Islam, pp.210-220.
۵- شبلی-شعر العجم، ج۳ص۱۳۴-۱۶۴-
+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، ص۱۰۲-۱۰۳-
+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص ع-
۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۴ص۴۷۸-۴۸۵، طبع چہاردہم-
۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۷ص۶۵۸-
۸- محمد عوفی، لباب اللباب، ج۲ص۲۰۶ مطبوعہ بریل، لیڈن۱۹۰۳ء-
۹- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۴ص۲۷۵-۲۷۹-
۱۰- محمد افضل سرخوش، کلیات الشعرا، ص۲ (مطبوعہ مبارک علی لاہور۱۹۴۲ء)-

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور،۱۹۹۰ء)

مرزا غالب

(ص۳۹/۵۵)

''غالب'':- مرزا اسداللہ خان غالب ۱۷۹۷ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے- اقبال نے غالب کی خصوصیاتِ شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ مختصر سہی لیکن غالب کی اہم خصوصیاتِ شاعری کا حامل ضرور ہے- اقبال کے نزدیک غالب کی خصوصیاتِ شاعری مختصراً یہ ہیں: غیر معمولی رفعتِ تخیل، قوتِ فکر، حسنِ مطلق کا عشق، کلام کی شوخی، اسلوبِ بیان کی دلکشی، ذہانت اور جدت پسندی-

غالب، اردو شعر و ادب میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں- ان کے خطوط اردو نثر کا نادر نمونہ ہیں- غالب کو فارسی شعر و ادب میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہے- وفات ۱۸۶۹ء میں دہلی میں پائی اور وہیں مدفون ہیں-[۱]

❁

آہ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(ص۴۰/۵۶)

''گلشن ویمر'':- مراد گوئٹے کی ابدی خواب گاہ- اقبال کے نزدیک انیسویں صدی میں اگر دنیا میں کوئی شاعر غالب کا ہمسر تھا تو وہ صرف گوئٹے ہی تھا، اس لیے کہ ان دونوں میں بعض مشترک خصوصیات پائی جاتی ہیں- گوئٹے کا مشرقی ادب کا مطالعہ اور شغف اسے مجبور کرتا تھا کہ وہ مشرق کے ادب پاروں کو اپنے کلام میں جگہ دے۔ چنانچہ اس نے اسی ضمن میں رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کی طرف توجہ کی اور اس نے انتہائی عقیدت کا اظہار اپنی منظومات میں کیا۔

یوہان ولف گانگ گوئٹے (Johann Wolfgang von Goethe) جرمنی کے عظیم ترین ادیبوں میں سے تھا- اس کو بیک وقت مختلف علوم میں دستگاہ حاصل تھی- گوئٹے نہ صرف اپنے عہد ہی کا

ممتاز شاعر و ادیب تھا بلکہ موجودہ زمانے میں بھی اس کی عظمت مسلم ہے۔ اس کا ڈراما 'فاؤسٹ' دنیائے ادب میں بڑی شہرت رکھتا ہے، اس کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے جس سے گوئٹے کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ ڈراما نگاری، شاعری اور مضمون نگاری کا امام تھا۔ اس نے اپنے مشہور و معروف ڈرامے فاؤسٹ میں حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کو قدیم روایات کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آ سکتا۔ گوئٹے کی تاریخ پیدائش ۲۸ اگست ۱۷۴۹ء اور تاریخ وفات ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء ہے۔۲

۞

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

(ص۴۳/۶۱)

اس نظم میں اقبال نے بچوں کو جو نصیحت کی ہے، وہ مشہور امریکی شاعر ایمرسن کے کلام سے ماخوذ ہے۔ رالف والڈو ایمرسن (Ralph Waldo Emerson) مشہور امریکی شاعر اور انشا پرداز ۲۵ مئی ۱۸۰۳ء کو بمقام بوسٹن پیدا ہوا۔ اس نے کئی مرتبہ یورپ کی سیاحت بھی کی۔ ۱۸۳۶ء میں ایمرسن نے اپنے خطبات کو شائع کیا جنھیں اس کی ابتدائی نظموں کی طرح کم لوگوں نے پڑھا اور بہت کم لوگوں نے سمجھا، لیکن اس مجموعے سے جس کا نام Nature تھا، اس کی آئندہ تصانیف پر کافی روشنی پڑتی تھی کہ وہ کس معیار کی ہوں گی۔ اس کے بعد ایمرسن کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ اس نے طویل عمر پا کر ۲۷ اپریل ۱۸۸۲ء کو انتقال کیا۔۳

۞

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

(ص۵۰/۶۶)

ولیم کوپر (William Cowper) مشہور انگریزی شاعر ۲۶ اپریل ۱۷۳۱ء کو پیدا ہوا اور ۱۵ اپریل ۱۸۰۰ء کو فوت ہوا۔ کوپر کے احباب میں شاعر چرچل اور وارن ہیسٹنگز قابلِ ذکر ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں انگلستان میں اس کی نظمیں بہت مقبول تھیں۔ کوپر کی نظموں میں

To My Mother's Picture اور My Mary شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں- اس نے دوسری زبانوں کے شہ پارے بھی انگریزی میں منتقل کیے-[۴]

❁

ہمچو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم
بشنو اے گل ! از جدائی ہا شکایت می کنم
(ص۶۷/۸۳)

یہ شعر رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند
(دفتر اول،ص۲،رمضانی)

❁

پیامِ صبح
(ماخوذ از لانگ فیلو)

(ص۷۲/۸۷)

''لانگ فیلو'':- ہنری واڈز ورتھ لانگ فیلو (Henry Wadsworth Longfellow) مشہور امریکی شاعر جس نے انگلستان میں بھی خاصی شہرت حاصل کی، ۲۷ فروری ۱۸۰۷ء کو بمقام پورٹ لینڈ پیدا ہوا-۱۸۳۶ء میں اس کو ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیا گیا جہاں وہ تقریباً ۱۸ سال تک پروفیسری کے فرائض انجام دیتا رہا-اس نے تحصیلِ علم کی غرض سے یورپ کا سفر کیا اور فرانس، اسپین، اٹلی اور جرمنی میں تین سال تک مقیم رہا- لانگ فیلو کا انتقال ۲۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو ہوا-[۵]

❁

عشق اور موت
(ماخوذ از ٹینی سن)

(ص۷۳/۸۹)

الفریڈ ٹینی سن (Alfred Tennyson) انگلستان کا مشہور شاعر ۶ اگست ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوا- ورڈز ورتھ کی وفات کے بعد ۱۸۵۰ء میں انگلستان کی ملکہ نے اس کو ملک الشعرا کے ممتاز عہدہ پر فائز کیا-

اسی سال اس کی مشہور نظم (In Memorium) شائع ہوئی جس کی وجہ سے ٹینی سن کا شمار صف اول کے شعراء میں ہونے لگا- (Idylls of the King) غالباً اس کی بہترین ادبی تخلیق ہے جس میں اس کی بھرپور شخصیت جھلکتی ہے- اس کا انتقال ۶ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو ہوا-[۶]

پابندیٔ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی
(ص۷۵/۹۱)

''کلیم ہمدانی'':- ابوطالب کلیم، ہمدان میں پیدا ہوا اور ۱۶۵۱ء میں وفات پائی- شاہ جہاں نے اسکو قدسی کے بعد ملک الشعراء کے عہدے پر فائز کیا- کلیم نے بادشاہ کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے- اس نے اپنے عہد کے دوسرے شعراء کی طرح مضمون آفرینی اور خیال بندی پر بڑا زور صرف کیا لیکن اس کے باوجود اس کے اشعار میں ایک خاص شخصی رنگ جھلکتا ہے- مایوسی، غم، شکایتِ ابنائے روزگار کے مضامین کثرت سے بیان کرتا ہے اور یہی اس کا رنگِ طبیعت معلوم ہوتا ہے- اس کی یادگار ایک کلیات ہے جو غزلیات، قصائد اور دوسری اصناف شعر پر مشتمل ہے-[۷]

''دریں حسرت سرا عمریست افسونِ جرس دارم
ز فیضِ دل طپیدن ہا خروشِ بے نفس دارم''
(ص۸۲/۹۸)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے-(ص۸۴۳)

نمیگر دید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم
(ص۸۷/۱۰۳)

یہ شعر نظیری کا ہے-(ص۲۸۵)

''تا ز آغوش وداعش داغِ حیرت چیدہ است
ہمچو شمعِ کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است''
(ص۸۸/۱۰۴)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے-(بیدل، ص۲۱۴)

''شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند''

(ص۸۹/۱۰۵)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے۔(بیدل،ص۵۸۲)

❁

''تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا''

(ص۸۹/۱۰۵)

یہ شعر امیر مینائی کا ہے۔

❁

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیٔ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

(ص۹۹/۱۱۵)

''مہدی مجروح'': - میر مہدی مجروح، غالب کے محبوب اور عزیز شاگرد، دہلی کے رہنے والے تھے۔ مجروح کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور شروع ہی سے انہوں نے اپنا کلام غالب کو دکھایا۔ میر مجروح کی زبان نہایت صاف وسادہ اور شیریں ہے۔ چھوٹی بحروں میں ان کا کمال بدرجہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ خیالات میں ندرت اور مضامین میں جدت ان کے کلام میں نہیں ہے مگر طرز استادانہ ہے اور اشعار عیوبِ شاعری سے پاک ہیں۔ حالی ان کے بڑے مداح تھے۔ انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔[۸]

❁

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر

(ص۹۹/۱۱۵)

''امیر'':۔ امیر احمد مینائی نام، امیر تخلص، ۱۸۲۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مخدوم شاہ میناؒ کے، جن کا مزار لکھنؤ میں مرجعِ خاص وعام ہے، خاندان سے تھے۔ اسی تعلق سے مینائی کہلاتے تھے۔ شعر وسخن کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ منشی مظفر علی اسیرؔ کے شاگرد تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی

اور طبیعت کی روانی سے اپنے استاد سے بھی بڑھ گئے-۷۳ برس کی عمر میں حیدرآباد دکن میں انتقال کیا- داغ کے ہم عصر تھے-ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں: نورتجلی، ابرِ کرم، صبح ازل، مراۃ الغیب، سرمۂ بصیرت، لیلتہ القدر اور امیر اللغات- امیر اللغات مرحوم کا شاہکار ہے مگر افسوس کہ نامکمل رہا، صرف دو جلدیں شائع ہوئیں، ردیف الف مکمل ہے-۹

۞

چل بسا داغ آہ! میّت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے!
(ص۱۰۰/۱۱۶)

''داغ'':- نواب مرزا خاں نام، داغؔ تخلص، ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، وفات ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد دکن میں پائی اور وہیں دفن ہوئے- قلعۂ دہلی میں شعروسخن کا چرچا بہت تھا- داغ کی منچلی طبیعت پر اپنے گردوپیش کا بڑا اثر ہوا اور یہ بھی شاعری کی مقناطیسی قوت سے متاثر ہو گئے- ابتدا میں فارسی اور عربی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی- شعر کا شوق ان کو جبلی تھا اور طبیعت چونکہ مناسب پائی تھی، اس لیے تھوڑے ہی دنوں کی مشق سے پختہ کار شاعر ہو گئے-

داغ اپنے عہد کے بڑے مشہور شاعر تھے-ان کی زبان میں فصاحت وسادگی اور بیان میں ایک خاص قسم کی شوخی اور بانکپن ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین امیرؔ، جلالؔ، تسلیمؔ وغیرہ سے زیادہ مشہور ہوئے- چار دیوان ان سے یادگار ہیں-گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، مہتابِ داغ اور یادگارِ داغ-۱۰

اس شعر میں بھی اقبال نے داغ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے-

جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے
آہ اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہے
(بانگ درا، ص۲۷۸)

۞

اٹھ گئے ساقی جو تھے، میخانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالیؔ رہ گیا
(ص۱۰۱/۱۱۷)

''حالی'':- خواجہ الطاف حسین نام، حالیؔ تخلص، ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، وفات ۱۹۱۴ء میں پائی- حالی کی شاعری کی ابتدا دہلی میں ہوئی- دہلی میں وہ مرزا غالب کی صحبت میں اکثر آتے جاتے تھے اور انہی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا- مرزا غالب کو حالی پر بڑا ناز تھا- حالی اردو کے بہترین نقاد،

کامیاب شاعر اور سلیس نثر کے ماہر تھے- انکی زیادہ مشہور نثری تصانیف مقدمہ شعروشاعری، یادگار غالب، حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید ہیں-منظومات میں انکی زندۂ جاوید نظم مسدس (مدوجزرِ اسلام) ہے-مسدس کے علاوہ چپ کی داد، مناجات بیوہ، برکھارت اور نشاط امید بھی قابل ذکر ہیں-۱۱

❁

''ہر چہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع''

(ص۱۴۲/۱۵۸)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے-۱۲

❁

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر
آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

(ص۱۴۴/۱۶۰)

بلبلِ شیراز سے مراد شیخ سعدی ہیں جنہوں نے خلافتِ عباسیہ کی تباہی و بربادی پر ایک دل ہلا دینے والا دردناک مرثیہ لکھا ہے جس کو انہوں نے اس شعر سے شروع کیا ہے: (ص۶۴۷)

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں

اس کے بعد اقبال نے مرزا داغ دہلوی کے ''شہر آشوب'' کی طرف اشارہ کیا ہے-

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دلی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی
پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہاں تک تو ان مرثیوں کے ادبی حوالہ جات سے انکار نہیں مگر اس کے بعد غرناطہ کی بربادی پر جس عربی شاعر نے خون کے آنسو بہائے ہیں، وہ افسوس کہ ابن بدروں نہیں بلکہ ابو محمد عبدالمجید ابن عبدوں

الفہری ہے- اس کی پیدائش بمقام یابر (Evora) ہوئی۔ مزاج میں شعریت بچپن ہی سے تھی، جب جوان ہوئے تو شعراء کی صف میں ایک ممتاز جگہ دی گئی- اوروں کا تو ذکر ہی کیا، خود یابر کا صوبیدار عمر المتوکل ابن الافطس اس کے کلام کا عاشق تھا- اسی جوشِ عقیدت کا نتیجہ تھا کہ جب متوکل، بطلیوس کا خودمختار حکمران بن بیٹھا تو اس نے ابن عبدوں کو اپنا مشیرِ خاص بنایا۔ یہ واقعہ ۴۷۳ھ (۱۰۸۰ء) کا ہے- بنوافطس کی تباہی کے بعد ابن عبدوں نے ابی بکر کے یہاں جو اس وقت (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) سپہ سالار تھا، ملازمت اختیار کرلی- اس کے پندرہ برس بعد ہم پھر ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کو 'مشیرِ خاص' کی حیثیت سے دربار ''مرابطین'' میں اسی آن بان سے جلوہ گر پاتے ہیں-

ابن عبدوں نے یوں تو سینکڑوں نظمیں لکھیں مگر جس نظم نے اس کو دنیائے شاعری میں ایک لازوال جگہ دی، وہ اس کا معرکتہ الآرا مرثیہ ''البشامہ'' ہے جس میں افطس کی تباہی پر عربی خون کے بیتاب اور گرم قطروں کو غرناطہ کی وادیوں میں روکر بہایا ہے- ''البشامہ'' کا صوتی زیرو بم، الفاظ کی موزونیت، سلاستِ زبان، جوش اور درد نے اس میں چار چاند لگا دیے ہیں-

اس مرثیے کے ۶۷ شعر ہیں اور اسے ڈوزی نے ۱۸۴۸ء میں تصحیح کے بعد لیڈن سے چھپوا کر شائع کیا- اس کا پہلا شعر یہ ہے:

الدھر یفجع بعد العین بالاثر
و ما البکاء علی الاشباح والصور
(زمانہ افراد کو نہیں، ان کے کارناموں کو یاد کرکے روتا ہے)

اورآخری شعر یہ ہے:

قرطت آذان من فیھا بفاصمہ
علی الحسان حصا الیاقوت والدرر

(میں نے حسینانِ شہر کے کانوں میں ٹوٹی ہوئی بالیاں اس طرح پہنا دی ہیں جس طرح یاقوت اور موتی پہنائے جاتے ہیں)

ابن عبدوں کے اس غیر فانی مرثیے کی متعدد شرحیں مشرقی اور مغربی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں اس کا بہترین شارح عبدالملک بن عبداللہ الحضرمی ہے جو عربی ادب میں ابنِ بدروں کے نام سے مشہور ہے-

علامہ اقبال کو یہاں سہو ہوا ہے- غرناطہ کے مرثیے میں اشارہ شارح کی طرف ہے، اور ہونا چاہیے شاعر کی طرف-۱۳

تضمین بر شعر انیسی شاملو

(ص۱۶۵/۱۸۱)

''انیسی شاملو'':- انیسی علی قلی بیگ شاملو اگرچہ ترکی الاصل تھا لیکن ایران میں پیدا ہوا- اس نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ ایران ہی میں بسر کیا- جوانی میں دوسرے ایرانی شعرا کی طرح برصغیر پاک و ہند آیا اور نظیری کے توسط سے عبدالرحیم خان خاناں، والیٔ گجرات کے ہاں ملازم ہو گیا- خان خاناں نے انیسی شاملو کی بڑی قدر و منزلت کی اور قصۂ محمود و ایاز نظم کرنے پر مامور کیا- چنانچہ اس نے قصہ مذکور کو نظم کرنا شروع کیا لیکن موت نے اس کو مکمل نہ ہونے دیا- اس نے ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) میں بمقام برہان پور وفات پائی- انیسی کے ہاں صائبؔ اور غنیؔ کا رنگ پایا جاتا ہے-[۱۴]

❁

آئے عشاق ، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

(ص۱۷۹/۱۹۵)

مصرع ثانی ذوق کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (کلیات ذوق، ص۲۲۴، حصہ اول، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء)

مجھ سا مشتاقِ جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رخِ زیبا لے کر

❁

''عاقبت منزلِ ما وادیٔ خاموشان است
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز''

(ص۱۸۹/۲۰۵)

یہ شعر حافظ کا ہے- (ص۲۳۹، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

❁

سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را''

(ص۱۹۱/۲۰۷)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے- (ص۳۱، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

۞

کہہ گئے ہیں ، شاعری جزویست از پیغمبری
ہاں ، سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش
(ص۲۰۰/۲۱۶)

پہلا مصرع اس شعر سے ماخوذ ہے:

شاعری جزویست از پیغمبری
جاہلانش کفر خوانند از خری

۞

تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
(ص۲۰۲/۲۱۸)

یہ شعر اقبال ہی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (کلیات اقبال فارسی، ص ۲۷/۴۲، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء)

چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش
ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

۞

تضمین بر شعر ملّا عرشی

(ص۲۲۲/۲۳۸)

''عرشی'':- ملّا عرشی یزدی کا اصلی نام طہماسپ قلی بیگ تھا - ملا عرشی کا وطن تبریز تھا - وہ ابتدا میں عہدی تخلص کرتا تھا، بعد ازاں عرشی تخلص اختیار کیا - اس کی طبیعت دشوار گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی - اس کے دیوان کی ضخامت خاصی ہے - کہا جاتا ہے کہ اس میں دس ہزار سے زائد اشعار ہیں - عرشی نے اپنی تمام عمر شاہ طہماسپ صفوی کی خدمت میں بسر کی - [۱۵]

۞

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں رہیے
''ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش''
(ص۲۲۳/۲۳۹)

مصرح ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۲۵۸، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

شد آنکہ اہلِ نظر بر کنارہ میرفتند
ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش

❁

یہی اصول ہے سرمایۂ سکونِ حیات
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(ص ۲۲۳/۲۳۹)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۲۵۸، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

❁

پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
کہ ہے یہ سرِّ نہاں خانۂ ضمیرِ سروش

(ص ۲۲۳/۲۳۹)

''مرشدِ شیراز'':- مراد حافظ شیرازی سے ہے-

خواجہ حافظ کا نام محمد، لقب شمس الدین اور حافظؔ تخلص تھا- وہ ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں بمقام شیراز پیدا ہوئے- گوان کا ابتدائی زمانہ شیخ حسین حاکمِ شیراز کے عہد میں گذرا، مگران کی زندگی میں کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے- حافظ اپنے زمانے میں بڑے ہر دلعزیز تھے، وہ سلاطین کے درباروں میں بھی آتے جاتے تھے- ان کی علمی وادبی قابلیت اعلیٰ درجے کی تھی- وہ حافظِ قرآن بھی تھے- خواجہ حافظ کا تمام کلام حسنِ ادا اور لطافتِ شعری سے مملو ہے- وہ فارسی شاعری میں غزل گو کی حیثیت سے منفرد ہیں- حافظ کو ''لسان الغیب'' کہا جاتا ہے- لوگ ان کے دیوان سے فال نکالتے ہیں- سالِ وفات ۷۹۱ھ (۱۳۸۸ء) ہے- مزار شیراز میں ہے- تاریخِ وفات کسی نے خوب کہی ہے:

چو در خاک مصلیٰ یافت مسکن
بجو تاریخش از خاک مصلیٰ ۔[۱۶]

❁

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد
(ص۲۳۴/۲۵۰)

''شبلی'':- محمد شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں موضع بندوَل، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں وفات پائی- شبلی کا مسلم قوم پر بڑا احسان ہے-انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے مشاہیرِ اسلام کو دنیا سے روشناس کیا، ندوہ کی بنیاد ڈالی جو آج تک بدلتے ہوئے حالات میں ملک وملت کی خدمت انجام دے رہا ہے- شبلی کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے-ان کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں: سیرۃ النبی، شعر العجم ،النعمان، الفاروق، الغزالی اور موازنہ انیس ودبیر-شعرالعجم ، فارسی کے شعرا کا تذکرہ ہے-اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اہلِ ایران نے اسکو اپنی زبان میں منتقل کیا-

شبلی بیک وقت ایک شاعر، فلسفی، مؤرخ ، ناقد ، ماہرِ تعلیم ،معلم ، واعظ ،مصلح ، جریدہ نگار، فقیہ اور محدث تھے- یہ ان کی وہ خصوصیات ہیں جو ایک شخص میں بمشکل پائی جاتی ہیں-۱۷

۞

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بو لہبی
(ص۲۳۵/۲۵۱)

مصرع ثانی حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (ص۵۱، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

ازیں چمن گلِ بیخار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی باشرار بولہبی ست ـ۱۸

۞

''مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند''
(ص۲۳۳/۲۵۱)

یہ شعر فرح اللہ شوشتری کا ہے-

۞

تضمین بر شعر فیضی

(ص ۲۳۷/۲۵۳)

''فیضی'':- فیضی کا پورا نام ابوالفیض تھا- شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا اور ابوالفضل وزیرِ شہنشاہ اکبر کا بڑا بھائی تھا- ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا- ملک الشعرا غزالی مشہدی کے انتقال کے بعد اکبر کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر فائز ہوا اور شہزادوں کی اتالیقی کا کام بھی اس کے سپرد ہوا- تاریخ، فلسفہ، طب اور انشا پردازی میں کمال رکھتا تھا- سنسکرت زبان کا بھی جیّد عالم تھا- مختلف مذاہب کی تعلیم پر بھی عبور رکھتا تھا- یہ فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا- عربی میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا- اس کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے- مشہور خمسۂ نظامی کے نمونے پر اس نے پانچ کتابوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جس میں صرف مرکز دوّار اور نل دمن پایۂ تکمیل کو پہنچیں- اس نے سنسکرت کی کئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا- قرآن کی تفسیرِ بے نقط جسے سواطع الالہام کہا جاتا ہے، اسی کی لکھی ہوئی ہے- فیضی کی انشائے فیضی بھی مشہور ہے- ۱۵۹۵ء میں آگرہ میں انتقال کیا-۱۹

❁

تضمین بر شعرِ میر رضی دانش

(ص ۵۴/۲۷۰)

میر رضی دانش مشہدی، شاہ جہاں کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آیا اور بادشاہ کی خدمت میں اپنا قصیدہ لکھ کر پیش کیا- بادشاہ نے دو ہزار روپیہ انعام میں دیا- کچھ عرصے بعد شاہ جہاں کو چھوڑ کر داراشکوہ کی ملازمت اختیار کی- داراشکوہ نے میر رضی دانش کو ذیل کے شعر پر ایک لاکھ روپیہ انعام دیا:

تاک را سر سبز کن اے ابرِ نیساں در بہار
قطرہ تامے تواند شد چرا گوہر شود ۔۲۰

❁

تضمین بر شعر ملک قمی

(ص ۲۵۶/۲۷۳)

ملک قمی ایران کے شہر قم کا رہنے والا تھا- ابتدائی تعلیم کے بعد کاشان آیا، اس کے بعد چار سال تک قزوین میں رہا- ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں دکن کا رخ کیا کیونکہ ابراہیم عادل شاہ والیٔ بیجاپور شعرا کا بہت قدر دان تھا- چنانچہ ابراہیم عادل شاہ نے اس کو اپنا درباری شاعر بنایا اور بہت عزت افزائی کی-

مُلّا ظہوری اس کی قابلیت کا بڑا مداح تھا- خود فیضی جیسا باکمال بھی اس کی بڑی تعریف کرتا تھا- ملک قمی نے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) میں انتقال کیا-۲۱

تضمین بر شعر صائب

(ص ۲۵۷/۲۷۳)

''صائب''- صائب کا پورا نام مرزا محمد علی تھا- وہ تبریز میں پیدا ہوا اور اصفہان میں تعلیم حاصل کی- بعد ازاں ظفر خاں صوبیدار کابل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا- ظفر خاں نے صائب کی بہت قدر کی اور فکر معاش سے بے نیاز کر دیا- صائب آخر میں اصفہان واپس چلا گیا اور ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) میں وفات پائی- ایک ضخیم کلیات اس سے یادگار ہے جس میں تمثیلی اور اخلاقی شاعری کا عنصر نمایاں ہے- ۲۲

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدیٔ شیراز

(ص ۲۵۸/۲۷۴)

''سعدیٔ شیراز'':- آپ کا نام شرف الدین، لقب مصلح اور سعدی تخلص، وطن شیراز تھا- سال ولادت ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) اور سال وفات ۶۹۱ھ (۱۲۹۱ء) ہے- وہ سعد زنگی بادشاہ فارس کے عہد میں تھے- شیخ سعدی کے والد عبداللہ شیرازی، اتابک سعد زنگی کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھے- غالباً اسی لیے آپ نے اپنا تخلص سعدی رکھا- مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی- علامہ ابوالفضل عبدالرحمٰن ابن جوزی آپ کے اساتذہ میں سے تھے- باطنی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہ کر پائی- تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے ایشیا کی سیاحت کی اور عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا- فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی، زیادہ تر دینیات، علم سلوک اور علم ادب کی طرف متوجہ رہے- شیخ سعدی فارسی غزل کے پیغمبر مانے جاتے ہیں- ان کی فصاحت و بلاغت کا شہرہ ان کی زندگی ہی میں ممالک دور دراز میں پھیل گیا تھا- سعدی کی تصانیف میں گلستان اور بوستان کو بڑا قبول عام حاصل ہوا- ان کی گلستان فارسی نثر کا بے مثل نمونہ خیال کی جاتی ہے- بعض لوگوں نے اس کا جواب بھی لکھا لیکن وہ گلستان کی گرد کو بھی نہ پا سکے- گلستان کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے جس سے اس کی مقبولیت پر خاصی روشنی پڑتی ہے -۲۳

تضمین بر شعر میرزا بیدل

(ص ۲۵۹/۲۷۵)

''بیدل'': - نام عبدالقادر اور تخلص بیدل تھا - اس کا اصلی وطن توران تھا لیکن پیدا بخارا میں ہوا - بیدل نوعمر ہی تھا کہ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں برصغیر آیا - اس کی تعلیم وتربیت برصغیر میں ہوئی اس لیے اس کا شمار اہلِ زبان شعرا میں نہیں ہے - بیدل، شہزادہ محمد اعظم، پسر اورنگ زیب کی سرکار میں ملازم ہوا - شہزادہ نے اپنی مدح میں قصیدہ کی فرمائش کی، وہ خفا ہوکر دہلی چلا آیا۔ بیدل فارسی زبان وادب کا ماہر، نہایت نازک خیال اور قانع شخص تھا - اس کی تصانیف میں چہار عنصر بیدل، نکاتِ بیدل، رقعاتِ بیدل اور دیوان فارسی شامل ہیں - بیدل کے کلام میں تصوف کا رنگ کثرت سے ملتا ہے - اس کا انتقال ۱۷۲۰ء میں ہوا - ۲۴

۞

شیکسپیئر

(ص ۲۶۳/۲۷۹)

''شیکسپیئر'': - ولیم شیکسپیئر (William Shakespeare) ۲۶ اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا اور ۱۶۱۶ء میں فوت ہوا۔ شیکسپیئر انگریزی زبان کا مشہور ترین ڈراما نگار اور شاعر تھا - اس کے ڈرامے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں جن سے ان کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے - شیکسپیئر کے ڈراموں کے سینکڑوں جملے زبان زد ہو گئے ہیں - شیکسپیئر بڑا نباضِ فطرت تھا - اس کے ڈراموں میں بڑی زندگی اور بڑی بصیرت ملتی ہے - اس کے بعض ڈراموں کے نام یہ ہیں: ہیملٹ (Hamlet)، رومیو جولیٹ (Romeo and Juliet)، میکبتھ (Macbeth)، کنگ ہنری چہارم (King Henry iv) اور دی ٹمپسٹ (The Tempest) - شیکسپیئر کے ڈرامے طربیہ بھی ہیں اور المیہ بھی - اس کے ڈراموں کے بعض کردار بہت مشہور ہو چکے ہیں مثلاً فال اسٹاف اور شائی لاک - ۲۵

۞

''شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند''

(ص ۲۶۵/۲۸۱)

حافظ کا شعر اس طرح ہے - (ص ۲۱۱، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
کایں کرامت ہمرہ شہباز و شاہیں کردہ اند

❁

''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی''
(ص۲۶۵/۲۸۱)

عمادی کا اصل شعر یوں ہے:

مرا از شکستن چناں درد ناید
کہ از ناکساں خواستن مومیائی ۔۲۶

❁

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند
(ص۲۷۸/۲۹۴)

اصل شعر یوں ہے:

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند

❁

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش
(ص۲۷۹/۲۹۵)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

سرِّ حق کے بر تو گردد منجلی
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ

❁

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی''
(ص۲۸۱/۲۹۷)

مصرع ثانی عرفی کا ہےاور پورا شعر یوں ہے:

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

❁

ربود آں تڑکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
(ص۲۸۲/۲۹۸)

پہلا مصرع حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (ص ۳۰، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

اگر آں تڑکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

❁

بیا پیدا خریدار است جان ناتوانے را
''پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را''
(ص۲۹۰/۳۰۶)

مصرعِ ثانی نظیری کا ہےاور پورا شعر اس طرح ہے: (ارمغان پاک۔ص ۱۳۸)

بہر جنسی کہ میگیرند اخلاص و وفا خوب است
پس از عمری گذار افتاد بر ما کاروانے را

❁

''بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم''
(ص۲۹۱/۳۰۷)

یہ شعر حافظ کا ہے۔ (ص۲۹۳، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

❁

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا ، تجھے کیا ملے گا نماز میں
(ص۲۹۷/۳۱۳)

یہ شعر عراقی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آید
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

۞

''اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے''
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا
(ص۳۰۱/۳۱۷)

غالب کا پورا شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص۸۰)

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

۞

میرزا غالب خدا بخشے ، بجا فرما گئے
''ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا؟''
(ص۳۰۳/۳۱۹)

پورا شعر اس طرح ہے: (دیوان غالب اردو، ص۱۸)

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا؟

۞

حوالہ کتب

۱- حالی، یادگارِ غالب-
+ شیخ محمد اکرام، آ ثارِ غالب-
۲- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۰، ص ۴۶۱-۴۷۵، طبع چہاردہم
۳- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۸ ص ۳۹۱-۳۹۴
۴- ایضاً، ج ۲، ص ۲۶۳-۲۶۳
۵- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۳۷۸-۳۷۹، طبع چہاردہم
۶- ایضاً، ج ۲۱، ص ۹۳۸-۹۴۲، طبع چہاردہم
۷- شبلی، شعر العجم، ج ۳، ص ۲۰۵-۲۳۰-
+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ۲-۳

+ E.G. Browne, A Literary History of Persia, vol,pp 256-263.

۸- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۳۴۰-۳۴۱، مطبوعہ نول کشور، لکھنو
۹- ایضاً، ص ۳۵۸-۳۶۱
۱۰- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۲۶۹- مطبوعہ نول کشور لکھنو
۱۱- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۵۵ اور ۴۰۷
۱۲- کلیات ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل، جلد اول، ص ۸۵ے، پوھنی مطبع کابل، اسد-۱۳۴۱-
۱۳- دہخدا- لغت نامہ، ج ا، ۳۲۸، طبع ایران-
+ علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء
۱۴- آ ذر اصفہانی، آ تشکدۂ آ ذر، ص ۱۹-۲۰-
+ نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۲۵-۲۶
۱۵- نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۳۰۲
۱۶- شبلی، شعر العجم، ج ۲، ص ۲۱۲-۲۹۷

+ E.G. Browne, A Literary History of Persia, vol.iii, pp271-319.

۱۷- مولانا سید سلیمان ندوی، حیات شبلی-

+ شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ

۱۸- نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۴۷۳، مطبع رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ

۱۹- شبلی شعر العجم، ج ۲، ۲۷-

+ مولانا محمد حسین آزاد، دربار اکبری-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ۴۳-۴۴

۲۰- محمد یوسف علی، روز روشن، ص ۲۴۸، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۲۷ھ

+ E.G. Browne, Persian Literature in Modern Times, pp164-165.

۲۱۔ نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۴۲۰۔۴۲۱

۲۲۔ شبلی ''شعر العجم''، ج ۳، ص ۱۸۹۔

+ رضا قلی ہدایت، مجمع الفصحا، ج ۲، ص ۲۳-۲۴

+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۳۴۷۔۳۴۹

+ E.G.Brown, Persian Literature in Modern Times, pp. 164-165.

۲۳- حالی، حیات سعدی

۲۴- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۱۳۷-

+ خواجہ عباد اللہ اختر، بیدل-

+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص ۷-۸

۲۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۰، ص ۴۳۳-۴۵۲

۲۶- علی اکبر دہ خدا، کتاب امثال وحکم، ص ۱۵۰۷، مطبع مجلس طہران ۱۳۱۰ ھ ش

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولائتے نہ گنجند
عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

(ص۱۳/۳۵۷)

یہاں اس شعر کا مضمون سعدی کے ایک مقولے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو گلستاں میں اس طرح ہے:

''دہ درویش در گلیمے بہ خسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند۔''

❁

بامیدِ ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد
ز کمندِ شہریاراں رمِ آہوانہ دارم

(ص۱۸/۳۶۲)

اس شعر کا پہلا مصرع امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (خسرو، دیوان کامل، ص۲۱۸)

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامیدِ ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد

❁

دلِ گیتی ! انا المسموم ، انا المسموم فریادش
خرد نالاں کہ 'ماعندی بتریاقِ ولا راقی'

(ص۲۱/۳۶۵)

یہ شعر یزید ابن معاویہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

انا المسموم و ماعندی بتریاق ، ولاراقی
ادر کاسا و ناولها الایا ایّها الساقی

عشق کا زہر میرے اندر سرایت کر چکا ہے اور میرے پاس نہ تو اس زہر کا کوئی تریاق ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے- اس لیے اے ساقی! شراب کا دور شروع کر اور ہاتھ بڑھا کر پیالہ مجھے دے (تا کہ اس زہر کا اثر زائل ہو)-

۞

''تو در زیرِ درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی''
بہ پرواز آ کہ صیدِ مہر و ماہے می تواں کردن

(ص۶۳/۴۰۷)

پہلا مصرع عرفی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (کلیات عرفی، ص۲۱۵)

بدام اندر کشیدند اہلِ معنی طائرِ دولت
تو در زیرِ درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی

۞

بطرزِ دیگر از مقصود گفتم
جوابِ نامۂ محمود گفتم

(ص۸۵/۴۲۹)

''محمود'':- نام شیخ محمود، والد کا نام عبدالکریم بن یحییٰ- یہ علم و زہد میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے- تبریز سے ۸ فرسنگ کے فاصلے پر ایک مقام شبستر کے نام سے مشہور ہے، شیخ محمود یہیں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے شبستری کہلائے- لقب سعد الدین نجم الدین تھا- ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی- جوان ہو کر تبریز آئے اور ایک بزرگ شیخ امین الدولہ سے علومِ ظاہری و باطنی حاصل کیے، بیعت بھی انہی سے کی-

آغا باقر سلمانی نے لکھا ہے کہ شبستری کی پیدائش ہلاکو خاں کے عہد میں ہوئی- آلِ چنگیز کے آخری فرمانروا سلطان ابوسعید کے زمانے میں موجود تھے- محمود شبستری کا سالِ پیدائش ۱۲۵۰ء اور سال وفات ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) ہے-

مختلف تذکروں سے محمود شبستری کی چار تصانیف کا پتہ چلتا ہے- گلشنِ راز، حق الیقین فی معرفۃ رب العالمین، سعادت نامہ اور رسالۂ شاہد-

گلشنِ راز کی تصنیف کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے- بیان کیا جاتا ہے کہ رکن الدین حسین بن ابی الحسن الحسینی غوری ہراتی الملقب بہ فخر السادات و مشہور بہ سید حسینی کی طرف سے ایک قاصد آیا اور

۱۵سوال منظوم لایا- شیخ نے وہیں اس کا مختصر جواب نظم کر دیا جس سے ان کے تبحرِ علمی کا پتہ چلتا ہے- بعد میں کسی قدر اضافے کے ساتھ مثنوی گلشنِ راز مکمل کی-

پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیاتِ عجم جلد۳ صفحہ ۱۴۷ پر گلشنِ راز کا سنہ تصنیف ۷۰۰ھ (۱۳۱۱ء) لکھا ہے- براؤن کی اس تاریخ میں کلام ہے کیونکہ برصغیر پاک و ہند، ایران اور یورپ کے مطبوعہ نسخوں، نیز بمبئی کے قلمی نسخے صفحہ ۳ پر یہ مصرع صاف لکھا ہے:

گذشتہ ہفت و دہ از ہفتصد سال

معلوم نہیں پروفیسر براؤن نے کہاں سے اور کس بنا پر وہ تاریخ لکھی ہے-

گلشنِ راز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مشرق ومغرب کے نکتہ دانوں اور صاحبِ ذوق اربابِ علم نے اپنی بیشتر توجہ اسی کتاب کی جانب مبذول کی ہے، اور نہایت جانفشانی سے متنوں اور شرحوں کو شائع کیا ہے-

محمود شبستری بڑے زبردست صوفی اور عالم تھے- انہوں نے پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً نہایت جامعیت سے ان سوالات کا جواب لکھا ہے اور اس زمانے کے عقائد وخیالات کی ترجمانی کی ہے-

پروفیسر براؤن نے تاریخِ ادبیاتِ عجم میں شبستری کو خوب سراہا ہے اور جلد۳ صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے کہ ''گلشنِ راز تصوف کے بہترین مقالوں میں سے ایک مقالہ ہے''- شبلی نے بھی گلشنِ راز کو اہم مانا ہے-

گلشنِ راز کی کئی شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں- مولانا جامی نے لکھا ہے کہ کم وبیش ۲۸ شرحیں ان کی نظر سے گذری ہیں- سب سے مشہور شرح محمد بن یحییٰ بن علی لاہجی کی ہے-

یورپ کا وہ طبقہ جو فارسی اور تصوف سے دلچسپی رکھتا ہے، گلشنِ راز کی سیر سے محروم نہیں ہے- سب سے پہلے جس نے اس کتاب کو یورپ سے روشناس کرایا، وہ ثولک ہے- یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں- ان میں ہامر پرگس ٹال اور وین فیلڈ کے جرمنی اور انگریزی ترجمے قابلِ ذکر ہیں-

مثنوی گلشن راز اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

بنامِ آنکہ جاں را فکرت آموخت
چراغِ دل بنورِ جاں برافروخت

باقر سلمانی نے گلشنِ راز کے سوالات کی تعداد ۱۷ بتائی ہے جو صحیح نہیں، کیونکہ اصل کتاب میں صرف ۱۵سوال پائے جاتے ہیں-۱

۞

''مرا زیں شاعری خود عار ناید
کہ در صد قرن یک عطار ناید''

(ص۴۳۰/۸۶)

یہ شعر محمود شبستری کا ہے۔

حوالہ کتاب

۱- E.G. Browne, A Literary History of Persia,vol.iii,pp146-150.
+ F.Lederer, The Secret Rose Garden.

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہر کجا از ذوق و شوقِ خودگری
نعرۂ 'من دیگرم' تو دیگری'

(ص۱۵/۴۸۷)

''من دیگرم تو دیگری'' امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف اشارہ مقصود ہے:
(محفل سماع،ص۵۵)

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

۞

''ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را
اوست سید جملہ موجودات را''

(ص۱۷/۴۸۹)

یہ شعر رومی کا ہے۔

۞

بے درد جہانگیری آں قرب میسّر نیست
گلشن بگریباں کش اے 'بو بگلاب اندر'

(ص۴۳/۵۱۵)

''بو بگلاب اندر'' اشارہ ہے خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کے اس شعر کی طرف:

اے زاہدِ ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر

۞

چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور
بر نیائی اے زہیر از خاکِ گور

(ص۵۴/۵۲۶)

''زہیر'':- زہیر بن ابی سلمٰی، اصلی نام زہیر ابن ربیعہ ابن قرط ہے- زہیر مزینہ قبیلہ کا ایک فرد اور دورِ جاہلیت کا اخلاقی شاعر تھا- بعض نقادوں کے نزدیک عرب کا سب سے بڑا جاہلی شاعر ہے- گو زہیر مزینہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے اپنی تمام عمر قبیلہ غطفان میں بسر کی- زہیر کے موجودہ دیوان میں مزینہ قبیلے کی تعریف میں اشعار نہیں ملتے بلکہ جو اشعار ہیں، وہ بیشتر قبیلہ غطفان ہی کی تعریف میں ہیں- اس کے دیوان میں ایسے اشعار بھی ہیں جو اس کی آپ بیتی کی غمازی کرتے ہیں- نقادانِ سخن نے زہیر کو امرءالقیس اور نابغہ کا ہم پلہ قرار دیا ہے- معلقات میں اس کا قصیدہ بھی شامل ہے-۱

اے ترا اندر دو چشمِ ماوثاق
مہلتے ان کنت ازمعت الفراق

(ص۵۵/۵۲۷)

اس شعر میں امرءالقیس کے ایک مصرع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے- یہ مصرع مختلف نسخوں میں اس طرح ہے ''وان کنت قد از معت صرمی فا جملی''

(اور اگر تو نے جدائی کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اس کو خوش اسلوبی سے عمل میں لانا-)

''امرءالقیس'':- امرءالقیس بن حجر الکندی اہلِ نجد سے تعلق رکھتا تھا- اس نے اپنی محبوبہ فاطمہ کی شان میں بہت اشعار لکھے ہیں- اس پر اس کے باپ نے امرءالقیس کو گھر سے نکال دیا- عربی میں پہلی مرتبہ امرءالقیس نے نازک اور لطیف مضامین شعر میں باندھے- یہ ان سات مشہور شعرا میں سے ایک ہے جو دور جاہلیت میں شعر وسخن میں ممتاز تھے- اس کا ایک قصیدہ اپنے محاسن کی وجہ سے سبع معلقہ میں شامل اور اس کو خانۂ خدا پر آویزاں کیا گیا- امرءالقیس کا انتقال ۵۳۰ء اور ۵۴۰ء کے درمیان ہوا- وہ عہدِ جاہلی کے مشہور ترین شعرا میں تھا- ۲

آدمی را دیدہ و چوں گل بر شگفت
در زبانِ طوسی و خیام گفت

(ص۱۰۴/۵۷۶)

''خیام'':- خیام کا نام عمر تھا؛ کنیت ابوالفتح اور ابوالحفص، لقب غیاث الدین، باپ کا نام ابراہیم تھا- عمر خیام، فارسی کا مشہور شاعر اصلاً خیمہ دوز تھا جیسا کہ اس کے تخلص ''خیام'' سے ظاہر ہے- اس کی رباعیات اپنی طرزِ خاص میں مشہور ہیں جن کا یورپ تک میں شہرہ ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ اور اصل کئی مرتبہ چھپ چکی ہے- عمر خیام صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ حکیم اور عالمِ ہیئت بھی تھا-

نیشا پور میں تقریباً ۱۰۵۰ء میں پیدا ہوا- حسن بن صباح کا ہم عصر تھا- علومِ فلسفہ میں بلند پایہ رکھتا تھا- رباعیات کے علاوہ علومِ حکمت و ہندسہ میں کئی تصانیف اس سے یادگار ہیں- سالِ وفات میں اختلاف ہے- بعض نے ۱۱۲۳ء اور بعض نے ۱۱۲۱ء لکھا ہے-۳

۞

غالب و حلّاج و خاتونِ عجم
شورہا افگندہ در جانِ حرم
(ص۱۱۹/۵۹۱)

''خاتونِ عجم'':- اشارہ قرۃ العین کی طرف ہے-

قرۃ العین ایران کی وہ مشہور خاتون جس نے بانی فرقہ بابیہ کی بڑی سرگرمی سے پیروی کی اور اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا- وہ شاعرہ بھی تھی- جناب طاہرہ اور زریں تاج کے نام سے بھی مشہور ہے- بڑی حسین و جمیل تھی- ۱۸۵۲ء میں قرۃ العین طاہرہ کو کچھ اور بابیوں کے ساتھ قتل کیا گیا- اس کی غزلوں میں جوشِ بیان، سرمستی اور زور اس قدر ملتا ہے کہ کم شعرا کو نصیب ہوا ہوگا-۴

۞

''قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختۂ چیست''
(ص۱۲۶/۵۹۸)

یہ شعر غالب کا ہے، اقبال نے اس کے مصرع میں خفیف سا تصرف کر دیا ہے- اصل شعر غالب کا یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص۱۸۴)

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

۞

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمتہ للعالمینی انتہا ست
(ص۱۲۸/۶۰۰)

اقبال نے یہ شعر غالب کے اس شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمتہ للعالمینے ہم بود-۵

۞

با نسیم آوارہ بودم در نشاط
'بشنواز نے' می سرودم در نشاط
(ص ۱۶۱/۶۳۳)

''بشنواز نے'' رومی کی ترکیب ہےاور پوراشعر یوں ہے(دفتر اول،ص ۲،مثنوی معنوی،رمضانی)

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

نکتہ آرائے کہ نامش برتری است
فطرتِ او چوں سحابِ آذری است
(ص ۱۶۸/۶۴۰)

''برتری'':- راجا بھرتری ہری، راجا بکرماجیت کے بھائی تھے- یہ عالم اور شاعر تھے- انہوں نے راج چھوڑ دیا تھا- یہ چھٹی صدی عیسوی کے بعد ہوئے ہیں- ان کی کتاب بھرتری ہری شتک ہے جس میں سیاست،عشق اور زہد کے مضامین ہیں- جوڑ کے بیان کے مطابق بھرتری ہری، ہرش وردھن کے درباری شعرا میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے-[۶]

ناصر خسرو علوی

(ص ۱۴۴/۶۴۶)

ابومعین ناصر بن خسرو علوی گیارہویں صدی کے مشہور ترین فارسی شعرا میں سے تھا- وہ بلخ کے قریب ۳۱۴ھ (۱۰۰۳ء) میں پیدا ہوا- ایرانی مؤرخ عام طور پر اس کو علوی کہتے ہیں- اس نے مختلف اساتذہ سے تحصیلِ علم کی اور مروجہ علوم میں کمال پیدا کیا- ۱۰۴۵ء میں دفعتہً اس کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا جس کے صحیح اسباب معلوم نہیں لیکن ناصر نے خود انہیں الہام کے طور پر بیان کیا ہے- اس نے خواب کے بعد دنیوی وجاہت کو چھوڑ کر حج کا ارادہ کیا اور چار مرتبہ کعبہ کا طواف کیا- یہ سفر ناصر کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا- اس نے ایران اس وقت چھوڑا جب ایران میں مختلف سلاطین تخت کے لیے برسرِ پیکار تھے، اور یہ ایران کی تاریخ میں ایک نازک وقت تھا- اس نے دورانِ سفر تقریباً تمام اسلامی ممالک میں یہی حالت دیکھی؛ البتہ مصر میں یہ کشمکش نہ تھی- مصر میں اس وقت اسمٰعیلی خاندان حکمران تھا- ناصر نے سوچا کہ اس کی بدولت اسلام کی محافظت ہو سکتی ہے اور یہی خاندان اس وقت اسلام کی زبوں حالی کو دور کر سکتا ہے- اس نے حکمران خاندان کے متعدد ممتاز عہدہ داروں سے ملاقات

پیدا کی اور آخر کار اس مذہب کو قبول بھی کر لیا اور اس طرح اس نے خلیفہ المستنصر کی ہمدردی حاصل کی۔ بلخ واپس ہونے کے بعد ناصر نے اسمٰعیلی فرقے کی تبلیغ شروع کی لیکن سلجوقیوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ناصر کی تبلیغی سرگرمی ہمارے مفاد کے خلاف ہے۔ بالآخر اس کو بلخ سے بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ مازندران پہنچا لیکن وہاں بھی عافیت نہ دیکھی۔ بعدازاں بدخشاں کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا جہاں اس نے اپنی عمر کے آخری ایام بسر کیے۔ یہیں اس نے اپنی اہم تصانیف مکمل کیں اور ۴۵۲-۵۳ھ (۱۰۶۰-۶۱ء) میں انتقال کیا۔

ناصر کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی تصانیف نہایت درجہ غیر مربوط انداز میں پائی جاتی ہیں۔ اس کی تصانیف میں دیوان، روشنائی نامہ، جو فلسفیانہ مباحث میں بوعلی سینا کے مقالات سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور سعادت نامہ جس میں مطلق العنان حکومت کی مذمت اور کسانوں کی حکومت کو سراہا گیا ہے، قابل ذکر ہیں۔ اس کی سب سے مشہور نثری تصنیف سفر نامہ ہے جو مکہ کے سفر پر مشتمل ہے۔ اس میں قاری کو گراں بہا معلومات مل جاتی ہیں۔ اس کی تصانیف زادالمسافرین، سفر نامہ، روشنائی نامہ اور سعادت نامہ مشہور ہیں۔ ۷

❁

خوش سرود آں شاعرِ افغاں شناس
آنکہ بیند، باز گوید بے ہراس
(ص ۱۷۵/ ۶۴۷)

''شاعرِ افغاں شناس'':- مراد خوشحال خان خٹک سے ہے۔

خوشحال خان خٹک پشتو کا مشہور وطن دوست شاعر ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۳ء) میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام شہباز خان تھا۔ خوشحال خاں اپنے باپ کے بعد خٹک قوم کا سردار تسلیم کیا گیا۔ شاہ جہاں نے اس کی قابلیت اور اثر کا پورا اندازہ کر لیا تھا؛ چنانچہ مغل حکمت عملی کے مطابق اس کی مدد کی گئی تاکہ برصغیر اور افغانستان کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ بند نہ ہونے پائے۔ اورنگ زیب نے تخت نشین ہونے کے بعد کسی وجہ سے خوشحال خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا؛ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں تقریباً سات سال رکھا گیا۔ اسیری کے زمانے میں اس نے بہت سے نظمیں لکھیں۔ بعدازاں اس کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد وطن واپس پہنچ کر اس نے تقریباً تمام افغان قبائل کو مغلوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے مغلوں کو افغانستان سے نکال دیا۔ خوشحال خاں نے ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ۸

❁

حوالہ کتب

۱- ابن قتیبہ، کتاب الشعر والشعرا، ص۵۷-۸۲-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۴، ص۱۲۳۶-۱۲۳۷

۲- ابن قتیبہ، کتاب الشعر والشعرا، ص۳۷-۵۶-

+ حسن السیدونی، شرح دیوان امرءالقیس، ص۱۲۸، مطبوعہ قاہرہ-

+ مصطفیٰ الغلاینی، رجال المعلقات العشر، ص۹۷، مطبوعہ بیروت-

+ نواب محمد یار جنگ بہادر، احسن السبک، ص۵۵، مطبوعہ حیدرآباد دکن-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۲، ص۴۷۷

+ Philip K.Hitti, History of the Arabs, pp 93-94.

۳- شبلی-شعرالعجم، ج۱، ص۱۸۸-۲۲۱-

+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص۱۵۷-۱۶۳-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۳، ص۶۸۵-۶۸۶

۴- Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.ii,pp300-302.

+ E.G.Browne, Materials for the Study of the Babi Religion, pp343-351.

۵- نیرنگ خیال، اقبال نمبر، ص۲۲۵

۶- J.M. Kennedy, Wise Sayings of Bhartrihari.

+ CEM Joad, Story of Indian Civilization,p 98

۷- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۳، ص۸۶۹-۸۷۰-

+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ص۱۳۸-۱۴۳

۸- H.G.Raverty, The Poetry of the Afghans, pp. 142-248.

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

حدیثِ بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!

(ص ۳۵۴/۳۰)

''تو بازمانہ بساز'':- مسعود سعد سلمان کا پورا شعر اس طرح ہے:

اگر سپہر بگردد ز حالِ خود تو مگرد
وگر زمانہ نسازد تو با زمانہ بساز -۱

❁

''ما از پئے سنائی و عطار آمدیم!''

(ص ۳۵۹/۳۵)

یہ مصرع رومی کے صاحبزادے سلطان کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ او
ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی کے جس قصیدے کی پیروی میں اقبال نے یہ اشعار لکھے ہیں، اس میں ۶۳ شعر ہیں- اس قصیدے کا پہلا اور آخری شعر حسبِ ذیل ہے:

مکن در جسم و جاں منزل کہ ایں دونست و آں والا
قدم زیں ہر دو بیروں نہ، نہ اینجا باش و نہ آنجا
بہر چہ از اولیا گویند رزقنی و وفقنی
بہر چہ از انبیا گویند آمنا و صدقنا -۲

❁

ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
''گرفتہ چینیاں احرام و مکّی خفتہ در بطحا''

(ص۳۷/۳۶۱)

مصرعِ ثانی سنائی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

چو علمت ہست خدمت کن چو بے علماں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا -۲

❁

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
'کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را'

(ص۳۸/۳۶۲)

مصرع ثانی بہ ادنیٰ تغیر صائب کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

ازاں خورشید بر گردِ جہاں سر گشتہ می گردد
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بندد سرِ خود را -۳

❁

سنائی کے ادب سے میں نے غوّاصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

(ص۳۹/۳۶۳)

''سنائی'':- ابوالمجد مجدود ابنِ آدم سنائی کا وطن غزنی تھا- ان کی زندگی کے حالات تذکرہ نگاروں نے بہت کم لکھے ہیں- یہ بہرام شاہ بن مسعود شاہ غزنوی کے زمانے میں تھے- سنائی کی مشہور تصنیف جو انہوں نے بہرام شاہ کے سامنے پیش کی، حدیقہ یا حدیقۃ الحقیقت ہے- یہ کتاب ۱۱۳۱ء میں ختم ہوئی اور اسی سال مصنف کا انتقال ہو گیا- سنائی اوائل عمر میں قصیدہ نگار تھے اور بہرام شاہ کے درباری شاعر بھی، مگر چند واقعات نے ان پر ایسا گہرا اثر کیا کہ انہوں نے مدح سرائی ترک کر دی اور اپنے لیے دوسرا میدان تلاش کر لیا جس کی وجہ سے آج تک ان کا نام زندہ ہے-

صوفیانہ خیالات کو مثنوی کی صورت میں پیش کرنے والوں میں سنائی صف اول میں آتے ہیں- انہوں نے متعدد مثنویاں لکھی تھیں جن میں حدیقہ سب سے زیادہ مقبول ہوئی -۴

❁

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے
(ص۵۶/۳۸۰)

مصرع ثانی شیفتہ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیبِ داستاں کے لیے

❁

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفا کش کے لیے تنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ
(ص۷۷/۴۰۱)

اقبال کا یہ قطعہ مسعود سعد سلمان کے مندرجہ ذیل قطعہ سے ماخوذ ہے۔

باہمت باز باش و باکبر پلنگ
زیبا بگہ شکار و پیروز بجنگ
کم کن بر عندلیب و طاؤس درنگ
کانجا ہمہ بانگ آمد و اینجا ہمہ رنگ

مسعود سعد کے مضمون کو اقبال نے اپنی جدت فکر سے بغایت بام ترقی پر پہنچا دیا ہے۔

''سلمان'':- مسعود سعد سلمان ۱۰۴۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام سعد سلمان تھا جو شاہ غزنی کی طرف سے لاہور اور دوسرے مقامات میں بہت سی جائداد کا مالک تھا۔ اس کے مرنے پر لوگوں نے سلمان کو اس جاگیر سے محروم کر دیا۔ یہ دادخواہی کے لیے غزنی پہنچا۔ وہاں اس کے مخالفین نے غلط الزامات لگا کر اس کو قید کرا دیا۔ اس نے شاہ غزنی کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اپنی تکالیف کا بھی اظہار کیا۔ بادشاہ خوش ہوا اور سلمان نے قید سے نجات پائی۔ سلمان مرثیہ بھی خوب لکھتا تھا۔ اس کا انتقال ۲۲-۱۱۲۱ء یا ۱۱۲۵ء میں ہوا۔ اس کے حبسیہ قصائد تاثیر اور درد کے لحاظ سے جواب نہیں رکھتے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس کو اپنے عہد کا بڑا شاعر تسلیم کیا ہے۔۵

❁

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام ، عشق ہے کاس الکرام
(ص ۸۷/۴۲۱)

''کاس الکرام''- یہ ترکیب رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

جرعۂ بر ریختی زاں خفیہ جام
بر زمینِ خاکِ من کاس الکرام -٦

اور یہی ترکیب عربی کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی آئی ہے:

شربنا و اهرقنا من الماء جرعة
وللارض من كاس الكرام نصيب

(مطلب یہ ہے کہ جب ہم نے شراب پی، اس کا ایک گھونٹ زمین پر بھی بہا دیا- بس ثابت ہوا کہ سخی کے پیالے میں زمین یعنی دوسروں کا حصہ بھی ہوتا ہے-)

❁

حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
(ص ۱۱۳/۴۳۷)

''حق را بسجودے''- یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل قطعہ سے ماخوذ ہے- اقبال کے مصرع اولیٰ میں ''فریبند'' محذوف ہے-

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار
ساقی و مغنی و شرابے و سرودے
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

❁

دریغ آمدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں
(ص ۱۱۴/۴۳۸)

یہ شعر سعدی کا ہے-

❁

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا ، برگِ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
(ص۱۱۴/۴۳۸)

''اضم اور کاظمہ'' اقبال نے یہ دونوں لفظ عربی کے مشہور قصیدۂ بردہ سے لیے ہیں- قصیدۂ بردہ کا وہ شعر (۲) یہ ہے:

ام هبت الريح من تلقاء كاظمة
واو مض البرق فى الظلماء من اضم

(یا تو مقامِ کاظمہ کی طرف سے محبت کی ہوا چل پڑی یا پھر موضع اضم کی جانب سے بجلی کوندی-)

''فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را''
(ص۱۱۶/۴۴۰)

یہ شعر زبورِ عجم کا ہے جو صفحہ ۳۷۶ پر ہے-

'اگر یک سرِ موئے بر تر پرم
فروغِ تجلّیٰ بسوزد پرم'
(ص۱۳۳/۴۵۷)

یہ شعر سعدی کا ہے-(کلیاتِ سعدی، ص۲۰۴)

''جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں''
(ص۱۵۴/۴۷۸)

غالب کا اصل شعر یوں ہے:(دیوان غالب اردو،ص۸۱)

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

''عاقبت منزلِ ما وادیٔ خاموشان است
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز''
(ص۱۵۶/۴۸۰)

یہ شعر حافظ کا ہے -(ص۲۳۹، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

❁

رومتہ الکبریٰ دگر گوں ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب
(ص۱۵۷/۴۸۱)

دوسرا مصرع انوری کا ہے اور پورا شعر یوں ہے-(دیوان انوری، ج ا، ص ۲۵، مطبع دانش گاہ تہران)

اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب
خویشتن را در چنین نعمت پس از چندیں عذاب

❁

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گذر اوقات
(ص۱۶۲/۴۸۶)

''معرّی''-معرّی کا پورا نام ابوالعلا احمد بن عبداللہ التنوخی تھا- وہ بمقام معرۃ ۹۷۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۵۷ء میں وفات پائی - اس نے شام میں یونانی حکمت اور ہندی فلسفہ کی تعلیم پائی - اس کے بعد بغداد پہنچا جہاں اس نے اپنے لیے عربی ادب میں ایک مقام پیدا کیا-معری کے جوانی کے اشعار بہت مبالغہ آمیز ہیں اور وہ متنبیؔ کی تقلید کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے- اس کے اشعار میں علمی اصطلاحات کی بڑی کثرت ہے- اس کے ہاں مبہم تراکیب بہت زیادہ پائی جاتی ہیں- وہ بیک وقت شاعر اور فلسفی تھا- غفران اور لزومیات اس کی تصانیف ہیں-۷

❁

یہ کہتا ہے فردوسیٔ دیدہ ور
عجم جس کے سرمے سے روشن بصر
(ص۱۶۶/۴۹۰)

''فردوسی'':- فردوسی کا پورا نام ابوالقاسم حسن بن اسحاق بن شرف تھا اور فردوسی تخلص- وہ تقریباً ۹۴۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء میں فوت ہوا- اس کا شمار ایران کے مشہور ترین شعرا میں ہوتا ہے-

وہ دورِ غزنویہ کا سب سے بلند پایہ شاعر تھا- فردوسی اپنے زندۂ جاوید شاہنامہ کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کا مالک ہے- شاہنامہ کی ابتدا دقیقی نے کی لیکن مکمل اس کو فردوسی نے کیا- شاہنامہ ایک بحرِ زخار ہے- فردوسی نے شاہنامہ ۳۵ سال کی مسلسل کاوش کے بعد مکمل کیا- اس کا آغاز طوس میں ہوا تھا اور تکمیل غزنی میں ہوئی- فردوسی کو فارسی ناقدوں نے مثنوی کا پیغمبر مانا ہے اور ہر زمانے میں اس کا کلام عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے-۸

❁

نکتۂ دل پذیر تیرے لیے
کہہ گیا ہے حکیم قاآنی

(ص۴۹۴/۱۷۰)

''قاآنی'':- قاآنی کا پورا نام مرزا حبیب اللہ تھا اور قاآنی تخلص- وہ ۱۸۰۷ء میں بمقام شیراز پیدا ہوا اور ۱۸۵۴ء میں وفات پائی- شاعری اس کو ورثہ میں ملی تھی- اوائل عمر میں قاآنی نے اپنی ذہانت سے پورا فائدہ اٹھا کر تحصیلِ علم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور حکمت و بلاغت اور علوم وفنون میں کامل دستگاہ پیدا کی- اکتسابِ علم سے فراغت کے بعد قاآنی نے اپنی تمام تر توجہ شاعری کی طرف مبذول کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی شیریں کلامی کی وجہ سے دور ونزدیک مشہور ہو گیا- قصیدے میں اس نے متقدمین کی پیروی کی اور ان کے طرز کو پایۂ کمال تک پہنچایا-۹

❁

حوالہ کتب

۱- علی اکبر دہخدا، کتابِ امثال وحکم، ج ۲، ص ۹۱۳
۲- مدرس رضوی، دیوان سنائی، ص ۴۸-۵۴
۳- کلیاتِ صائب، ص ۴۷، مطبوعہ نول کشور لکھنو
۴- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۱۱۵-۱۲۱
۵- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۴۰۲-۴۰۳-
+ شیخ محمد اکرام، ارمغانِ پاک، ص ج-د
۶- مثنویِ معنوی دفتر پنجم، ص ۲۶ مطبوعہ نول کشور لکھنو
۷- احمد حسن الزیات، تاریخ الادب العربی، ص ۳۰۱-۳۰۶
۸- شبلی- شعر العجم، ج ۱، ص ۷۸-۱۵۱-
+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۷۸-۹۹
+ E.G. Browne - A Literary History of Persia, vol.ii,pp129-149.
۹- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۳۶۱-۳۶۵

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور،۱۹۹۰ء)

چشمِ صائب 'از سوادش سرمہ چیں'
روشن و پائندہ باد آں سر زمیں
(ص۵۶/۷۳۲)

''ازسوادش سرمہ چیں''۔پوراشعرصائب کااس طرح ہے:
خوشا وقتے کہ چشمم از سوادش سرمہ چیں گردد
شوم چوں عاشقان و عارفاں از جاں گرفتارش ۔۱

۞

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است
'کہ آں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است'
(ص۵۹/۷۳۵)

مصرع ثانی حافظ کاہےاور پوراشعریوں ہے:(ص۵۴،دیوانِ حافظ،قاضی سجاد)
مجو درستی عہد از جہانِ سست نہاد
کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار دامادست

۞

دولت محمود را زیبا عروس
از حنا بندانِ او دانائے طوس
(ص۵۹/۷۳۵)

''دانائے طوس'':۔ اشارہ فردوسی کی طرف ہےاور یہ ترکیب نظامی کی ہے:
سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس
کہ آراست زلفِ سخن چوں عروس

۞

آں 'حکیمِ غیب' آں صاحب مقام
'ترک جوشِ' رومی از ذکرش تمام
(ص۶۰/۷۳۶)

''حکیمِ غیب'' اور ''ترک جوش'' کی ترکیبیں رومی سے لی گئی ہیں:

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام
از حکیمِ غزنوی بشنو تمام
در الٰہی نامہ گوید شرحِ ایں
آں حکیم غیب و فخرالعارفیں -۲

❁

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب ، دیں از نظر
(ص۶۱/۷۳۷)

یہ شعر اکبرالہ آبادی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

❁

نکتہ سنجِ طوس را دیدم بہ بزم
لشکرِ محمود را دیدم بہ رزم
(ص۶۴/۷۴۰)

''نکتہ سنجِ طوس'':- اشارہ فردوسی کی طرف ہے-

❁

صدق و اخلاص و صفا باقی نماند
''آں قدح بشکست و آں ساقی نماند''
(ص۶۵/۷۴۱)

مصرع ثانی عطار کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

از جمالش ذرۂ باقی نماند
آں قدح بشکست و آں ساقی نماند -۳

❁

او بہ بندِ نقرہ و فرزند و زن
گر توانی سومناتِ او شکن

(ص ۶۵/۷۴۱)

''نقرہ وفرزند وزن'':- یہ الفاظ رومی کے اس شعر سے لیے گئے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن -۴

۞

حوالہ کتب

۱- کلیاتِ صائب، ص۶۹۲ مطبوعہ نول کشور لکھنو
۲- مثنوی معنوی- دفتر سوم- ص ۲۵۶- مطبوعہ نول کشور، لکھنو
۳- مصیبت نامہ، ص ۱۳۹، مطبع نور، مشہد، ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۵ھ ق
۴- مثنوی معنوی، دفتر اول، ص ۸۹، مطبوعہ نول کشور، لکھنو

پس چہ باید کرد

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

حمد بیحد مر رسولِ پاکؐ را
آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را

(ص۳۴/۷۱۰)

اصل شعر عطار کا یوں ہے:

حمد بیحد مر خدائے پاک را
آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را

۞

بہرِ یک ناں نشترِ لا و نعم
منّتِ صد کس برائے یک شکم

(ص۴۴/۷۲۰)

''لاونعم''۔اشارہ ہے عرفی کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف:(کلیات عرفی۔ص۹)

اقبالِ کرم میگزد اربابِ ہمم را
ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

۞

ضرب کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، ۱۹۹۰ء)

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من
'کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند'

(ص۲۱/۵۲۱)

مصرعِ ثانی طالب آملی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

ز غارتِ چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

❁

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
'مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر'

(ص۳۹/۵۳۹)

مصرع ثانی قاآنی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

آں میبر دش از چپ و ایں میکشد از راست
مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر -[۱]

❁

'عشق ناپید و خرد مے گزدش صورتِ مار'
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا

(ص۸۳/۵۸۳)

پہلا مصرع زبورِ عجم کا ہے- پورا شعر اس طرح ہے- (کلیاتِ فارسی، صفحہ ۵۶/۴۰۰)

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار
گرچہ در کاسۂ زر لعل روانے دارد

❁

''غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست
وقتِ ہنر است وکار سازی ست''

(ص۱۰۰/۶۰۰)

یہ شعر نظامی گنجوی کا ہے۔[۲]

نایاب نہیں متاعِ گفتار
صد انوری و ہزار جامی

(ص۱۰۱/۶۰۱)

''انوری'':- محمد نام، اوحدالدین لقب اور انوری تخلص تھا- اپنی ذہانت اور خداداد طبعِ رسا کی وجہ سے شاعری میں نام پیدا کیا- انوری، سلطان سنجر سلجوقی کا مداح تھا، سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا- رشید اور ظہیر اس کے ہم عصر تھے- انوری کا فارسی نظم میں بڑا درجہ ہے- قصیدہ گوئی اور بذلہ سنجی میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھا، جیسا کہ کہا گیا ہے:

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہر چند کہ لانبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

اس کی وفات تقریباً ۱۱۹۱ء میں ہوئی- دیوان وقصائد انوری اب تک مقبول ہیں-[۳]

اپنے نورِ نظر سے کیا خوب
فرماتے ہیں حضرتِ نظامی

(ص۱۰۱/۶۰۱)

''نظامی'':- نظام الدین نام، نظامی تخلص، شہر گنجہ کے رہنے والے تھے- فارسی شاعری کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں- ان کی کتاب 'سکندر نامہ' بہت مقبول ومشہور ہے- خمسۂ نظامی یعنی پانچ کتابوں کا مجموعہ فارسی میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس میں 'مخزن الاسرار'، 'لیلیٰ ومجنوں'، 'خسرو شیریں'، ہفت پیکر اور سکندر نامہ شامل ہیں- ان کی پیدائش ۱۱۳۶ء میں ہوئی- وفات ۱۱۹۹ء میں پائی- ایک دیوان بھی یادگار ہے-[۴]

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے؟
(ص ۱۲۶/۶۲۶)

یہ شعر اس شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

دم کہ مردنائی اندر نائے کرد
در خور نائے است نے در خورد مرد

۞

وہ صاحبِ تحفۃ العراقین
اربابِ نظر کا قرۃ العین
(ص ۱۳۲/۶۳۲)

''صاحب تحفۃ العراقین'':- مراد خاقانی سے ہے- ایران کا مشہور قصیدہ نگار خاقانی، منوچہر بادشاہ، شروان کے عہد میں گذرا ہے- اس کو سلطان الشعرا کا خطاب ملا تھا- اس کا نام افضل الدین ابراہیم بن علی شروانی تھا- شروان کا رہنے والا، ابوالعلا گنجوی کا شاگرد تھا جس نے اسے خاقانی کا تخلص عطا کیا تھا- تحفۃ العراقین کا مصنف ہے جس میں عراقِ عجم اور عراقِ عرب کا حال نظم کیا گیا ہے- ایک ضخیم مجموعۂ قصائد اور ایک دیوانِ غزلیات اور مثنوی تحفۃ العراقین اس سے یادگار ہیں- بمقام تبریز ۱۱۸۶ء میں وفات پائی- اس کے قصائد رفعتِ خیال اور مشکل پسندی کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں- نعتِ رسول ﷺ سے اس کو خاص شغف تھا، اسی لیے حسان العجم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے -۵

۞

حوالہ کتب

۱- کلیاتِ دیوان حکیم قاآنی شیرازی -ص۹۱- چاپ خانۂ علمی تہران، ۱۳۱۸ خورشیدی
۲- نظامی گنجوی از مثنوی لیلیٰ مجنوں، ص ۴۵ سبعۂ حکیم نظامی گنجوی، ج ۱، از وحید دستگیری شرکت چاپ وانتشارات علمی چاپ دوم، مہر ۱۳۶۳ ش
۳- شبلی شعر العجم، ج ۱، ص ۲۲۲-۲۴۲-
\+ آقای دکتر رضازادہ شفق- تاریخ ادبیات ایران ص ۱۶۹-۱۷۵
۴- شبلی- شعر العجم، ج ۱، ص ۲۴۳-۲۹۷
۵- آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۱۹۶-۲۱۳

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال، فارسی ۱۹۷۵ء)

صبنت الکاس عنّا امّ عمرو
و کان الکاس مجراھا الیمینا
اگر ایں است رسمِ دوستداری
بدیوارِ حرم زن جام و مینا
(ص۲۰/۷۷۲)

''امّ عمروؔ'':- عمرو ابن کلثوم، شاعر معلقات، سردار بنی تغلب مشہور جاہلی شاعر تھا- وہ ۶۰۰ء میں زندہ تھا- اس کی پیدائش و وفات کی صحیح تاریخ کا علم نہیں لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۵۰ سال زندہ رہا- اس کی ماں تغلبی شاعر کی بیٹی تھی- اس نے اپنی ماں کی بے عزتی کا انتقام شہزادہ عمرو بن ہند سے لیا-۱

بہ آں قوم از تو می خواہم کشادے
فقیہش بے یقینے ، کم سوادے
بسے نا دیدنی را دیدہ ام من
''مرا اے کاشکے مادر نہ زادے''
(ص۲۳/۷۷۵)

چوتھا مصرع سعدی کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

خردمندان پیشیں راست گفتند
مرا خود کاشکی مادر نزادی-۲

''ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا''
(ص۲۹/۷۸۱)

اقبال نے عزت بخاری کے اس شعر کو ایک عنوان بنایا ہے-

سید عبدالولی نام، عزت تخلص، والد کا نام سعد اللہ تھا جو نہایت نیک عالم اور اورنگ زیب کے معتمد علیہ تھے- عزت اپنے والد کی وفات کے بعد مرشد آباد چلے آئے- الہ وردی خاں نے ان کی مدد کی- اپنے مربی کی وفات کے بعد ۱۷۵۶ء میں یہ ملک دکن پہنچے اور وہیں انتقال کیا- یہ صاحبِ دیوان تھے-۳

❁

''الا یا خیمگی خیمہ فروہل
کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل''
خرد از راندنِ محمل فروماند
زمامِ خویش دادم در کفِ دل

(ص ۳۱/۷۸۳)

یہاں پہلا شعر منوچہری کا ہے-

''منوچہری'':- منوچہری غزنوی دور کا شاعر ہے اور تمام تذکرہ نگاروں نے اس کی قصیدہ نگاری کو سراہا ہے- اس کے کلام کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم متداولہ اور عربی ادب میں دستگاہ کامل رکھتا تھا-

اس کی کنیت ابوالنجم، نام احمد اور تخلص منوچہری تھا- وہ امیر منوچہر کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اس لیے منوچہری تخلص اختیار کیا- بعد کو غزنوی دربار کا متوسل ہوا- آخر ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں وفات پائی- اس کے قصائد میں عربی معاشرت کی مرقع کشی ملتی ہے اور وہ قصیدہ نگاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے-۴

❁

گناہِ عشق و مستی عام کردند
دلیلِ پختگاں را خام کردند
بآہنگِ حجازی می سرایم
''نخستیں بادہ کاندر جام کردند''

(ص ۳۲/۷۸۴)

چوتھا مصرع عراقی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مستِ ساقی وام کردند

❁

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست
طوافِ او طوافِ بام و در نیست
میانِ ما و بیت اللہ رمزیست
کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست

(ص۸۵/۸۳۷)

دوسرا شعر مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

❁

فرنگ آئینِ رزاقی بداند
بایں بخشد ، ازو وامی ستاند
بہ شیطان آنچناں روزی رساند
کہ یزداں اندر آں حیراں بماند

(ص۱۱۵/۸۶۷)

ان اشعار کا بنیادی تصور سعدی کے حسب ذیل اشعار سے لیا گیا ہے: (کلیات سعدی، ص۶۸)

اگر روزی بدانش در فزودی
ز ناداں تنگ تر روزی نبودی
بناداں آنچناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیران بماند

❁

حوالہ کتب

۱- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ا،ص ۳۳۵-
\+ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۱۳۸۲-۱۳۸۳
\+ Reynold A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, pp.109-113.
\+ Philip K. Hitti, History of the Arabs, pp.83-93.
۲- کلیات شیخ سعدی با تصحیح کامل جناب آ قای محمد علی فروغی، کتاب فروشی و چاپ خانہ محمد علی علمی طہران ۱۳۳۸،ص ۴۸۳
۳- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲،ص ۸۳
۴- شبلی، شعر العجم، ج ا،ص ۱۸۲-۲۰۲، طبع اعظم گڑھ

ارمغانِ حجاز

(کلیات اقبال اردو، ۱۹۹۰ء)

وہ کلیم بے تجلی ! وہ مسیح بے صلیب!
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب!
(ص۱۳/۷۰۵)

مصرع ثانی اس شعر سے ماخوذ ہے۔

من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

۞

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چون صنوبر گاہ نالد چوں رباب
(ص۱۴/۷۰۶)

مصرع ثانی قاآنی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

گاہ گریم چوں صراحی، گاہ خندم چوں قدح
گاہ بالم چوں صنوبر ، گاہ نالم چوں رباب

۞

اخلاصِ عمل مانگ نیا گانِ کہن سے
'شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را'
(ص۲۲/۷۱۴)

مصرع ثانی ہلالی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

گر یار کند میل ہلالی عجبے نیست
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را -۱

''ہلالی:۔نورالدین استرآبادی۔وفات ۹۳۶ھ (۱۵۲۹ء)، ترکانِ چغتائی سے منسوب ہونے کی وجہ سے ''چغتائی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ہلالی صفوی دور کے غزل سراؤں میں سے ہے۔

استر آباد میں ولادت ہوئی اور یہیں پرورش پانے کے بعد خراسان گیا اور سلطان حسین بایقرا اور اس کے وزیر امیر علی شیر نوائی کی حکومت میں شامل ہوا اور سلطان بایقرا کی سلطنت کے زوال کے بعد صفوی دور کے اوائل میں عبید اللہ خان ازبک پر حملے کے وقت شیعہ ہونے کے جرم میں قتل ہوا۔ ہلالی کا دیوان جو غزل، قصیدہ، مثنوی پر مشتمل ہے، ''شاہ و درویش'' اور ''صفات العاشقین'' لے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسکی غزلیات بامعنی اور پر لطف ہیں۔۲

۞

''صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است''

(ص۶۰/۷۵۲)

یہ شعر مرزا مظہر جان جاناں کے ''خریطۂ جواہر'' سے ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کے والد مرزا جان شاعر تھے، گویا شاعری مظہر جان جاناں کو ورثے میں ملی تھی۔ مرزا مظہر کا دیوان مشہور ہے۔ اس کو اہلِ تصوف نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ء) میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ زیادہ حصہ عمر کا دہلی میں بسر کیا اور وہیں ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ (۶ جنوری ۱۷۸۱ء) کو انتقال کیا۔۳

حوالہ کتب

۱- دیوان ہلالی، ص۲، مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۲- دکتر محمد معین، فرہنگِ فارسی، ج ۶، (اعلام)، ص ۲۲۹۱، طبع ہشتم، موسسۂ انتشاراتِ امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱

۳- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۱۶۶

باقیاتِ اقبال

(طبع اول،۱۹۵۲ء)

المدد سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

(ص۲۶)

یہ شعر قدسی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔ (ارمغان پاک،ص۱۶۸)

مرحبا سید مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

❁

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

(ص۲۷)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:(دیوان غالب اردو،ص۱۶)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

❁

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری الفت میں
کہ ''فرشتوں نے لیا بہرِ تیمّم مجھ کو''

(ص۳۱)

مصرع ثانی داغ دہلوی کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

دیکھ اے وادیٔ ایمن مجھے وہ خاک ہوں میں
کہ فرشتوں نے لیا بہرِ تیمّم مجھ کو

❁

موج خونِ سرمد و تبریزی و منصور سے
کس قدر رنگیں ہے یا رب داستانِ اہلِ درد

(ص ۱۰۱)

''سرمد'':- سرمد آرمینیا کے رہنے والے ایک شاعر تھے- مذہباً یہودی یا عیسائی مگر نوجوانی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے- ان کا خاندانی نام معلوم نہیں، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا- وہ اپنے تخلص سرمد ہی سے مشہور ہیں اور یہی نام قدیم تذکروں میں بھی پایا جاتا ہے- علم و فضل میں درجہ کمال رکھتے تھے- عربی زبان میں یدِ طولیٰ حاصل تھا- ابتدائی پیشہ تجارت تھا، اسی سلسلے میں شاہ جہاں کے عہد میں ایران سے برصغیر پاک و ہند آئے- شہر ٹھٹھہ (سندھ) میں بھی گزر ہوا- یہاں ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے- یہ عشقِ مجازی حقیقت کا زینہ ثابت ہوا- عقل و حواس جاتے رہے، جذب و جنون طاری ہو گیا- سندھ کے ریگزاروں میں بلا لحاظ سرد و گرم عریاں پھرتے رہے- آخر میں شاہ جہاں آباد پہنچے، شہزادہ داراشکوہ سے ملاقات ہوئی، وہ ان کا معتقد ہو گیا- جب عالمگیر مالکِ تاج و تخت ہوا تو برہنگی کی خبریں اس کے کان تک پہنچائی گئیں- بادشاہ نے قاضی القضاۃ کو سرمد کے پاس برہنگی کی وجہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا- جواب ملا:

دزدے عجبے برہنہ کردست مرا

بادشاہ نے یہ سن کر سرمد کو مجمع عام میں بلایا اور ان سے لباس پہننے کے لیے کہا- انہوں نے کچھ التفات نہ کیا- اس پر عالمگیر نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہِ قتل نہیں ہو سکتی، ان سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا جائے؛ چنانچہ کلمہ پڑھوایا گیا- لیکن انہوں نے لا الہٰ تک ہی پڑھا اور فرمایا کہ میں ابھی تک نفی میں مستغرق ہوں، درجۂ اثبات تک نہیں پہنچا- اس پر علماء نے کفر کا فتویٰ دیا: چنانچہ ان کو قتل کر دیا گیا- یہ واقعہ ۱۶۶۰ء کا ہے اور جامع مسجد دہلی کے قریب گذرا ہے-۱

تبریزی کا اشارہ شمس تبریزی کی طرف ہے-

❁

درس گیر از گرامی ہمہ ورد
کہ برید از خود و باو پیوست

(ص ۱۲۷)

''گرامی'':- شیخ غلام قادر گرامی جالندھر کے ایک قصبے میں ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے- وہ ایک متمول خاندان کے فرد تھے- انہوں نے تعلیم کی ابتدا جالندھر ہی میں کی- بعد ازاں وہ لاہور چلے آئے جہاں

منشی فاضل امتیاز کے ساتھ پاس کیا- شعروشاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا- گرامی نے اسکول کی معلّمی بھی کی اور پولیس کی ملازمت بھی- رام پور بھی گئے اور حیدرآباد بھی- وہ حیدرآباد دکن میں کوئی پینتیس برس رہے- حیدرآباد کے قیام ہی میں گرامی دربار دکن کے شاعر خاص رہے- ۱۹۱۵ء میں دکن کو خیر باد کہہ کر ہوشیار پور چلے آئے اور وہیں ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا- گرامی کے کلام میں مغلیہ شعرا کا رنگ جھلکتا ہے- زبان میں پختگی اور شائستگی ہے اور بعض جگہ نہایت نفیس خیالات بڑے دل آویز طریقے سے نظم کیے ہیں-۲

❁

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر
حیاتش بحق بود روشن دلیلے

(ص۱۳۰)

''اکبر'':- خان بہادر سید اکبر حسین اکبر الہ آباد میں ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے - ۱۸۶۷ء میں وکالت کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا-۱۸۸۰ء میں منصف، ۱۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج ہوئے-فن شاعری سے خاص لگاؤ تھا- وحید الہ آبادی کے مایہ ناز تلامذہ میں تھے-مغربی خیالات کو ایشیائی لباس پہنانا اور انگریزی الفاظ کو اردو میں ضم کرنا، اور ظرافت کے پہلو میں مغربی تعلیم وتہذیب کے برے اثرات کا خاکہ اڑانا ان کا رنگِ خاص تھا- ان سے چار دیوان یادگار ہیں- ۲ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا-۳

❁

لیکن شنیدہَ کہ دمِ گردشِ شراب
پیرِ عجم چہ گفت برندانِ مے پرست
دانا کہ دید شعبدہَ چرخِ حقّہ باز
ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو بہ بست

(ص۱۳۵)

پیرِ عجم کا اشارہ حافظ کی طرف ہے اور دوسرا شعر حافظ کا ہے، لیکن اس طرح ہے: (ص۸۲، حافظ)

دانا چو دید بازئَ ایں چرخِ حقّہ باز
ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو بہ بست

❁

الوداع اے سیر گاہِ شیخِ شیراز الوداع
اے دیارِ بالمیکِ نکتہ پرداز الوداع

(ص ۱۵۰)

''بالمیک'':- بالمیک، وردھن کا بیٹا تھا- ادھیاتما رامائن کی رو سے اگرچہ بالمیک برہمن تھا لیکن وہ چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ رہا کرتا تھا، بالمیک کو رہزنی میں خاصی مہارت ہوگئی تھی اور اس کا یہ مشغلہ ایک مدت تک جاری رہا- ایک روز بالمیک کا سابقہ ایک صاحبِ کرامات بزرگ سے پڑا- اس نے عادت کے مطابق اس بزرگ کو قتل کی دھمکی دی اور اس کا مال واسباب چھیننا چاہا، لیکن اس صاحبِ کرامات بزرگ نے کہا کہ 'تو پہلے اپنے گھر جا اور اپنی بیوی اور بچوں سے مشورہ کر کہ آیا وہ تیری اس لوٹ مار کی زندگی میں شریک ہیں؛ چنانچہ بالمیک اپنے گھر پہنچا اور جواب نفی میں پاکر مایوس ہوا- اس بزرگ نے اسے ایک لفظ 'مارا' بار بار پڑھنے کی تلقین کی (مارا، راما کی بگڑی ہوئی صورت) اور خود غائب ہوگیا- یہ صاحبِ کرامات بزرگ ایک طویل مدت کے بعد واپس ہوا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکو بالمیک مسلسل اس کا ورد کر رہا تھا- آخر کار یہ ڈاکو اس بزرگ کی دعا اور اس ورد کے صلے میں خود بھی باکمال ہوا- صاحبِ کرامات بالمیک صاحب تصنیف بھی تھا- اس کی غیر فانی تصنیف رامائن ہے-[۴]

حوالہ کتب

۱- شیخ محمد اکرام، ارمغانِ پاک، ص ۶۱-۶۲، ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی، اشاعت ثانی ۱۹۵۳ء-

+ نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۲۸۷-۲۸۸

۲- شیخ محمد اکرام- ارمغانِ پاک، ص ۷۷، ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی، اشاعت ثانی، ۱۹۵۳ء-

+ نقوش، شخصیات نمبر، ۵۶-۶۲

۳- طالب الہ آبادی، اکبر الہ آبادی

۴- The Encyclopaedia Indica(HindiEdition), Calcutta 1930,Vol:21,pp,226-228.

رختِ سفر

(نقش اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

''نقش فریادی ہے تیری شوخیِ تحریر کا''
''کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا''
(ص-۸)

غالب کے شعر میں معمولی سا تصرف کیا گیا ہے- اصل شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کر دیا قدرت نے پیدا ایک دونوں کا نظیر
داغ یعنی وصلِ فکرِ میرزا و دردِ میر
(ص-۹)

''فکرِ میرزا اور دردِ میر'' کا اشارہ بالترتیب مرزا غالب اور میر تقی میر کی طرف ہے-

''میر'':- میر محمد تقی نام، میر تخلص- اردو زبان وادب کے ماہرِ فن کی تاریخ پیدائش ووفات میں اختلاف ہے- سالِ پیدائش تقریباً ۱۱۳۷ء (۱۷۱۴ء)- سالِ وفات ذکرِ میر کے حوالے سے ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۹ء) ہوتا ہے- میر کی تصانیف میں ذکرِ میر، نکات الشعرا اور چھ ضخیم دیوان غزلوں کے زیادہ مشہور ہیں- میر اردو غزل کے مسلم الثبوت استاد تھے- ان کے اشعار صاف، سادہ اور تیر ونشتر کا کام دینے والے، درد واثر سے مملو ہوتے ہیں- اظہار جذبات، چُستیِ بندش اور ترنم میں وہ اپنی آپ نظیر ہیں- ان کے کلام میں جو حزن وملال اور حسرت ومایوسی ہے، وہی ان کی شاعری کی جان ہے- میر شاعری اور زبان دانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے - میر کی شہرت خاص طور پر ان کی غزلوں اور مثنویوں پر مبنی ہے- غزلوں میں تو فی الحقیقت ان کا جواب نہیں- میر کے کلام کی حلاوت ودل آویزی، ان کے اشعار کا درد واثر اور رنگینی آج تک مشہور ہے بلکہ جب تک اردو زبان باقی ہے، مشہور رہے گی-۱

زندگی جزو کی ہے کل میں فنا ہو جانا
''درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا''

(ص ۱۳۶)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۳۹)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

❁

نسیم وتشنہ ہی اقبال کچھ نازاں نہیں اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغ سخنداں کا -۲

(ص ۳۸۶)

نسیم اشارہ ہے، سید شبّیر حسین جعفری نسیم بھرت پوری کی طرف-
تشنہ سے مراد ہے حافظ محمّد یوسف خان تشنہ-

حوالہ کتب

۱- مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، صفحہ ۱۴۵-۱۷۴-

۲- باقیات اقبال، طبع ۱۹۷۸ء، آئینہ ادب لاہور-

باب ہشتم

اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر

اسرارِ خودی
(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشمِ نوحے، قلبِ ایوبے طلب

(ص۲۲/۳۸)

''نوحؑ'':- اشارہ حضرت نوحؑ کی طرف ہے۔

حضرت نوحؑ بن لامخ یا لمک عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گذرے ہیں۔حسبِ روایت توریت حضرت آدم سے دسویں پشت میں تھے۔آپ گریہ وزاری بہت کیا کرتے تھے۔عمر ۹۵۰ سال کی پائی۔۱

''ایوبؑ'':- اشارہ حضرت ایوبؑ کی طرف ہے۔

حضرت ایوبؑ اسرائیلی تو نہ تھے لیکن اسحاقی و ابراہیمی تھے یعنی حضرت ابراہیمؑ سے پانچویں پشت میں۔حضرت اسحاقؑ کے بڑے صاحبزادے عیص کی اولاد میں تھے۔توریت میں ہے کہ عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے اور عوض کے متعلق علمائے فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال مغرب میں فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔زمانہ آپ کا متعین نہ ہوسکا۔علمائے یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی اور آپ فرزندانِ یعقوب کے ہم عصر ہیں۔پیغمبر ہونے کے ساتھ آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔

توریت میں ہے:

''عوض کی سرزمین میں ایوب نام کا ایک شخص تھا- وہ شخص کامل اور راستباز اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا- اس کے ہاں سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں- اس کے پاس سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑی بیل اور پانچ سو گدھیاں اور بہت سے نوکر چاکر تھے، ایسا کہ اہل مشرق میں وہ بڑا آدمی تھا''-۲

۞

کاملِ بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

(ص۴۱/۲۵)

''کاملِ بسطام'':- مراد خواجہ بایزید بسطامیؒ ہیں- حضرت بایزیدؒ بسطام کے مشہور ترین صوفی تھے- ان کا اصلی نام طیفور تھا- اسی وجہ سے بعض ان کو بایزید طیفور البسطامی بھی کہتے ہیں- ان کے دادا گبر تھے بعد میں مسلمان ہوگئے تھے- بایزیدؒ اپنے زمانے کے ممتاز ترین صوفیہ میں شمار ہوتے تھے- ان کی عبادت، زہد وتقویٰ اور فنا فی الرسولؐ ایسی چیزیں تھیں جو آنے والے صوفیہ اور اولیا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں- بایزیدؒ کو رسول کریمؐ کی ذات گرامی سے والہانہ عشق تھا- اس کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے تمام عمر اس خیال سے خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں رسول اکرمؐ نے کس طرح اس کو تراش کر کھایا ہے- آپ چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی ترک نہیں کرتے تھے۔۲۶۱ھ(۸۷۵ء) میں انتقال کیا- ابن خلکان کے نزدیک بایزیدؒ کا سالِ وفات ۸۷۷/۸۷۸ء ہے- ۳

۞

با تو می گویم حدیثِ بوعلی
در سوادِ ہند نامِ او جلی

(ص۴۴/۲۸)

''بوعلی'':- نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا- امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے- ان کے والد ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں عراق سے برصغیر پاک و ہند آئے- وہ جید عالم تھے- شیخ بوعلی قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں پانی پت میں پیدا ہوئے- کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کا درس جاری رہا- لیکن جب تصوف کی طرف مائل ہوئے اور عبادت وریاضت کی تو جذب وسکر کی حالت میں علوم وفنون کی تمام کتابیں دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات، کرنال کے نواح میں آخر وقت تک مقیم رہے- لیکن اس جذب وسکر کی

حالت میں بھی آپ تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں مصروف رہے۔ چنانچہ ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی زندۂ جاوید تصنیف ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھا ہے کہ بہت سے راجپوت خاندان آپ ہی کی وجہ سے اسلام لائے۔حضرت بوعلی قلندرؒ کے ہم عصر سلاطین کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان سلاطین میں جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کا انتقال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا اور کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن ان کے بعض اعزہ نے پوشیدہ طور پر نعش کو پانی پت لے جا کر دفن کر دیا۔ قلندرؒ پانی پتی صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ۱۔مکتوبات بنام اختیار الدین۔ ۲۔قلم نامۂ شرف الدین۔ ۳۔مثنوی کنزلاسرار اور ۴۔رسالۂ عشقیہ۔ حضرت بوعلی قلندرؒ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز صوفیہ میں سے ہیں۔ رسالۂ عشقیہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن
از گلِ رعنا بگو با ما سخن ۔۴

۞

ماہی و از سینہ تا سر آدم است
چوں بناتِ آشیاں اندر یم است

(ص۳۷/۵۳)

''بناتِ آشیاں'':۔ سمندر کی تین پریاں جن کو انگریزی میں سائرنز (Sirens) اور عربی میں بنات البحر کہتے ہیں۔ ہومر (Homer) کے ہاں ان کی تعداد دو ہے اور متاخرین کے ہاں بالعموم تین۔ ملاحوں کے توہمات کی رو سے ان کا آدھا جسم مچھلی کا ہے اور آدھا انسان کا اور جہاز ران ان کے پرکیف نغموں سے بے راہ ہو کر دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ابتدائی ادب میں ان پریوں کی ہیئت یوں بھی آئی ہے کہ یہ چڑیاں ہیں جو عورتوں جیسا سر رکھتی ہیں۔بعدازاں ان کی تعریف یہ بھی کی گئی کہ وہ ایسی عورتیں ہیں جن کے پیر چڑیوں کی طرح ہیں اور بازو ہیں بھی اور نہیں بھی۔۵

۞

دل بہ سلمائے عرب باید سپرد
تا دمد صبحِ حجاز از شامِ کُرد

(ص۳۹/۵۵)

''سلمٰی'':۔ ادبیات عرب میں ایک محبوبہ کا نام ہے۔ دوسرے مصرع میں شیخ حسام الدین ضیاء الحق کے مقولے کی طرف اشارہ ہے۔

امسیت کُردیاً وا صحبت عربیاً، یعنی میں شام کو کُرد تھا اور صبح کو عربی بن گیا- مطلب یہ کہ رات ہی رات کے اندر خدا کے فضل سے وہ علوم ومعارف حاصل ہو گئے کہ صبح ہوتے ہی ایک جاہل و نادان انسان فاضل اجل اور خازنِ اسرارِ الٰہی بن گیا-

شیخ صلاح الدین زرکوب کی وفات کے بعد مولانا رومؒ نے حسام الدین چلپی کو جو مولانا کے معتقدان خاص میں سے تھے، ہمدم وہمراز بنالیا تھا اور جب تک وہ زندہ رہے، انہی سے دل کو تسکین دیتے رہے- باوجودیکہ وہ مولانا کے مرید تھے لیکن مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ مولانا کے پیر ومرشد ہیں- مثنوی کی تصنیف کے اصلی محرک حسام الدین ہی تھے- مثنوی کے سلسلۂ تصنیف میں حسام الدین کو خاص دخل رہا ہے: چنانچہ مثنوی کے چھ دفتروں میں سے بجز دفترِ اول کے ہر دفتر حسام الدین ضیاء الحق کے نام سے مزین ہے- ٦

سیّدِ ہجویرؒ مخدومِ امم
مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم

(ص ۵۱/ ٦۷)

''سیدِ ہجویرؒ '':- ابوالحسن کنیت اور علی نام تھا- ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں- شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے- آخرِ زندگی میں لاہور آ کر رہے اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے- ولادت ۴۰۰ھ (۱۰۰۷ء) میں ہوئی اور وفات ۴٦۵ھ (۱۰۷۲ء) میں لاہور میں ہوئی- بھاٹی دروازے کے قریب آپ کا مزار ہے- آپ نے روحانی کسبِ کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان کا سفر کیا اور وہاں کے اولیاء اور صوفیہ سے مستفیض ہوئے- باطنی اور روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلے میں منسلک تھے- حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جو سیدِ ہجویرؒ کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے- جب چلّے سے فارغ ہوئے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخشِ فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

عوام سیدِ ہجویر کو داتا گنج بخش کے نام سے جانتے ہیں-

علی ہجویریؒ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے- آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاھل العیان (۵) بحر القلوب

(۶) الرعایۃ لحقوق اللہ اور (۷) کشف المحجوب - ان میں سے صرف کشف المحجوب ہی ملتی ہے - باقی کتابیں مفقود ہیں - کشف المحجوب ہی میں آپ کے ایک دیوان کا بھی ذکر ملتا ہے - کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے - یہ کتاب ہر زمانے میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثل سمجھی گئی ہے -۷

''پیرِ سنجر'':- اشارہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی طرف ہے-

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی، خواجہ معین الملت والدّین حسن چشتی سجزی، سجستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد غیاث الدین حسن سجزی ایک نہایت صاحبِ جاہ وثروت بزرگ تھے- پندرہ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا- ترکے میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے- ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے- ان بزرگ کی صحبت سے خواجہ معین الدینؒ علائق دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طلب میں مشغول ہو گئے اور سمرقند پہنچے- یہاں قرآن حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تعلیم میں منہمک رہے- سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے- قصبہ ہارون میں شیخ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا- آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے مشہور ترین صوفیہ میں ہے- آپ کے کمالاتِ ظاہری و باطنی اظہر من الشمس ہیں- آپ ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں اجمیر وارد ہوئے- آپ کی تاریخِ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) ہے اور آپ اجمیر میں مدفون ہیں- خواجہ معین الدینؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے مگر ان کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں مثلاً رسالہ درکسبِ نفس، رسالۂ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوانِ معین، انیس الارواح اور دلیل العارفین-۸

❁

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آزر من ز ابراہیمؑ دور

(ص ۵۸/۷۴)

''آزر'':- تاریخ اور توریت میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارح آتا ہے اور قرآن عزیز میں آزر- اس باب میں علماء اور مفسرین نے دو راہیں اختیار کی ہیں - ایک تو یہ کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہو جائے اور یہ اختلاف جاتا رہے، اور دوسرے یہ کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط، یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا ہستیوں کے نام ہیں- اصل بات یہ ہے کہ ''آدار'' کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی آزر کہلایا-

تارح چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پچاری تھا اس لیے آزر ہی کے نام سے مشہور ہو گیا؛ حالانکہ یہ نام نہیں بلکہ لقب تھا، اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا-۹

''ابراہیمؑ'':- حضرت ابراہیمؑ بڑے جلیل القدر پیمبر گزرے ہیں- توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہیمؑ دونوں طرح آیا ہے- سالِ ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے اور آپ کی عمر توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے- سالِ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے- والد کا نام تارح تھا یا عربی تلفظ میں آزر- نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے- وطنِ آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا- جدید جغرافیے میں اسی ملک کو عراق کہتے ہیں- جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اور (UR) آیا ہے-۱۰

❁

حضرتِ شیخِ میانمیرؒ ولی
ہر خفی از نورِ جانِ او جلی

(ص ۶۱/۷۷)

''میانمیر'':- شیخ میاں میرؒ قادری سلسلے کے بہت مشہور بزرگ ہوئے ہیں- آپ کا اصلی نام میر محمد تھا اور لقب میاں میر- آپ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے- شیخ میاں میر ٹھٹھہ کے قریب ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں پیدا ہوئے- بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ سیستان میں پیدا ہوئے اور شیخ سیستان ہی کے خلیفہ تھے- نہایت درجے کے عابد وزاہد تھے- سیستان چھوڑ کر لاہور تشریف لائے اور یہیں ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں انتقال کیا- آپ کا مزار لاہور ہی میں ہے- شہنشاہ جہانگیر کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا- شاہ جہاں بھی دو مرتبہ آپ سے ملنے آیا- داراشکوہ جس کو آپ سے دلی ارادت تھی، کئی مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا- 'ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جو معقولات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، کئی مرتبہ شیخ میاں میرؒ کے پاس آئے اور روحانی فیض حاصل کیا- شہزادہ داراشکوہ نے فارسی میں ایک کتاب شیخ میاں میرؒ کی کرامات اور حالاتِ زندگی سے متعلق قلمبند کی ہے- اخلاق کی مشہور کتاب ضیاالعیون حضرت میاں میرؒ ہی کی تصنیف ہے- ۱۱

❁

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کہ برائے مسلمانان ہندوستان رقم فرمودہ است

(ص ۶۲/۷۸)

میر نجات نقشبند، یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال
جُست راہِ مکتبِ ملاّ جلال

(ص ۶۴/۸۰)

''پیرِ تبریزی'':- مراد شمس الدین محمد تبریزیؒ ہیں-شبلی نے ان کے والد کا نام علاء الدین لکھا ہے اور جامی نے نفحات الانس میں علی بن ملک داؤد تبریزی بتایا ہے-بعض کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے- آپ کو شیخ ابوبکر زنبیل باف تبریزی کا بھی مرید کہا گیا ہے اور بابا کمال الدین جندی کا بھی۔ ممکن ہے آپ سب کی خدمت میں پہنچے ہوں اور سب سے فیض حاصل کیا ہو-شبلی کے بیان کے مطابق ان کے والد کیا بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمعیلیہ کا امام تھا، لیکن انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا-شمسؒ نے تبریز میں علوم ظاہری کی تحصیل کی۔ بعد ازاں بابا کمال الدین جندی کے مرید ہو گئے لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ اختیار نہیں کیا- ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندۂ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا؛ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور شمس تبریزیؒ روم کو روانہ ہوئے اور قونیہ پہنچ کر مولانا رومؒ سے ملے-بعض وجوہ سے مولانا روم اور شمس تبریزؒ کی ملاقات کا یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا-مولانا روم نے صرف دو سال ان کی صحبت میں فیض اٹھایا-شمس تبریزؒ کو مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کر دیا- نفحات الانس میں ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) شمسؒ کی شہادت کا سال درج ہے- مولانا روم شمس تبریزؒ کے فیض یافتہ تھے-۱۲

''کمال'':- مراد بابا کمال الدین جندی ہیں-بابا کمال، شمس تبریزؒ کے پیر ہیں- آپ نے شیخ نجم الدین کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال پیدا کیا- شیخ نجم الدین ہی کے ارشاد کے بموجب انہوں نے مولانا شمس الدین مفتی کے صاحبزادے احمد مولانا سے بھی تربیت حاصل کی- بابا کمال کے حکم کے مطابق شمس تبریزؒ، مولانا روم سے جا کر ملے- وہ اپنے عہد کے مشہور صوفیوں میں سے تھے-۱۳

۞

از تہی دستاں رخ زیبا مپوش
عشقِ سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش

(ص ۷۳/۸۹)

''سلمانؓ'':- سلمان فارسیؓ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک خاندان سے تھا- مجوسی نام مابہ تھا- اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام سلمان رکھا گیا اور دربار رسالتؐ سے سلمان الخیر کا لقب عطا ہوا-

ابو عبداللہ کنیت تھی - ایک مرتبہ کسی نے سلمانؓ سے ان کا نسب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا سلمان ابن اسلام - حضرت سلمانؓ نے اجتہادی طور پر اکثر مذاہب کو جانچنے کے بعد اسلام قبول کیا تھا - اسلام لانے سے پہلے آپ کا آبائی مذہب مجوسی تھا - آپ عبادت میں بہت غلو سے کام لیتے تھے؛ چنانچہ آتش پرستی میں بھی بڑا انہماک تھا - دفعتہً مجوسیت سے نفرت ہوئی اور نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے - جب نصرانی ہوئے تو یہاں بھی غلو سے کام لیا - کچھ عرصے بعد آپ اس مذہب سے بھی دل برداشتہ ہو گئے - بالآخر مذہبِ حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے - سفر میں طرح طرح کے مصائب برداشت کیے اور مدینہ پہنچے، اور رسول کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا - آپ غزوۂ خندق میں رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھے - اسی موقع پر رسول کریمؐ نے فرمایا ''سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے'' - حضرت سلمانؓ زیادہ وقت رسول اکرمؐ کی خدمت میں بسر کرتے اس لیے قدرتاً آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے - حضرت علیؓ آپ کے مبلغ علم کے بڑے مداح تھے - فیاضی، رحم دلی، راست بازی اور قناعت آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں - حضرت سلمانؓ کا انتقال ۳۳ھ (۶۵۳ء) میں بمقام مداین ہوا - ۱۴

''بلالؓ '':- بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا - یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن پیدا مکے میں ہوئے تھے - آپ امیہ ابن خلف کافر کے غلام تھے - اسی حالت میں اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے کافر آقا آپ پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا - آخر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت بلال ؓ کو اس کافر سے خرید کر آزاد کر دیا - رسول کریمؐ کے عاشقِ صادق اور خادمِ خاص تھے اور مسجدِ نبوی کے مؤذن بھی - رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے اور وہیں ۳۰ھ (۶۴۱ء) میں حضرت عمرؓ کے عہد میں وفات پائی - ۱۵

۞

حوالہ کتب

۱- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ا، صفحہ ۱۳۰، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور وکراچی-

+ توریت، پیدائش، باب ۹، آیت ۲۹

۲- توریت، ایوب، باب ا، آیت ا-۳

۳- شبلی، سوانح مولوی روم، صفحہ ۹-

+ فریدالدین عطار، تذکرہ الاولیا اردو، صفحہ ۱۲۴-۱۵۴-

+ جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۶۴-۶۵-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ا، صفحہ ۶۸۶

۴- سیر الاقطاب صفحہ ۹۰-خزینۃ الاصفیا، ج ا، صفحہ ۳۲۸-

+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ صفحہ ۲۳۵-۲۶۰

۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۰، صفحہ ۱۸۷-۱۹۷، طبع چہاردہم

۶- شبلی-سوانح مولوی روم صفحہ ۱۶-

+ جامی، نفحات الانس اردو صفحہ ۴۹۷-۴۹۸-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۸۲۷

۷- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۳۴۷-۳۴۸-

+ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ا-۳۴-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ا، صفحہ ۹۲۷

۸- سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ۳۵-۶۲

۹- محمد حفظ الرحمٰن سیوہاوری، قصص القرآن، ج ا، صفحہ ۱۳۲-۱۳۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، طبع دوم ۱۹۴۶ء

۱۰- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ا، صفحہ ۴۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور وکراچی-

+ توریت، پیدائش، باب ۲۵، آیت ۸

۱۱- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ا، صفحہ ۲۲۹

۱۲- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۴۹۴-۴۹۷-
+ شبلی، سوانح مولوی روم صفحہ ۷-۱۳-
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۳۴۴-۳۴۵
۱۳- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۴۶۲-۴۶۳
۱۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم صفحہ ۸۷-۱۰۳-
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۱۱۶-۱۱۷
۱۵- شاہ معین الدین احمد ندوی- مہاجرین، حصہ اول، صفحہ ۱۹۶-۲۰۴-
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ا، صفحہ ۷۱۸-۷۱۹

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

بو عبید آں سید فوجِ حجاز
در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

''بوعبید'':- عامر نام، ابوعبیدہ کنیت، امین الامت لقب- گو والد کا نام عبداللہ تھا لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے- حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی دعوت وتبلیغ پر آپ اسلام قبول فرما کر رسول اکرم ﷺ کے صحابہ سابقون الاوّلون میں داخل ہوئے- آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ اسلام کے مشہور سپہ سالاروں میں سے تھے- آپ نے مختلف جنگوں میں حصہ لیا اور نمایاں طور پر کامیاب ہوئے- جن لڑائیوں میں آپ شریک ہوئے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق- بنوقریظہ کی سرکوبی میں بھی پیش پیش رہے-

حضرت ابوبکرؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا- آپ ہی اس فوج کے سپہ سالار عام تھے- حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو رومی فوج بڑی تعداد میں دیکھی- یہ دیکھ کر آپ نے تمام اسلامی فوج کو جمع کر لیا اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی؛ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید کو آپ کی امداد کے لیے بھیجا گیا- بالآخر متحدہ فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا اور فتح کر لیا- جنگِ یرموک میں حضرت ابوعبیدہؓ نے غیر معمولی بہادری دکھائی- یرموک فتح ہونے کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آنے کو تیار تھا- آپؓ نے اور حضرت خالدؓ نے حمص اور قنسرین کو فتح کرنے کے بعد تمام شام پر آسانی سے قبضہ کر لیا- بعد ازاں بیت المقدس بھی فتح ہو گیا-

۱۸ھ (۶۳۹ء) میں تمام مفتوحہ ممالک میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام میں اس نے بڑا نقصان پہنچایا- اسی طاعون میں مبتلا ہو کر ۵۸ برس کی عمر میں حضرت ابوعبیدہؓ نے جابیہ میں انتقال کیا اور اس قلیل مدت میں اپنے حیرت انگیز کارنامے دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے-

حضرت ابوعبیدہؓ کے اخلاق وعادات کی نمایاں خصوصیت خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم ہیں-۱

۞

نعرۂ حیدرؓ ، نوائے بوذرؓ است
گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است

(ص۱۰۲/۱۱۸)

''بوذرؓ '':- جندب نام، ابوذر کنیت، مسیح الاسلام لقب تھا- ان کی والدہ کا نام رملہ تھا اور قبیلہ، بنوغفار سے تعلق رکھتی تھیں- حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ بنوغفار رہزنی کیا کرتا تھا- جاہلیت میں آپ کا پیشہ بھی یہی تھا اور نہایت مشہور راہزن تھے- تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے- لیکن کچھ دنوں بعد ان کی زندگی میں دفعتہً ایک انقلاب آیا اور ایسا آیا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہوئے- چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہِ حق کے جویاں تھے، اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا؛ چنانچہ انہوں نے اس وقت دعوتِ حق کو قبول کیا جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں- اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے- کچھ دن مکے میں قیام کے بعد رسول کریمؐ نے ان کو گھر واپس بھیج دیا اور تاکید کی کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو شاید خاندان کو فائدہ پہنچے- چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ارشاد کے مطابق تبلیغ کا فرض ادا کیا- پہلے ان کے بھائی امنا مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کے بعد ان کے قبیلے کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کیا- رفتہ رفتہ ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا- ہجرت کے بعد حضرت ابوذرؓ مدینے چلے آئے تھے- مدینے کے قیام میں ان کا تمام وقت رسول کریمؐ کی خدمت اقدس میں گذرتا تھا- چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے- غزوات میں حضرت ابوذرؓ کی شرکت کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، صرف غزوۂ تبوک میں شرکت کا پتہ چلتا ہے- حضرت ابوذرؓ فطرتاً فقیر منش، زہد پیشہ اور عزلت پسند تھے اور اسی لیے رسول اکرمؐ نے ان کو ''مسیح الاسلام'' کا لقب عطا فرمایا تھا- حضرت ابوذرؓ نے ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں بمقام ربذہ وفات پائی- انتقال کے وقت ان کی ملکیت میں صرف تین گدھے، کچھ بکریاں اور چند سواریاں تھیں- آپ کے علم وفضل کے بارے میں حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا تھا کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے- حضرت عمرؓ جیسے نقاد آپ کو علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامتہ کہلاتے تھے- حضرت ابوذرؓ کے زہد وتقویٰ کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا

''میری امت میں ابوذرؓ میں عیسیٰؑ بن مریم جیسا زہد ہے'' - یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی - عموماً زہاد خشک اور روکھے ہوتے ہیں لیکن حضرت ابوذرؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی - ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا-۲

''قنبرؓ'':- حضرت قنبرؓ حضرت علیؓ کے غلام تھے اور انہیں اس غلامی پر بڑا ناز تھا-۳

۞

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزیدؒ
ایں دو قوت از حیات آید پدید

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

''موسیٰؑ'':- موسیٰ بن عمران سلسلہ اسرائیلی کے مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے- توریت میں ہے کہ عمر ۱۲۰ سال کی پائی- آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثرین کے تخمینے کے مطابق پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا- سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م، سالِ وفات ۱۴۰۰ ق م -۴

۞

از خطیب و دیلمی گفتارِ او
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

(ص ۱۱۷/۱۳۳)

(ضعیف حدیث اسے کہتے ہیں جس کا کوئی راوی غیر محتاط ہو، شاذ حدیث وہ ہے جو ثقات کی روایت کے خلاف ہو اور مرسل حدیث وہ کہلاتی ہے جس کی سند کا آخری حصہ ساقط ہو-)

''خطیب'':- اشارہ ہے ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی کی طرف-

خطیب ۲۴ جمادی الثانی ۳۹۲ھ (۱۰۰۲ء) کو پیدا ہوئے - انہیں علمِ حدیث کی تحصیل کا شوق بچپن ہی سے تھا - اسی علم کے حصول کے لیے خطیب نے بصرہ، نیشاپور، اصفہان، ہمدان اور دمشق کا سفر کیا - بعد ازاں بغداد میں سکونت اختیار کی اور خطابت پیشہ ٹھہرایا، اسی لیے خطیب بغدادی مشہور ہوئے - خطیب کی علمِ حدیث پر کتنی وسیع نظر تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے اکثر ہم عصر محدثین اپنی احادیث کے بارے میں انہی کی رائے پر بھروسا کرتے تھے- خطیب، امام شافعیؒ کے مقلد تھے - ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو ہے - ان میں سب سے زیادہ مشہور ''تاریخ بغداد'' ہے - اس کتاب میں بغداد کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے - اس کا ترجمہ فرانسیسی میں بھی ملتا ہے - خطیب نے بغداد میں ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کو انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے -۵

''دیلمی'':- دیلمی سے مراد حافظ شیرویہ بن شہردار ہیں-

دیلمی ہمدان میں پیدا ہوئے -علمِ حدیث کے لیے ہمدان ، اصفہان ، بغداد اور قزوین کا سفر کیا- ان کی تصانیف میں مشہور کتاب ''فردوس'' ہے جو احادیث کا مجموعہ ہے- اس میں احادیث حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں- شاہ عبدالعزیزؒ نے ''بستان المحد ثین'' میں دیلمی کی فردوس کو ''تودۂ واہیات'' بتایا ہے- وہ کہتے ہیں کہ دیلمی نے احادیث کے جمع کرنے میں صحیح وسقیم کا لحاظ نہیں کیا ہے- دیلمی کی ایک اور کتاب ''تاریخِ ہمدان'' کے نام سے مشہور ہے- سالِ وفات ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) ہے- ۶

شیخ احمد سیّدِ گردوں جناب
کاسبِ نور از ضمیرش آفتاب

(ص ۱۲۲/۱۳۸)

''شیخ احمد'':اشارہ شیخ احمد رفاعیؒ کی طرف ہے-

شیخ احمد رفاعیؒ طریقہ رفاعیہ کے بانی تھے- ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں بصرہ کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوئے - ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) میں مسند ارشاد پر بیٹھے اور ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) میں انتقال فرمایا - شیخ احمد رفاعیؒ عراق کے بڑے مقبول مرشد تھے اور قبلۃ القلوب کے لقب سے مشہور-

شیخ احمد رفاعیؒ کی مدح میں ایک قصیدہ سید محمد ابوالہدیٰ نے عربی میں لکھا تھا- اس کی شرح سید محمود شہاب الدین الآلوسی نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں الاسرار الالٰہیہ کے نام سے لکھی جو اسی سال مصر سے چھپ کر شائع ہوئی- شیخ احمد رفاعیؒ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے- ان کی تصانیف کی تعداد چار ہے- ان میں حکم (الرّفاعی) تصوف میں اور رحیق الکوثر ملفوظات کے بارے میں زیادہ مشہور ہیں- ۷

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

(ص ۱۴۳/۱۵۹)

''مریم'':- حضرت مریمؑ، حضرت عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں- ان کی والدہ حنہ نے ان کا نام مریم رکھا تھا- سریانی میں اس کے معنی ''خادم'' کے ہیں- چونکہ یہ ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کردی گئیں اس لیے یہ نام موزوں سمجھا گیا- قرآن میں حضرت مریمؑ کا ذکر کئی جگہ اختصار کے ساتھ آیا ہے- انتقال ۶۳ء میں ہوا- ۸

''عیسیٰ'':- حضرت عیسیٰؑ سلسلۂ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں- سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے- ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے، وہی آپ کا آبائی وطن تھا- ولادت بیت لمقدس میں ہوئی- خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا- شام اس وقت رومی مملکت کا ایک نیم خودمختار صوبہ تھا اور اس وقت شام کا حکمران ہیرود تھا- مسیحی تقویم میں تین سال کی غلطی ابتدا سے چلی آ رہی ہے اس لیے آپ کا سال ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے- اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیے کہ آپ کی ولادت سنہ ۳ء میں ہوئی- ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ، جمہور اہل سنت کے عقیدے کے مطابق اور مسیحی عقیدے کے مطابق تین دن کے لیے وفات پا کر، آسمان پر اٹھا لیے گئے-۹

حوالہ کتب

۱- فتح الباری، ج۱۰، ص۱۵۹-
+ معین الدین ندوی، مہاجرین حصہ اول، ص۱۵۵-۱۷۱
۲- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص۶۷-۸۷
۳- ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ج۴، ص۴۷۵-
+ نوراللہ شوستری- مجالس المومنین ص۱۳۱ طبع ایران
۴- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱، ص۲۲ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی-
+ توریت، استثنا، باب ۳۴، آیت ۷
۵- شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۳، ص۱۳۳۱-۱۳۴۰-
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۲، ص۹۲۹-۹۳۰
۶- شاہ عبدالعزیز دہلوی، بستان المحدثین، ص۶۰-۶۱-
+ نواب سید صدیق حسن، اتحاف النبلا المتقین باحیا مآثر الفقہا المحدثین، ص۲۶۰-
۷- تاریخ ابن الاثیر ج۱۱، ص۲۰۰-
+ ابن العماد، شذرات الذہب، ج۴، ص۲۵۹-
+ تاریخ ذہبی، ج۲، ص۶۶-
+ امام شعرانی، طبقات ج۱، ص۱۵۶-
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۳، ص۱۱۵۶-۱۱۵۷
۸- فتح الباری، ج۶، ص۳۶۵-
+ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج۴، ص۱۷
۹- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱، ص۳۴-
+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۳، ص۱۵-۲۸ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

پیامِ مشرق
(کلیاتِ اقبال، فارسی،۱۹۹۰)

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند
(ص۲۴/۲۰۰)

''خالدؓ '':- خالد نام، ابوسلیمان کنیت اور سیف اللہ لقب تھا- آپ کی والدہ کا نام لبابہ تھا جو ام المومنین حضرت میمونہؓ کی عزیزہ تھیں - خالدؓ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آ تا تھا- فوج کی سپہ سالاری اورفوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ انہی کے خاندان میں تھا اورظہورِاسلام کے وقت خالداس معزز عہدے پر فائز تھے-

ان کے اسلام کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے-جس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ٦ھ اور ۸ھ (٦۲۷ء)اور(٦۲۹ء) کے درمیان ہے-

اسلام لانے کے بعد اول اول حضرت خالدؓ غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے - اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں اور رسول کریمؐ نے اس کے صلے میں ''سیف اللہ'' کا معزز لقب ان کو عطا فرمایا تھا-

حضرت خالدؓ کی زندگی کا بڑا حصہ جہاد ہی میں گذرا -تقریباً سوا سو لڑائیوں میں شریک ہوئے اور شجاعت کے جوہر دکھائے - وہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک موت نہ آئے گی ،میدانِ جنگ میں بھی بڑے سے بڑے دشمن کے ہاتھ سے قتل نہ ہوں گا - یہی عقیدہ ان کی حیرت انگیز شجاعت کی بنیاد تھا- جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخموں سے چھلنی نہ ہوا ہو- ذوقِ جہاد میں اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے میدانِ جنگ کی سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں ،اس شبِ عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو- آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے، کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدانِ جنگ میں گذری، آج میں بستر مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں- خدا نے آپ کے قدموں میں یہ خاص برکت دی تھی

کہ جدھر رخ کیا، کبھی ناکام واپس نہ لوٹے۔ خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا، فتحیاب ہوا۔ اس قول کی صداقت پر تاریخ کا لفظ لفظ شاہد ہے۔ رسول کریمؐ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپ مطمئن ہوجاتے۔ آپ کا انتقال مدینے میں ۲۲ھ (۶۴۲ء) میں ہوا۔ حضرت عمرؓ آپ کے جنازے میں شریک تھے۔

رسولِ اکرمؐ حضرت خالدؓ کے ذوقِ جہاد کی بہت قدر فرماتے تھے اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجے میں اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ ایک موقع پر لوگوں سے کہا کہ خالد کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔۱

بگو جبریلؑ را از من پیامے
مرا آں پیکرِ نوری ندادند
ولے تاب و تبِ ما خاکیاں بیں
بنوری ذوقِ مہجوری ندادند

(ص ۴۰/۲۱۶)

''جبریل'':- اسلامی اصطلاح میں جبریل ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء تک وحی الٰہی پہنچانے کی رہی ہے۔ ۲

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤدؑ

(ص ۱۱۷/۲۹۳)

''داؤد'':- حضرت داؤدؑ کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ق م تا ۹۷۳ق م ہے۔ زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤدؑ کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہدِ عتیق کے مجموعۂ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے اور اس مجموعے کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائلِ شریعت درج نہیں بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں اور جابجا آخری نبیؐ کی بابت پیشگوئیاں بھی پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔۳

دگر از یوسفؑ گم گشتہ سخن نتواں گفت
تپشِ خونِ زلیخا نہ تو داری و نہ من

(ص ۱۳۲/۳۰۸)

''یوسف'':- یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ، پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے- شرفِ نبوت خاندان میں پشتوں سے چلا آ رہا تھا- زمانہ بقول اغلب، ۱۹۰۰ یا ۱۸۰۰ ق م ہے- مولد و مسکن ارض فلسطین میں وادیٔ حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب مغرب میں واقع ہے- ولادت حضرت یعقوب کے محبوب ترین محل حضرت راحیل کے بطن سے ہوئی- خود بھی حسین وخوبرو اور والد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے- آخر آگے چل کر پیمبر ہونے والے تھے، آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے! توریت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے عمر ۱۱۰ برس کی پائی- حموی کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو بلاطہ میں دفن کیا گیا جو فلسطین کے علاقہ نابلس کا ایک گاؤں ہے- حضرت یوسفؑ کا قرآن نے ۲۶ مرتبہ ذکر کیا ہے- انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پردادا حضرت ابراہیمؑ کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن کی ایک سورت سورۂ یوسف نازل ہوئی ہے جو ان کے واقعات سے متعلق عبرت وموعظت کا بے نظیر ذخیرہ ہے-۴

''زلیخا'':- عزیزِ مصر کی بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایاتِ یہود میں زلیخا آیا ہے، اور وہیں سے مسلمانوں میں چل پڑا- ان کے لیے عام طور پر مشہور ہے کہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقدِ نکاح میں آ گئی تھیں۔ لیکن اس کی سند نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے، نہ توریت سے-۵

❁

می خورد ہر ذرّۂ ما پیچ و تاب
محشرے در ہر دمِ ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل، زندگی مشکل تر است

(ص ۱۶۵/۳۴۱)

''خضر'':- حضرت خضرؑ کے بارے میں چند باتیں قابلِ بحث ہیں:

(۱) خضر نام ہے یا لقب؟ (۲) خضر فقط عبدِ صالح (ولی) ہیں یا نبی یا رسول؟ (۳) ان کو حیاتِ ابدی حاصل ہے یا وفات پا چکے؟

مفسرین کے ہاں ان تینوں سوالات کے جواب میں بہت سے اقوال منقول ہیں- چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ خضر نام ہے اور اکثر کا قول ہے کہ یہ لقب ہے، اور پھر نام کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً (۱) بلیا بن ملکان (۲) ایلیا بن ملکان (۳) خضرون، معمر، الیاس، الیسیع وغیرہ-

دوسرے سوال کے جواب میں بعض کا قول ہے کہ وہ فقط ''عبدِ صالح'' تھے اور بعض کہتے ہیں کہ رسول تھے مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نہ رسول تھے اور نہ فقط عبد صالح بلکہ ''نبی'' تھے۔

اور تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو حیاتِ ابدی حاصل ہے اور وہ اب تک زندہ ہیں، اور اس سلسلے میں کچھ روایات و حکایات بھی بیان کرتے ہیں۔ اور جلیل القدر محققین فرماتے ہیں کہ ان کے لیے حیات ابدی کا ثبوت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے، لہٰذا وہ بھی عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے ہیں۔ ۶

(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال حضرت خضرؑ کی حیاتِ ابدی کے قائل ہیں۔)

حوالہ کتب

۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص ۱۶۱-۱۸۹۔

۲۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیرِ ماجدی، ج ۱، ص ۳۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی۔

۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۸ اور ۲۳۰۔

۴۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، ص ۲۵۴-۳۱۱۔
+ توریت، پیدائش، باب ۵۰، آیت ۲۶۔

۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲- ص ۲۶۷۔

۶۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، ص ۵۰۸-۵۱۱۔

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

(ص ۶۲/ ۷۸)

''قصۂ دارورسن'':- اشارہ ہے حسین بن منصور حلاج کے واقعہ دارورسن کی طرف-

''حلّاج'':- حسین بن منصور حلّاج ، فارس کے ایک قصبے میں تقریباً ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں پیدا ہوئے- ان کو حضرت ابوایوب انصاری کے خاندان سے بتایا گیا ہے- حلاج نے ۲۶۰ھ تا ۲۸۴ھ (۸۷۳ء تا ۸۹۷ء) کی مدت گوشہ نشینی میں بسر کی- آخر عوام سے رشتہ منقطع کر لیا اور خراسان اور فارس وغیرہ کا سفر کیا- ۲۹۶ھ (۹۰۸ء) میں وطن واپس ہوئے- اس اثنا میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی- صوفیہ کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور انا الحق کہا کرتے تھے- اس پر اور ان کی بعض تصانیف پر علمائے وقت نے سزائے موت کا فتویٰ دیا؛ چنانچہ ان کو مقتدر، خلیفۂ بغداد کے حکم سے پھانسی دی گئی- حلاج صاحبِ تصنیف صوفی تھے- ان کی تصانیف عربی میں ہیں اور ان تصانیف کا موضوع فقہ، علم کلام اور تصوف پر حاوی ہے-۱

سیّد کی لوحِ تربت

(ص ۶۸/ ۸۴)

اس نظم میں سرسید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

اقبال، سرسید کی خدمات کے معترف تھے- سید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو دس بجے شب علی گڑھ میں انتقال کیا اور کالج کی مسجد میں دفن ہوئے- سرسید نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا- اس کا پہلا شمارہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو نکلا- اس پرچے کے ذریعے اردو صحافت، انشا پردازی، اخلاق و معاشرت اور عام معلومات میں اس قدر ترقی ہوئی اور اتنا اچھا انقلاب

پیدا ہوا کہ اس زمانے کے بیسیوں اردو رسائل اور اخبارات سے نہ ہوسکا تھا- سرسید کے علاوہ بہترین اہل علم وقلم اس کے مضمون نگار تھے- لیکن سرسید کا کام اسی پر ختم نہیں ہوجاتا، وہ ایک تحریک کے بانی تھے جس نے مذہب، تعلیم، تہذیب ومعاشرت سب کو متاثر کیا- یہاں سرسید کی خدمات کا تجزیہ مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا، وہ دوسروں سے نہ ہوسکا- سید احمد خاں نے محمڈن اینگلو اوریئنٹل کالج کا سنگ بنیاد رکھا جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہے- اس کالج کے قیام کے سلسلے میں سرسید کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا- انہوں نے ان مشکلات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا- سرسید نے فرقہ بندی کی مذمت کی اور اس کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا، برعکس اس کے اتحادِ قومی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہے- سرسید اظہارِ حق میں بڑے بیباک تھے- وہ حق بات کہنے میں کسی کی پروانہیں کرتے تھے-۲

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

(ص۸۸/۱۰۴)

یہ نظم اقبال نے اپنے شفیق استاد ٹی۔ ڈبلیو، آرنلڈ کی یاد میں لکھی تھی- مولانا سید میر حسن نے جس طرح اقبال کو فارسی ادب اور شعر وسخن کا شیدائی بنا دیا تھا، اسی طرح آرنلڈ نے اقبال کو فلسفے کا گرویدہ کیا- آرنلڈ ۱۸۸۷ء میں علی گڑھ میں فلسفے کے پروفیسر تھے- ان کی فلسفے میں قابلیت مسلم تھی- علی گڑھ میں انہوں نے شبلی سے عربی ادب کی بعض بلند پایہ کتابیں پڑھیں اور شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ سیکھی تھی- غالبًا ۱۸۹۷ء میں آرنلڈ علی گڑھ سے لاہور آئے اور یہاں اقبال کو ان کی شاگردی کا موقع ملا- ۱۸۹۵ء میں آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' شائع کی- اس کتاب میں اس اعتراض کو رفع کیا گیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے- سرسید کے ایما سے اس کتاب کا اردو ترجمہ عنایت اللہ دہلوی نے کیا اور ''دعوت اسلام'' نام رکھا- آرنلڈ ۱۹۰۴ء کے شروع میں ولایت واپس چلے گئے اور وہیں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا-۳

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

(ص۹۱/۱۰۷)

''اویسؓ '':- اویسؓ بن عامر قرنی، رسول اکرم ﷺ کے غائبانہ عاشق تھے- آپ کا شمار تابعین میں ہے اور آپ کو رسول کریمؐ سے خیر التابعین کا لقب عطا ہوا- حضرت اویسؓ یمن کے رہنے والے، قبیلہ قرن سے تھے- حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جو لڑائی ہوئی تھی، اس میں آپ ۳۷ھ (۶۵۷ء) میں شہید ہوئے- رسول اکرمؐ نے آپ کی نسبت فرمایا ہے کہ ''اویس قرنی احسان و لطف کی رو سے تابعین میں سب سے بہتر ہیں''- حضرت اویسؓ بوجہ غلبۂ حال رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے- ان کی والدہ بوڑھی تھیں اور وہ شتر بانی کر کے ان کی خدمت بجالاتے تھے- رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ آپ کے پاس پہنچے اور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے بموجب ان کا خرقہ حضرت اویسؓ کو دیا-[۴]

۞

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری ، فیض عام ہے تیرا

(ص ۱۰۶/۱۲۲)

اس شعر میں حضرت نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

نام محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھے- حضرت شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں حضرت نظام الدین ماہ صفر ۶۳۲ھ (۱۲۳۶ء) میں پیدا ہوئے - سن تمیز کو پہنچ کر علومِ شرعیہ میں کمال اور تبحر پیدا کیا یہاں تک کہ ہر مباحثے میں آپ ہی کامیاب رہتے- بیس برس کی عمر میں دنیوی معاملات سے دست کش ہو کر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہوئے - ایک عرصے تک پیر کی خدمت میں رہے اور فیض اٹھایا - شعر و سخن کا بھی مذاق پایا تھا- آپ کا انتقال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں ہوا- مزار دہلی میں ہے- محبوبِ الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، یہ ہیں: (۱) فوائد الفواد (۲) فضل الفواد (۳) راحت المحبین اور (۴) سیر الاولیا-[۵]

۞

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

اس شعر میں شمس العلما مولانا سید میر حسن سیالکوٹی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔

''میر حسن'':- مولانا سید میر حسن مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے استاد تھے۔ جب اقبال اس کالج میں انٹرمیڈیٹ میں داخل ہوئے تو مولانا کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اقبال کو اپنے استاد سید میر حسن سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے۔ سید میر حسن اگرچہ انگریزی سے نابلد تھے تاہم پرنسپل، کالج کے امور میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ سیالکوٹ میں شرفا کا طبقہ مولانا سے واقف تھا۔ انہوں نے اقبال کو بڑی محنت سے درس دیا اور اقبال نے پوری تن دہی سے اس درس سے فائدہ اٹھایا۔ آخر میں سید میر حسن اپنے شاگرد پر بڑا ناز کرنے لگے تھے۔ مولانا، مشرقی اخلاق کا نمونہ تھے۔ خودداری، وضع داری اور شگفتہ مزاجی ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ وہ ہر طبقے میں مقبول تھے۔ ان کا انتقال ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔[۶]

❁

وہ میرا یوسفِ ثانی ، وہ شمعِ محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرارِ جاں مجھ کو
(ص ۱۰۷/۱۲۳)

''یوسف ثانی'':- اشارہ ہے علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طرف۔

شیخ عطا محمد، علامہ اقبال کے برادر اکبر تھے۔ غالباً ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ شیخ عطا محمد نے کچھ مروجہ تعلیم مکتب میں حاصل کی اور غالباً تین چار سال سرکاری مدرسے میں بھی تعلیم پائی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہی میں فوج کے رسالے میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد فوج والوں نے انہیں رڑکی انجینئرنگ اسکول میں انجینئرنگ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیج دیا۔ اس تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فوج کے محکمہ تعمیر میں ان کی تعیناتی ہوگئی۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے وہ سب ڈویژنل افسر ہو گئے۔ وہیں سے ۱۹۱۴ء کے قریب پنشن پائی۔ نقشے اور تعمیر کے فن میں بڑے ماہر خیال کیے جاتے تھے۔ پنشن پانے کے تین چار سال بعد فوج والوں نے انہیں دوبارہ ملازمت پر بلا لیا تھا۔ دو تین سال کے بعد انہوں نے ملازمت ترک کر دی۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے لیکن دوستوں کی محفلوں میں ان کی بذلہ سنجی مشہور تھی۔

شیخ عطا محمد، اقبال سے عمر میں تقریباً پندرہ سال بڑے تھے۔ چالیس سال کی عمر تک ان کے اپنے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے چھوٹے بھائی کو بیٹے کی طرح پالا، تعلیم دلائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان اور جرمنی بھیجا۔ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے محبت نہیں، عشق تھا۔ علامہ اقبال کے کلام میں اس غیر معمولی تعلق کا ایک سے زائد بار ذکر آیا ہے۔

انگلستان جاتے ہوئے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا پر جو منظوم دعائیں علامہ اقبال نے کیں، ان میں اپنے بڑے بھائی کے لیے بھی ان الفاظ میں دعا کی:

جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
ہوائے عیش میں پالا، کیا جواں مجھ کو
ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ جاں مجھ کو

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر علامہ اقبال نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' ہے- اس نظم میں بھائی کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے:

وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا

(ص ۲۴۱/۲۵۷)

علامہ اقبال کی وفات کے وقت شیخ عطا محمد کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی تھی اور اس عمر کے لحاظ سے ان کی صحت بھی اچھی تھی لیکن بھائی کی وفات کے صدمے نے ان کی کمر توڑ دی- علامہ اقبال کی وفات کے بعد تقریباً اڑھائی سال زندہ رہے- ان ایام میں علامہ اقبال کے کلام کو پڑھنا اور اشکباری کرنا ان کا روز کا معمول تھا- ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو ۸۲ سال کی عمر میں اپنے وطنِ مالوف سیالکوٹ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے-

سوامی رام تیرتھ

(ص ۱۲۳/۱۳۹)

سوامی رام تیرتھ ۱۸۷۳ء میں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے- ان کے والدین غریب تھے اس لیے تعلیم کا زمانہ تنگدستی میں بسر ہوا - میٹرک کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور بی اے کیا- بعد ازاں یہیں سے ریاضی میں ایم اے بھی کیا اور مشن کالج لاہور میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے- شروع ہی سے ان پر ویدانت کا رنگ غالب تھا- جوں جوں عمر بڑھتی گئی، یہ رنگ کچھ اور گہرا ہوتا گیا- جب ان پر رام کی محبت کا غلبہ ہوتا تو وہ ہفتوں بارہ دری کامران (دریائے راوی کے کنارے)

میں محویت کے عالم میں بیٹھے رہتے اور بعض اوقات اپنے محبوب کی تلاش میں بہت دور نکل جاتے - کچھ دنوں بعد ان کے رام بھگتی (رام سے عشق) کا شہرہ ہو گیا اور حالت یہ ہوئی کہ لاہور کے بڑے بڑے امیر ان کے معتقد ہو گئے - رام سوامی تیرتھ ہر سال گرمی کی تعطیلات گزارنے کے لیے باہر جایا کرتے تھے؛ چنانچہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وہ اپنے معمول کے مطابق ہردوار گئے ہوئے تھے - ایک دن اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے، ویدانیت کا درس دے رہے تھے - دفعتہً انہوں نے غسل کا ارادہ کیا اور تیرتے ہوئے دور نکل گئے - کہا جاتا ہے کہ ان پر اسی حالت میں رام کی محبت کا غلبہ ہوا اور عین دریا میں جذب و مستی کی حالت طاری ہو گئی - نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لہروں میں ڈوب گئے - تین دن بعد ان کی نعش خود بخود کنارے پر آ گئی جسے ان کے عقیدت مندوں نے بڑے احترام کے ساتھ نذرِ آتش کر دیا -

سوامی رام تیرتھ نے جاپان، امریکہ اور مصر کا سفر کیا اور وہاں ان کی پذیرائی کی گئی - امریکہ سے واپسی پر سوامی رام تیرتھ نے بمبئی، آگرہ، متھرا اور لکھنؤ میں اپنے تاثرات اور تجرباتِ سفر تقریروں میں بیان کیے - ان مقامات پر بھی ان کا شاندار استقبال کیا گیا - ۷

❁

سن اے طلبگارِ دردِ پہلو! میں ناز ہوں، تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا
(ص ۱۳۹/۱۵۵)

''ایاز'':- ایاز، سلطان محمود غزنوی کا نہایت معتمد غلام تھا - جواہر خانہ اس کے سپرد تھا - جب وہ وہاں جاتا، اپنی غلامی کا لباس جو اس نے محفوظ رکھا تھا، پہن لیتا - درباری اس سے رشک کرتے تھے - ایک دن سلطان کو اطلاع ملی کہ خدا معلوم ایاز تنہا جواہر خانے میں کیا کیا کرتا ہے - بادشاہ نے اس معمے کو حل کرنا چاہا اور اپنی آنکھوں سے ایاز کے اس تبدیلیٔ پوشاک کے واقعے کو دیکھا - وجہ دریافت کی، جواب ملا کہ میں اپنی پہلی حالت کو روزانہ یاد کر لیتا ہوں تاکہ غرور سر میں نہ سما جائے - بادشاہ اس پر خوش ہوا اور مراتب و مناصب میں ترقی دی - ۸

❁

عبدالقادر کے نام

(ص ۱۴۲/۱۵۸)

''عبدالقادر'':- شیخ عبدالقادر، اقبال کے ہمدم دیرینہ، ۱۸۷۲ء میں لدھیانے میں پیدا ہوئے - ان کے والد تھوڑے ہی عرصے بعد لاہور آ گئے تھے اور یہ ۱۸۸۲ء میں سنٹرل ماڈل اسکول میں تعلیم پانے لگے -

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ عبدالقادر کا سب سے بڑا احسان اردو ادب پر یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا مشہور رسالہ مخزن جاری کیا - اس رسالے نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی - اس رسالے کی بدولت اقبال، اکبر، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، داغ، مرزا محمد ہادی اور عزیز لکھنوی جیسے شعرا سے اردو دان طبقہ روشناس ہوا - نثاروں میں سے شبلی، شرر، نذیر احمد اور حالی جیسی ہستیوں نے اس میں مضامین لکھے - شیخ عبدالقادر نے لندن کے قیام میں ''ہندوستانی اسپیکنگ یونین'' قائم کی جس کو بڑا فروغ ہوا - تاریخ وفات ۹ فروری ۱۹۵۰ء ہے - سر عبدالقادر کا نام اردو ادب کے محسن کی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا - شیخ مرحوم ایک مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے - ان سے جو ملتا تھا، ان کی ادبی قابلیت اور خلوص سے ضرور متاثر ہوتا تھا - ۹

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
(ص ۱۵۶/۱۷۲)

''ایوب انصاریؓ'':- خالد نام، ابوایوب کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے تھے - حضرت ایوب انصاریؓ بھی ان منتخب بزرگانِ مدینہ میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں رسول کریمؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی - خدا نے اہلِ مدینہ کے قبولِ دعوت سے اسلام کو ایک مامن عطا کر دیا اور مسلمان مہاجرین مکے اور اطراف سے آ آ کر مدینے میں پناہ گزیں ہوئے لیکن رسول کریمؐ جو قریش کے ظلم وستم کا حقیقی نشانہ تھے، وہ اب تک ظالموں میں گھرے ہوئے تھے - آخر ماہ ربیع الاول میں نبوت کے تیرہویں سال آپ بھی عازمِ مدینہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر اترے - اس طرح حضورؐ کی میزبانی کا شرف سب سے پہلے حضرت ایوب انصاریؓ کو نصیب ہوا - حضرت امیر معاویہؓ نے ۵۲ھ (۶۷۲ء) میں روم پر فوج کشی کی تو دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس پُر جوش فوج کے سپاہی تھے - اسی سفرِ جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہوگئی - حضرت ابوایوبؓ نے بھی اسی وبا میں انتقال کیا - آپ قسطنطنیہ کی فصیل کے ساتھ دفن کیے گئے - ۱۰

فلسفۂ غم

(ص ۱۶۶/۱۸۲)

(میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا، لاہور کے نام)

میاں فضل حسین ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو بمقام پشاور پیدا ہوئے - ۱۸۹۳ء میں ۱۶ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا - انگریزی، عربی، فارسی اور فلسفے کے ساتھ ۱۸۹۷ء میں پنجاب ہی سے بی اے کیا - فضل حسین کے اساتذہ میں ڈاکٹر آرنلڈ اور مولانا محمد حسین آزاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں - آرنلڈ ہی کے مشورے سے فضل حسین اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج گئے - کیمبرج میں اقبال بھی میاں فضل حسین کے ساتھ تھے - میاں فضل حسین وہاں سے بیرسٹر ہو کر آئے - بیرسٹری کا آغاز سیالکوٹ میں کیا - بعد ازاں ۱۹۰۵ء میں لاہور چلے آئے - ان کو بیرسٹری میں بڑی کامیابی ہوئی - میاں فضل حسین کو شروع ہی سے اہلِ پنجاب کے مسائل سے دلچسپی تھی؛ چنانچہ انھوں نے پنجاب کے سماجی، تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں نمایاں حصہ لیا - وہ انگریزوں کو طاقت کے ذریعے نکالنے کے حامی نہ تھے گویا وہ ایک طرح سے مہاتما گاندھی کی اہنسا والی حکمتِ عملی کے قائل تھے - حکومتِ برطانیہ نے میاں فضل حسین کی خدمات کا اعتراف کیا اور سر کے خطاب سے سرفراز کیا - میاں فضل حسین پنجاب میں وزیرِ تعلیم اور مرکز میں وزیر قانون بھی رہے - انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے فرائض بھی انجام دیے - ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا - [۱۱]

❁

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

(ص ۱۹۰/۲۰۶)

''جگندر'': - سردار جگندر سنگھ ۲۵ مئی ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے - یہ ایک بہت بڑے تعلقہ دار تھے - ان کو ۱۹۱۹ء میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے سر کا خطاب ملا - یہ نواب ذوالفقار علی خاں کے دوست تھے - نواب ہی نے ان کو اقبال سے متعارف کرایا تھا - سردار جگندر سنگھ انگریزی اور فارسی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے - انھوں نے انگریزی میں اسرارِ خودی پر بعض اچھے مضامین لکھے - وہ سکھوں کے مسلمہ لیڈر تھے - سردار جگندر سنگھ سکھ ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر بھی رہے اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر بھی - انھوں نے East and West کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے - ان کی تصانیف میں

کملا، نور جہاں اور نسرین قابلِ ذکر کتابیں ہیں- سردار جوگندر سنگھ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۷ء تک وزیر زراعت بھی رہے- ریاست پٹیالہ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے بھی کام کیا اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو بھی نامزد ہوئے-۱۲

''ذوالفقار علی خاں'':- نواب سر ذوالفقار علی خاں کا آبائی وطن مالیر کوٹلہ تھا اور یہ وہاں کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے- ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں وفات پائی- وہ مسلمانوں کے ہمدرد اور علم وادب کے بڑے قدردان تھے- علامہ اقبال سے ان کی ملاقات ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور یہ سلسلۂ ملاقات آخر وقت تک قائم رہا- Voice from the East or the Poetry of Iqbal لکھ کر انہوں نے اقبال کو یورپ اور امریکہ سے روشناس کیا- انہوں نے لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے علامہ اقبال کے لیے سر کے خطاب کی سفارش کی اور ۱۹۰۱ء میں اقبال کو انہی کی کوشش سے سر کا خطاب ملا- یہ نظم (موٹر) ۱۹۱۳ء میں لکھی گئی- پہلا شعر موٹر ہی میں کہا گیا اور باقی اشعار نواب سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی پر لکھے گئے- اس موٹر کا نام ٹالبوٹ (Talbot) تھا- پنجاب کے مسلمانوں میں سے یہ موٹر صرف انہی کے پاس تھا- سر ذوالفقار علی خاں، اقبال کے بہترین احباب میں سے تھے- ہفتے میں دو یا تین مرتبہ ان کے مکان پر ادبی محفل ہوا کرتی تھی- اس محفل میں میاں محمد شفیع، سر فضل حسین، سر عبدالقادر، سر جگندر سنگھ، سر شہاب الدین وغیرہم شریک ہوا کرتے تھے- بعض اوقات مہاراجگان بھی آیا کرتے تھے- ان محفلوں میں کبھی کبھی سیاسی لیڈر مثلاً حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر انصاری بھی شریک ہوا کرتے تھے- یہ کوٹھی جہاں اس قسم کی محفلیں ہوا کرتی تھیں، ۱۹۱۰ء میں بنی تھی- اقبال ہی نے اس کا نام ''زرافشاں'' تجویز کیا تھا-۱۳

❁

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا

(ص ۲۷۱/۲۵۵)

''مغربی حق شناس'':- اشارہ ڈوئچ کی طرف ہے-

امانوئل آسکر مینہم ڈوئچ (Immanuel Oscar Menham Deutsch) سامی زبان وادب کا جرمن فاضل جو یہودی النسل تھا، ۲۸ اکتوبر ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوا- برلن یونیورسٹی میں اس کے عمیق مطالعے نے اسے یہودی اور کلاسیکل زبانوں کا ماہر بنا دیا اور ۱۸۵۵ء میں وہ برٹش میوزیم لائبریری

میں اسسٹنٹ ہو گیا- اس نے تالمود پر بڑی محنت سے کام کیا اور چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں ۱۹۵ مضامین لکھے- اس کا مشہور مقالہ تالمود سے متعلق کوارٹرلی ریویو (Quarterly Review) میں شائع ہوا- اس کا یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ کیا گیا- اس کا انتقال اسکندریہ میں ۱۲ مئی ۱۸۷۳ء کو ہوا- اسی سال اس کی کتاب Literary Remains کو لیڈی اسٹرینگ فورڈ (Lady Strangford) نے مرتب کر کے شائع کیا-[۱۴]

اسمتھ ایک جگہ لکھتا ہے:[۱۵]

"Bilal, a 'blind' Negro became the first Muezzin; and as Deutsch remarks, even Alexander the Great is at this day an unknown personage in Asia compared to him"

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی !

(ص ۲۸۲/۲۶۶)

''ہمایوں'': - پنجاب کے میاں خاندان میں ۱۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو میاں محمد شاہ دین ہمایوں پیدا ہوئے- ہمایوں اس صدی کے ربع اوّل میں ہندو پاکستان کے مسلمانوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے- علامہ اقبال ان کی بڑی عزت کرتے تھے- ہمایوں کی ذات پر سرسید اور ان کے رفقا کو بھی بڑا ناز تھا جس سے ان کی غیر معمولی ذہانت، قابلیت اور قومی خدمات پر خاصی روشنی پڑتی ہے- ہمایوں اصول کے پابند تھے- انہوں نے ملک وملت کی خدمت واصلاح میں عمر صرف کر دی- ان کو ابتدا ہی سے ادبی ذوق تھا- گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد ہوئے- ہمایوں اصلاح اور ترقی تعلیم کے بڑے حامی تھے- ان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا؛ چنانچہ انہوں نے ہمایوں تخلص اختیار کیا اور اپنے کلام کا ایک مجموعہ ''جذبات ہمایوں'' کے نام سے یادگار چھوڑا-

ہمایوں کے فرزند میاں بشیر احمد نے اپنے والد کی یاد میں ہمایوں نامی ماہنامہ جاری کرنا چاہا تو وہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ میں ہمایوں رسالہ نکالنا چاہتا ہوں، آپ والد کی علمی وادبی خدمات کے صلے میں کوئی نظم تحریر فرمائیں- علامہ اقبال نے رسالے کے لیے ایک نظم لکھی اور وہ اس کی پہلی اشاعت کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی- رسالہ ہمایوں اس وقت سے اب تک پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے- ہمایوں کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو ہوا-

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

(ص ۲۷۵/۲۹۱)

''شاخِ آہو'':- اشارہ فارسی کی مندرجہ ذیل ضرب المثل کی طرف ہے:
براتِ عاشقاں برشاخ آہو- ۱۶

❁

''کھل گئے'' یا جوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ''ینسلون''

(ص ۳۰۶/۳۲۲)

''یاجوج اور ماجوج''- یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن میں دو دفعہ آیا ہے- ایک تو سورۂ کہف میں اور دوسرا سورۂ انبیاء میں- یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہدِ عتیق میں آیا ہے، حزقی ایل نبی کی کتاب میں- عہدِ عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفاتِ یوحنا میں بھی ملتا ہے-

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحینِ توریت کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے توریت کے ترجمہ سبعینی (ترجمہ سبعینی سے مقصود توریت کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا اور جس میں ستر علمائے یہود شریک تھے) میں اختیار کیے گئے تھے-

تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں- یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے- اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے اور اس کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تعمیر کی تھی-

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب ''منگولیا'' کہلاتا ہے- لیکن ''منگول'' لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی، اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

قدیم نام ''موگ'' تھا۔ یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ''میگ'' اور ''مے گاگ'' پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ''ماجوج'' ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقے کے ایک اور قبیلے کا ذکر بھی ملتا ہے جو ''یواجی'' (Yueh-Chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ ''یواجی'' ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج وتلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کرلی تھی کہ عبرانی میں ''یاجوج'' ہو گیا۔[۱۷]

وفد ہندستاں سے کرتے ہیں سر آغا خاں طلب
کیا یہ چورن ہے پئے ہضمِ فلسطین و عراق؟

(ص ۳۰۷/۳۲۳)

''سر آغا خاں'':- سلطان محمد شاہ نام، سال پیدائش ۱۸۷۷ء ہے۔ حکومت برطانیہ، شاہان یورپ اور شاہ فارس سے مختلف خطابات و اعزاز حاصل کیے۔ آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد نے ان کو فرقہ اسمٰعیلیہ کا باضابطہ امام اور جانشین مقرر کیا۔ آغا خان اس فرقے کے ۴۸ویں امام تھے۔ نواح بمبئی میں ان کے مرید کثرت سے پائے جاتے ہیں جو خوجے کہلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسمٰعیلیہ فرقے کے لوگ جو ان کی امامت پر ایمان رکھتے ہیں ایران، افغانستان، روس، وسط ایشیا، چین، ترکستان، مصر، شمالی افریقہ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں پہلی مرتبہ آغا خاں کو علی گڑھ کالج دیکھنے کا موقع ملا، اسی وقت سے وہ مسلمانوں کے قومی کاموں میں دلچسپی لینے لگے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلم یونیورسٹی کی اسکیم کو عمل میں لانے کے لیے آغا خاں نے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ ان کا زیادہ وقت یورپ میں گزرتا تھا۔ آغا خاں نے فلسطین وعراق کا مسئلہ طے کرانے کے لیے برصغیر پاک وہند سے وفد بھی طلب کیا تھا۔ یہ وفد لارڈ کرزن کے ایما پر طلب کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ارکان وفد مجلس اقوام میں انگریزوں کے طرز عمل کی حمایت کریں اور باقاعدہ درخواست کریں کہ جب فرانس کو شام دے دیا گیا تو عراق اور فلسطین پر انگریزوں کا تسلط تسلیم کیوں نہ کیا جائے۔ سیاست ہند پر آغا خاں نے ایک کتاب مرتب کی جو جون ۱۹۱۸ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد آغا خاں کی خودنوشت سوانح کے بعض اجزا شائع ہوئے ہیں۔ ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء کو آغا خاں نے انتقال کیا۔[۱۸]

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے ، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

(ص ۳۲۴/۳۰۸)

اس شعر کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بیرون شاہ عالمی دروازہ اہل لاہور نے اپنے جوشِ ایمان کے تحت ایک مسجد ایک رات ہی میں بنا ڈالی۔ کسی شخص نے علامہ اقبال کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے مسلمانوں کی حرارت ایمانی سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا۔

حوالہ کتب

۱- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۲۳۹-۲۴۰

۲- حالی، حیاتِ جاوید

+ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، صفحہ ۲۷۰-۲۸۰-

+ شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر، صفحہ ۴۵-۵۹

۳- اقبال نمبر، نیرنگ خیال

+ شیخ عبدالقادر، دیباچہ بانگِ درا

۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، تابعین، صفحہ ۳۴-۴۸

+ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیا اردو، صفحہ ۲۲-۲۹

۵- سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ۱۸۰-۲۳۴

۶- محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، صفحہ ۶-۷

+ محمود نظامی، ملفوظات اقبال صفحہ ۲۱۴-۲۱۸

۷- پنڈی داس، سوانح عمری سوامی رام تیرتھ

۸- Beale-An Oriental Biographical Dictionary, W.A Allen & Co., London, 1984,pp.85.

۹- مخزن، مارچ ۱۹۵۰ء

۱۰- مولانا سعید انصاری، سیر انصار حصہ اول، صفحہ ۱۰۹-۱۱۶

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱ صفحہ ۷۵

۱۱- Azim Hussain, Fazl -i- Husain.

۱۲- The Indian Year Book & Who's Who, 1939-40,pp.1024-1025

۱۳- The Indian Year Book & Who's Who, 1939-40,pp.1024-1025

۱۴- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۷ ص ۲۸۱

۱۵- Smith, R. Bosworth, Mohammad and Mohammadenism, John Murray, London,1889,p.211

۱۶- بہارِ عجم، ج ۲، ص ۱۴۶، مطبوعہ نول کشور لکھنو

۱۷- مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۴۲۰

۱۸- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۱۸۰

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

کلیسا سبحۂ پطرس شمارد
کہ او با حاکمی کارے ندارد

(ص۹۵/۴۳۹)

''پطرس''-: پطرس (Simon Peter) ایک ماہی گیر اور حضرت عیسیٰ کا حواری تھا- اس نے جلد ہی حضرت عیسیٰ کا قرب حاصل کر لیا تھا- پطرس کا شمار حضرت عیسیٰ کے مشہور ترین حواریوں میں ہوتا ہے- کچھ عرصہ یہ سینٹ پال کے ساتھ بھی رہا- حضرت عیسیٰ اس پر بڑا اعتماد کرتے تھے- آگے چل کر سینٹ پال سے پطرس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے- اس کی تبلیغ زیادہ تر پونٹس، گلاتیا، ایشیا وغیرہ تک محدود رہی- پطرس کی شہادت کی تصدیق مذہبی روایات سے ہوتی ہے- اس نے جو دو خط لکھے ہیں، ان میں سے پہلا خط تو قابلِ اعتبار خیال کیا جاتا ہے لیکن دوسرا خط معتبر نہیں سمجھا جاتا - پطرس کا ذکر لوقا کی انجیل میں ملتا ہے-۱

❁

کند گورِ تو اندر پیکرِ تو
نکیر و منکرِ او در برِ تو

(ص۱۰۹/۴۴۸)

''نکیر و منکر'':- وہ دونوں فرشتے جو قبر میں مُردے سے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے، تیرا رسول کون ہے، تو نے کیا کیا وغیرہ وغیرہ-۲

❁

فکرِ او نادار و بے ذوقِ ستیز
بانگِ اسرافیلِ او بے رستخیز

(ص۱۲۲/۴۶۵)

''اسرافیل''- اسرافیل اس فرشتہ مقرب کا نام ہے جو قیامت کے دن دو بار صور پھونکے گا- پہلی مرتبہ مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی اور دوسری بار کل مخلوق زندہ ہو جائے گی-۳

❁

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۷، ص ۶۴۶-۶۴۷

\+ James Hastings- Dictionary of the Bible, pp.713-718.

۲- ترمذی، ج ۲، ص ۳۳۹-

\+ نور اللغات، ج ۴، ص ۶۵۴

۳- مظاہر حق ترجمۂ مشکوٰۃ، ج ۴، ص ۳۶۵ مطبوعہ نول کشور لکھنو-

\+ نور اللغات، ج ۱، ص ۲۹۲

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰)

ایں تماشا خانہ سحرِ سامری است
علم بے روح القدس افسوں گری است

(صفحہ ۱۲/۴۸۴)

''سامری'':- مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق سامری کے بارے میں حسب ذیل ہے:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا، یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب- قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے، عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے- یہاں قرآن کا ''سامری'' کہہ کے اسے پکارنا صاف بتا رہا ہے کہ یہ نام نہیں، اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہیں سامری تھا-

حضرت مسیحؑ سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ وفرات کے دوآبے میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں- ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی، عرب تھی- دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی- اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر 'سامرہ' اور 'اور' آباد ہوا تھا جس کا محل اب ''تل ابیب'' میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں-

سمیری قوم کی اصل کیا تھی، اس بارے میں اب تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن نینوا میں اشوری پال (متوفی ۶۶۶ ق م) کا جو کتب خانہ نکلا ہے، اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ (لغت کی کتاب کا بھی) جس میں اکاوی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے- یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی انہی قبائل کے مجموعے سے کوئی دور کا تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے توریت کی اصطلاح 'سامی' اختیار کر لی ہے----- بہر حال سمیری قبائل کا اصل وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے- مصر سے

ان کے تعلقات کا سراغ ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰؑ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ چلا آیا۔ اسی کو قرآن نے ''السامری'' کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ قرآن میں سامری کا واقعہ سورۂ طٰہٰ میں تفصیل سے درج ہے۔۱

۞

صد جبل از خافطین و یلدرم
بر دہانش دود و نار اندر شکم

(ص۳۵/۵۰۷)

''خافطین ویلدرم'':۔ فرضی نام ہیں۔

۞

عارف ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ واہل ہنداورا ''جہاں دوست'' می گویند۔

(ص۳۶/۵۰۸)

''جہاں دوست'':۔ وشوامتر کا ترجمہ ہے۔ وشوامتر، رام کا استاد تھا۔

جہاں دوست کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہاں اشارہ دراصل شیو جی کی طرف ہے جو پاربتی کے شوہر تھے۔

۞

دوش دیدم بر فرازِ قشمرود
ز آسماں افرشتۂ آمد فرود

(ص۳۹/۵۱۱)

''قشمرود'':۔ یہ ایک فرضی نام ہے۔

۞

حرکت بہ وادیٔ یرغمید کہ ملائکہ او را وادیٔ طواسین می نامند۔

(ص۴۴/۵۱۶)

وادی یرغمید میں اقبال اور رومی داخل ہوتے ہیں۔ اس وادی کا نام فرشتوں کی زبان میں وادی ''طواسین'' ہے۔ منصور حلاج کی مشہور تصنیف کتاب الطّواسین فرانس میں طبع ہو چکی ہے۔ طٰہٰ قرآن کی ایک سورت کا نام ہے اور قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ منصور حلاج کی جدت کوشی کا یہ کمال تھا کہ اس نے اپنی تصنیف کے مختلف حصوں کو بجائے ابواب میں تقسیم کرنے کے ان کا نام طواسین (طٰہٰ کی جمع) رکھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی مصنف لفظ ''لوح'' یا ''منزل''، بمعنی باب یا فصل استعمال کرتا ہے۔ چونکہ پاسِ ادب مانع تھا کہ پیغمبروں سے بالمشافہہ ملاقات کی جاتی، اس لیے اقبال نے اس

امر پر اکتفا کی ہے کہ بجائے ان سے مل کر گفتگو کرنے کے ، ان کی ''طواسین'' یا بالفاظ دیگر الواح فلک قمر میں پڑی ہوئی دکھائی ہیں جن کے کتبوں میں سے ہر ایک کی تعلیم کا اہم پہلو واضح ہوگیا ہے-۲

❁

تیز تر نہ پا براہِ یرغمید
تا بہ بینی آنچہ می بایست دید
(ص۴۵/۵۱۷)

''یرغمید'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ
وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ
(ص۵۱/۵۲۳)

'ہفت مرگ'': -یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

گفت در چشمم فسونِ سامری است
نامم افرنگین و کارم ساحری است
(ص۵۱/۵۲۳)

''افرنگین'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

نوحہ روحِ ابوجہل در حرمِ کعبہ
(ص۵۳/۵۲۵)

''ابوجہل'':- اس کا اصلی نام ابوالحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا-ابوجہل کے لفظی معنی جہالت کے باپ کے ہیں- یہ رسول کریمؐ اور دین اسلام کا سخت ترین دشمن تھا- اگرچہ اس کے بیٹے عکرمہؓ نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا مگر یہ خود دولت اسلام سے محروم رہا- ابوجہل ۲ھ (۶۲۴ء) میں مع اپنے بھائی کے جنگ بدر میں ہلاک ہوا-۳

❁

اعجمی را اصلِ عدنانی کجاست
گنگ را گفتارِ سحبانی کجاست
(ص۵۴/۵۲۶)

''سحبانی'':- اشارہ سحبان کی طرف ہے-

سحبان باہلہ قبیلے کا فرد تھا- عرب، فصاحت میں اس کا نام ضرب المثل کے طور پر استعمال کرتے ہیں- سعدی نے اپنی کتاب گلستان میں اس کی فصاحت کی بڑی تعریف کی ہے-[۴]

پاک مرداں چوں فضیل و بوسعید
عارفاں مثلِ جنید و بایزید

(ص ۵۳۲/۶۰)

''فضیل''- حضرت فضیلؒ بن عیاض صوفیہ کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے ہیں- ان کا شمار مشائخ کبار میں ہے- آپ کے ہم عصر آپ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے- آپ کی ریاضت اور زہد وتقویٰ بہت بلند و ارفع تھا- وطن آپ کا کوفہ تھا- بعض نے آپ کو خراسانی اور کچھ راویوں نے بخاری الاصل بتایا ہے- ابتدا میں یہ نہ صرف ایک ڈاکو تھے بلکہ ڈاکوؤں کے سردار بھی تھے- دفعتہً زندگی میں ایک انقلاب ہوا اور رہزنی ترک کر کے زہد وتقویٰ کی راہ اختیار کی- آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اکتساب فیض کیا- انتقال ۱۸۷ھ (۸۰۲ء) میں ہوا -[۵]

''بوسعید'':- حضرت ابوسعیدؒ فضل اللہ بن ابی الخیر اپنے زمانے کے علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے- زہد وتقویٰ میں بڑے راسخ تھے- آپ کے والد امرائے محمود غزنوی سے اکثر مذاکرے کیا کرتے تھے- اسی عہد میں یکم محرم ۳۵۷ھ (۷ دسمبر ۹۶۷ء) کو ابوسعید پیدا ہوئے- ابوسعید نے مرو میں عبداللہ حصیری کی خدمت میں پانچ سال گزارے اور وہیں سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال پیدا کیا- اپنی زندگی کا بڑا حصہ صحرا نوردی میں بسر کیا- اس کے بعد طریقِ ارشاد میں مشغول ہوئے- آپ کی فارسی رباعیاں بہت مشہور ہیں- سال وفات ۴۴۰ھ (۱۰۴۸ء) ہے -[۶]

''جنید'':- حضرت جنیدؒ بغدادی صوفیہ کے طبقہ دوم سے تعلق رکھتے ہیں- آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور لقب قواریری اور زجاج وخراز ہے- زجاج اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد شیشہ فروخت کیا کرتے تھے اور خراز اس لیے کہا گیا کہ آپ ریشم کا کام کرتے تھے- آپ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن پیدا بغداد میں ہوئے- ابوثور کا مذہب رکھتے تھے جو امام شافعی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ سفیان ثوری کا مذہب رکھتے تھے- حضرت سری سقطی اور حارث محاسبی وغیرہ کی صحبت سے فیض پایا اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں- آپ صوفیوں کے امام وسردار ہیں-

آپ سید الطائفہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ کتاب الطبقات اور رسالہ قشیریہ میں آپ کا سال وفات ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) درج ہے اور تاریخ یافعی میں ہے کہ ۲۹۸ھ (۹۱۰ء) میں انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک ۲۹۹ھ (۹۱۱ء) میں وفات پائی۔ ۷

❁

سرِّ عشق از عالمِ ارحام نیست
او زِ سام و حام و روم و شام نیست

(ص ۶۸/۵۴۰)

''سام'':- توریت میں ہے کہ جب حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی تھی تو اس وقت سام پیدا ہوئے۔ توریت ہی میں ان کا نام سم بھی آیا ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو منصب نبوت بھی عطا کیا گیا تھا۔ عمر ۶۰۰ سال کی پائی۔ سام عربوں کے جداعلیٰ ہیں ۔۸

''حام'':- حام کی پیدائش کے وقت بھی حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی تھی۔ حام حبشیوں کے جداعلیٰ ہیں۔۹

❁

بے خبر مرداں ز رزمِ کفر و دیں
جانِ من تنہا چوں زین العابدینؓ

(ص ۸۸/۵۶۰)

''زین العابدین'':- امام زین العابدینؓ بن حسینؓ بن علیؓ۔ آپ بارہ اماموں میں سے چوتھے امام تھے۔ کنیت آپ کی ابومحمد وابوالحسن وابوالقاسم وابوبکر ہے، لقب آپ کا سجاد وزین العابدین وذکی وامین ہے اور نام آپ کا علی ہے۔ سالِ پیدائش ۳۸ھ (۶۵۸ء) ہے۔ اس جنگ میں جو حضرت امام حسینؓ اور یزید بن معاویہ کے درمیان ہوئی، آپ بوجہِ علالت شریک نہ ہو سکے۔ آپ کو عمر بن سعد نے خلیفہ یزید کے پاس مع چند افراد کے بھیج دیا۔ خلیفہ نے عزت واحترام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ جب مدینے کے کچھ لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو انہوں نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ بعض کے نزدیک حضرت زین العابدینؓ کا انتقال ۹۲ھ (۷۱۰-۷۱۱ء) میں ہوا لیکن عام خیال یہ ہے کہ آپ ۹۴ھ (۷۱۲-۷۱۳ء) میں بقید حیات تھے اور ۵۸ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔۱۰

❁

قبرِ ما را علم و حکمت بر کشود
لیکن اندر تربتِ مہدی چہ بود؟

(ص۹۶/۵۶۸)

''مہدی'':- محمد احمد بن سید عبداللہ، مہدی سوڈانی ۱۸۴۸ء میں ایک ملاح کے ہاں پیدا ہوئے- ان کا تعلق صوفیہ کے گھرانے سے تھا۔ ۲۲ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام کی اصلی تعلیمات کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔ جلد ہی مہدی کا لقب اختیار کیا- ۱۸۸۰ء میں خرطوم سے جنوب کی طرف ۵۰ میل کے فاصلے پر ان کی حکومت قائم ہوگئی- جب خرطوم میں اس کی خبر پہنچی تو وہاں کے گورنر نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کیے لیکن انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اور جب فوج روانہ کی گئی تو انہوں نے اس کا قلع قمع کر دیا- مہدی ایک اچھے سپہ سالار اور ایک اچھے منتظم تھے- ۲۲ جون ۱۸۸۵ء کو ان کا انتقال ہوا- انتقال کے وقت ان کی حکومت وسیع ہو چکی تھی یہاں تک کہ اس کی حدود مصر تک پہنچ گئی تھیں-

مہدی سوڈانی نے اپنے پیروؤں کو تلقین کی کہ وہ پیدل چلیں بجز جنگ کے، گھوڑوں کے بجائے گدھوں پر سوار ہوں نیز یہ کہ شادی کے مصارف میں کمی کریں- بنابرایں ان کے پیروؤں نے درویش کا لقب اختیار کیا- وہ صوفیت کی طرف بھی مائل تھے- مہدی کو یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی-۱۱

گفت ''اے کشنر اگر داری نظر
انتقامِ خاکِ درویشے نگر
آسماں خاکِ ترا گورے نداد
مرقدے جز در یمِ شورے نداد''

(ص۹۷/۵۶۹)

''کشنر'':- ہربرٹ کچنر (Herbert Kitchener) ۲۴ جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوا- اس نے مہدی سوڈانی کے پیروؤں کو، جو درویش کہلاتے تھے، ۱۸۱۸ء میں شکست دے کر جنرل گورڈن کی موت کا انتقام لیا اور جوشِ انتقام میں تہذیب کے دائرے سے اس قدر گزر گیا کہ مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا ڈالی- اس 'کارِخیر' کے صلے میں انگریز قوم نے تیس ہزار پونڈ کا انعام اور امیر خرطوم (Lord of Khartoum) کا خطاب عطا کیا- برصغیر کا کمانڈر ان چیف اور بعد کو مصر کا کونسل جنرل بنایا گیا- پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) کے دوران سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ جرمن آبدوز کشتی نے

۵ جون ۱۹۱۶ء کو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا- جاوید نامہ میں کچنر کو ذوالخرطوم کا لقب دیا گیا ہے جو (Lord ofKhartoum) کا لفظی ترجمہ بھی ہے اور ایک تحقیری پہلو بھی رکھتا ہے- ۱۲

۞

ایں نواحِ مرغدین و برخیاست
برخیا نامِ ابو الآبائے ماست
(ص ۱۰۵/ ۵۷۷)

''مرغدین اور برخیا'':- یہ دونوں یہاں فرضی نام ہیں-

۞

فرز مرز آں آمرِ کردار زشت
رفت پیشِ برخیا اندر بہشت
(ص ۱۰۵/ ۵۷۷)

''فرزمرز'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

۞

کاش بودے در زمانِ احمدے
تا رسیدے بر سرورے سرمدے
(ص ۱۵۴/ ۶۲۶)

''احمدے'':- اشارہ ہے شیخ احمد سرہندیؒ کی طرف-

شیخ احمد نام، لقب مجدد الف ثانی تھا- زہد و علم میں بڑی شہرت رکھتے تھے- شیخ عبدالاحد فاروقی کے فرزند تھے- سرہند میں ۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۶۲۵ء میں انتقال کیا- آپ کا مزار سرہند ہی میں ہے- آپ اپنے کمالاتِ علمی و روحانی اور جہادِ قلمی ولسانی کے سبب بزرگانِ اسلام میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں-

شیخ احمد سرہندیؒ نے اکبر بادشاہ کے دینِ الٰہی کا سدباب کیا- اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اس فتنے کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی- نتیجہ یہ نکلا کہ ملتِ اسلامیہ کا وجود خطرے میں پڑ گیا- ان حالات کو دیکھ کر شیخ احمدؒ نے اس فتنے کو ختم کرنے کا تہیہ کیا- گو آپ کے مخالفوں نے آپ کی اس کوشش کو جہانگیر کے سامنے ایک بغاوت کے رنگ میں پیش کیا لیکن آپ نے جہانگیر کی ذرا پروانہ کی اور اس فتنے کا پورے طور پر استیصال کر دیا- آپ کے مکتوبات بڑی شہرت رکھتے ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً تحریر کیے- ۱۳

اس شعر میں بھی حضرت مجدد الف ثانی ہی کی طرف اشارہ مقصود ہے:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
(بال جبریل،صفحہ۲۷/۳۵۱)

۞

سید السادات ، سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ امم
(ص۱۵۹/۶۳۱)

''سیدالسادات'' - اشارہ سید علی ہمدانی کی طرف ہے - سید علی ہمدان کے رہنے والے سادات عظام میں سے تھے - امیر تیمور کی ناراضگی کی وجہ سے ترکِ وطن کر کے سلطان قطب الدین کے زمانے میں کشمیر آئے - سات سو مریدوں کی جماعت آپ کے ہمراہ تھی - یہ ۱۳۸۰ء کا زمانہ تھا - چھ برس تک کشمیر میں رہے - کشمیر کو وہ باغِ سلیمان کہتے تھے - جب ایران واپس جا رہے تھے تو راستے میں انتقال کیا - ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی بھی ان کے بعد تین سو سیدوں کے ساتھ کشمیر آ کر آباد ہوئے اور بارہ برس تک وہاں رہے - انہوں نے جا بجا کشمیر میں حجرے بنوا دیے تھے جو اشاعتِ اسلام کا مرکز سمجھے جاتے تھے - ان کی تبلیغ سے ہزار ہا افراد مسلمان ہو گئے - کشمیری سادات اب تک وہاں موجود ہیں - سید علی ہمدانی اور شاہ ہمدان ایک ہی ہیں -[۱۴]

۞

''زندہ رود''
(ص۱۶۰/۶۳۲)

''زندہ رود'':- یہ ایک کردار ہے جسے اقبال نے خود اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ زندہ رود کے معنیٰ مسلسل بہتی ہوئی حیات آفریں ندی کے ہیں۔ اسی نام کا ایک دریا ایران میں بہتا ہے، جسے عموماً زائندہ رود کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی چار سو کلومیٹر کے قریب ہے اور یہ مغربی ایران سے شروع ہو کر جنوب مشرق کی سمت سفر کرتا ہے۔ یہ دریا اصفہان کے نزدیک سے بھی گزرتا ہے جہاں اسکا پانی آبپاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

۞

علم اگر کج فطرت و بدگوہر است
پیشِ چشمِ ما حجابِ اکبر است
(ص۱۸۶/۶۵۸)

یہاں صوفیہ کے مقولے ''العلم حجاب الاکبر'' کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

۞

بایزید و شبلی و بوذر ازوست
امتاں را طغرل و سنجر ازوست
(ص۱۵۹/۶۶۱)

''شبلی'':- حضرت ابوبکر شبلیؒ بمقام بغداد ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے- آپ کا شمار صرف اپنے زمانے کے صوفیہ ہی میں نہ تھا بلکہ محدثین کے گروہ میں بھی شامل تھے- فقہ مالکی کے مقلد تھے اور جنیدؒ بغدادی کے خلیفہ و مرید- آپ کا اصلی وطن خراسان تھا- بغداد میں جمعہ کے دن ۳۳۴ھ (۹۵۴ء) میں انتقال کیا- حد درجہ مرتاض تھے- ۱۵

اہل حق را حجت و دعویٰ یکے است
'خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے است'
(ص۱۹۰/۶۶۲)

خیمہ ہائے ما جدا الخ- اس عربی ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-
خیامنا شتیٰ و قلوبنا واحدۃ- (ہمارے خیمے جدا جدا ہیں اور ہمارے دل ایک ہیں)

خطاب بہ جاوید

(ص۱۹۴/۶۶۶)

''جاوید'':- اقبال نے یہاں اپنے فرزندِ دلبند جاوید اقبال کو خطاب کیا ہے-
جاوید اقبال ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے- پی ایچ ڈی کیمبرج سے کیا اور انگلستان ہی سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی- علامہ کو ان سے بڑی توقعات تھیں- متعدد علمی کتابوں کے خالق ہیں- علامہ کے سوانح کے ضمن میں ان کا بڑا کام ہے-

رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور
دینِ او اندر کتاب و او بگور
(ص۱۹۵/۶۶۷)

'دینِ او اندر---الخ'، یہ مصرع اس مثل سے ماخوذ ہے: مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب-

صحبتش با عصرِ حاضر در گرفت
حرف دیں را از دو 'پیغمبر' گرفت
آں زِ ایراں بود و ایں ہندی نژاد
آں زِ حج بیگانہ و ایں از جہاد !

(ص۱۹۵/ ٦٦٧)

اقبال نے ان اشعار میں ''آں ز ایراں بود'' اور ''این ہندی نژاد'' کہہ کر اشارہ بالترتیب بہا اللہ اور مرزا غلام احمد کی طرف کیا ہے-

بہا اللہ کا اصلی نام مرزا حسین علی نوری تھا- بابی مذہب کے پیروانِ خاص میں تھا- اس کو استاد ہی سے بہا اللہ کا لقب ملا تھا- ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو بمقام نور (مازندران) پیدا ہوا- تہران میں باب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے یہی تھا- باب کے ایک خادم نے ایک سازش میں شریک ہو کر جب ایران کے بادشاہ پر گولی چلائی تھی تو اس وقت بابیوں کا قتل عام ہوا- اس وقت بہا اللہ جیل میں ڈالا گیا- اس پر بھی قتل کی سازش میں شرکت کا شبہ کیا گیا تھا لیکن تحقیقات کے بعد وہ شبہ غلط ثابت ہوا اور وہ بغداد چلا آیا جہاں بارہ سال تک قیام کیا- تین سال ادرنہ میں رہا، یہاں بھی اس نے بابی مذہب کی تبلیغ شروع کی- جنھوں نے ان کو ''من یظہر اللہ'' تسلیم کیا، وہ بابی کہلائے- بالآخر ایک طویل قید کے بعد ۲۹ مئی ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا- اس کی تصانیف میں چند کتابیں بہت مشہور ہیں- کتاب الاقدس، کتاب الایقان، کلمات فردوسیہ اور تجلیات- آج بہائی مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں-۱٦

مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا- قادیان ضلع گورداس پور وطن تھا- ۱۸۹۰ء میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے- اس سے پہلے اسنے ایک کتاب ''براہان احمدیہ'' کے نام سے لکھی جس میں اسلام کی حقانیت اور سچائی ثابت کی گئی تھی- اس کتاب میں اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا- آریا، عیسائی اور اسلام کے دیگر فرقوں سے اکثر مناظرے کیے- مرزا غلام احمد کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے جو سب مذہبی مناظرے کا رنگ لیے ہوئے ہیں- ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا اور قادیان میں دفن ہوا- اس کو مسیح موعود اور مہدیِ معہود ہونے کا بھی دعویٰ تھا- اس وقت احمدیوں میں دو فرقے ہیں- ایک وہ جو مرزا کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے دوسرا وہ جو اسے صرف مجدد خیال کرتا ہے- یہ دونوں فرقے اسلام سے خارج ہیں-۱۷

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ علامہ نے ان اشعار میں جہاں ان دونوں کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ بہاء اللہ حج کی فرضیت کا منکر تھا اور مرزا غلام احمد جہاد کی فرضیت سے انکار کرتا تھا-

حوالہ کتب

۱- مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج۲،ص۴۶۴-۴۶۵

۲- اقبال نمبر، نیرنگ خیال،ص۲۱۶

۳- Thomas William Beale-An Oriental Biographical Dictionray,p.21

+ قاموس المشاہیر، ج۱، صفحہ۴۲

۴- شیخ عبداللہ بستانی، البستان، ج۱،صفحہ۱۰۵۸، بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

۵- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۲،صفحہ۱۱۷۔

+ جامی-نفحات الانس اردو،صفحہ۴۲-۴۳

۶- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران،صفحہ۱۱۰-۱۱۳،

+ E.G.Browne, A Literary History of Persia. vol.1 pp.104-105.

۷- جامی،نفحات الانس اردو،صفحہ۹۰-۹۴ -

+ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیا،صفحہ۲۸۴-۳۰۳-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۱، صفحہ۱۰۶۲-

۸- توریت، پیدائش-باب۵، آیت۳۲-

+ امین بغدادی، سبائک الذہب،صفحہ۱۲-

۹- امین بغدادی، سبائک الذہب،صفحہ۱۲-

۱۰- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۱،صفحہ۲۸۸-

۱۱- Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.Viii.pp.339-340.

+ F.R. Wingate, Mahdiism and the Egyptian Sudan.

۱۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۳،صفحہ۴۱۹-۴۲۰-

۱۳- ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، حضرت مجدد کا نظریۂ توحید-

۱۴- محمد اعظم، تاریخ کشمیر اعظمی،صفحہ۳۶-۳۷۔

+ مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیا،صفحہ۹۳۸-۹۴۱-

+ قاموس المشاہیر، ج۱،صفحہ۳۱۷-۳۱۸-

۱۵- فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیا اردو،صفحہ۳۷۱-۳۷۸۔

+ جامی، نفحات الانس اردو صفحہ ۲۰۲-۲۰۷ -

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۳٦۰-۳٦۱-

-۱٦ Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.ii.pp301-304.

+ Edward G. Browne, Material for the study of the Babi Religion, pp.3-100

-۱۷ Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.X.pp.530-531.

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی؟

(ص ۳۵۳/۲۹)

''اسمٰعیل'':- حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اکبر تھے، آپ کی مصری بیوی ہاجرہ کے بطن سے- سالِ ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق م، سال وفات غالباً ۱۹۳۷ ق م- آپ کی عمر توریت میں ۱۳۷ سال درج ہے- آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں-۱

۞

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

(ص ۴۰۲/۷۸)

''صاحبِ کشاف''- مراد ہیں مشہور مفسر علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری-

محمود بن عمر زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء) کو موضع زمخشر میں پیدا ہوئے اور ۹ ذی الحجہ ۵۱۸ھ (۱۴ جون ۱۱۴۴ء) کو انتقال کیا- ان کی عمر کا بڑا حصہ مکے میں گزرا- زمخشری، عقائد میں معتزلی تھے لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے، اہل سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں- ابنِ خلکان نے انہیں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، نحو، لغت، معانی اور بیان میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا ہے- ان کی کتابیں مختلف فنون پر ملتی ہیں لیکن ان کی تین کتابیں تفسیر میں کشاف، لغت میں اساس البلاغت اور نحو میں المفصل بہت مشہور ہیں- زمخشری صاحبِ دیوان شاعر تھے-۲

۞

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(ص ۴۱۳/۸۹)

''شعیب'':- توریت میں حضرت شعیبؑ کے دو نام آتے ہیں-یترو اور حوباب-آپ حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے اور سن میں ان سے بڑے-آپ کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی-مدین کسی مقام کا نہیں بلکہ ''قبیلے'' کا نام ہے-اس قبیلے کے نام پر بستی کا نام بھی ''مدین'' مشہور ہوا-حضرت شعیبؑ کا انتقال حضرموت میں ہوا اور یہیں ان کی قبر ہے- آپ مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے-۳

۞

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ! عقل تمام بو لہب!

(ص ۴۴۱/۱۱۷)

''بولہب'':- مراد کفر و شرک-بولہب خاندان قریش کا ایک دولت مند و معزز فرد تھا-رسولِ کریمؐ کا چچا تھا-اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا-یہ رسولِ کریمؐ اور دین اسلام کا سخت دشمن تھا-جب رسولِ کریمؐ کسی مجمع میں وعظ فرماتے تو ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور آپ کے ہر بیان کے بعد کہتا کہ یہ جھوٹ ہے- جنگِ بدر میں کفار کی شکست سے اس کو دلی رنج ہوا اور اس واقعے کے ایک ہفتے کے اندر مر گیا-۴

۞

خضر بھی بے دست و پا ، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جو بہ جو

(ص ۴۷۴/۱۵۰)

''الیاس'':- حضرت الیاسؑ ،حزقی ایل کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور تھے-انجیل یوحنا میں ان کو ایلیا ہی کہا گیا ہے-قرآن میں حضرت الیاسؑ کا ذکر دو جگہ آیا ہے،سورۂ اَنعام میں اور سورۂ والصافات میں - سورۂ اَنعام میں تو ان کو صرف انبیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے ، اور سورۂ والصافات میں بعثت اور قوم کی ہدایت سے متعلق حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے-۵

۞

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

(ص ۴۷۴/۱۵۰)

''آدم'' - حضرت آدمؑ ہی سب سے پہلے بشر تھے اسی لیے ابوالبشر کہلاتے ہیں اور خلیفۃ اللہ کے اولیں مصداق-جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ وفرات کے دوآبے میں آباد ہوئے جواب

ملک عراق کہلاتا ہے- توریت میں ہے کہ آپؑ کے تین صاحبزادے تھے: ہابیل، قابیل اور شیث- توریت ہی میں درج ہے کہ عمر ۹۳۰ سال کی پائی- عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا، کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے اور کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر-٦

حوالہ کتب

۱- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ۱ ص ۴۹-

+ توریت، پیدائش، باب ۲۵ آیت ۱۲ اور ۱۸-

۲- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴ ص ۱۲۰۵-۱۲۰۷-

+ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۹۷۳-۹۷۶-

۳- مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱ صفحہ ۳۱۲ اور ۳۲۲-

۴- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱ صفحہ ۹۷-۹۸-

۵- مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۲ ص ۲۶-

٦- توریت، پیدائش، باب ۵، آیت ۵-

+ مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ۱ ص ۱٦-

مسافر

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہر کہ او را از محبت رنگ و بوست
در نگاہم ہاشم و محمود اوست

(ص۵۷/۷۳۳)

''ہاشم ومحمود'':- نادرشاہ خاں (مرحوم) والیٔ افغانستان کے بھائیوں کے نام ہیں-

سردار ہاشم خاں، نادرشاہ کے عہد میں افغانستان کے صدراعظم تھے-۱

سردار شاہ محمود خاں، نادرخاں (مرحوم) کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں-ان میں ہردلعزیزی اور محبوبیت کی شان معلوم ہوتی ہے- یہ نادرخاں (مرحوم) کے عہد میں وزیر جنگ تھے-۲

❁

ہم ازاں مردے کہ اندر کوہ و دشت
حق ز تیغِ او بلند آوازہ گشت

(ص۴۲/۷۴۸)

''مردے'':- اشارہ شاہ ولی خاں کی طرف ہے-

شاہ ولی خاں، نادرخاں (مرحوم) والیٔ افغانستان کے بھائی تھے، یہ پاکستان میں افغانستان کے سفیر بھی تھے-۱۷اپریل ۱۹۷۷ء کوانتقال کیا -۳

❁

حوالہ کتب

۱- مولانا سید سلیمان ندوی، سیرِ افغانستان، ص۳۲اور ۶۵

۲- ایضاً ص۳۳-۳۴اور ۶۳-

۳- ایضاً ص۳۴-

ضرب کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

تھی خوب حضورِ علما باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سمٰوٰت

(ص۵۹/۵۵۹)

''باب''۔اشارہ مرزا علی محمد باب کی طرف ہے۔

مرزا علی محمد باب شیراز کے ایک سید خاندان کا فرد تھا۔اس نے ۱۰۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں تہران میں دعویٰ کیا کہ میں مامور من اللہ ہوں تا کہ لوگوں کو مہدی اور مسیح موعود کے قبول کرنے کے لیے تیار کروں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے، اسی لیے اسنے باب کا لقب اختیار کیا، یعنی وہ دروازہ جس سے مسیح موعود دنیا میں داخل ہوگا۔باب کے علم وفضل کا عالم یہ تھا کہ وہ صحیح عربی پڑھنے سے قاصر تھا۔

مرزا علی محمد باب کا نیا مذہب ایران میں بڑی تیزی سے پھیلا جس کی اشاعت سے شیعی مذہب اور خود شاہ ایران نے خطرہ محسوس کیا؛ چنانچہ اس کے ایک مرید نے شاہِ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ باب اور اس کے ساتھی اس جرم کی پاداش میں ۱۸۵۲ء میں قتل کردیے گئے۔۱

❁

مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

(ص۱۰۶/۶۰۶)

اس شعر میں اشارہ ڈیوٹی ما (Diotoma) کی طرف کیا گیا ہے۔افلاطون نے اپنے اعلیٰ ترین مکالمے ''مجلسِ مذاکرہ میں قولِ فیصل'' ایک عورت کی زبانی سنوایا ہے جو دانش کی دیوی ہے۔افلاطون بتاتا ہے کہ 'ڈیوٹی ما' ایک دانش منداور پاکیزہ عورت تھی۔افسوس کہ 'ڈیوٹی ما' کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔اس کی بابت جو کچھ معلوم ہے، وہ افلاطون ہی کے بیانات ہیں۔افلاطون کے مطابق یہ عورت ''حسن وعشق'' کے رموز سے بخوبی واقف تھی۔اس نے عشق کے دو مرحلے بتائے ہیں، ایک مجازی اور دوسرا حقیقی۔حقیقت تک رسائی کے لیے مجاز کا زینہ ضروری ہے۔۲

❁

خودی بلند تھی اس خوں گرفتہ چینی کی
کہا غریب نے جلاد سے دمِ تعزیر
ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکیِ شمشیر

(ص ۱۴۳/۶۴۳)

''خوں گرفتہ چینی'':- اشارہ غالباً چینی شاعر کی کان (Ki-Kan) کی طرف ہے-
کی کان (۱۳۰۰-۱۴۰۰ء) نہایت نا انصافی کے ساتھ قتل کیا گیا لیکن اس کا عزم بالجزم اور اس کی رجائیت اس قتل کے سامنے ماند نہ پڑ سکی- کی کان کا مذہب بدھ مت تھا-

۞

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیل و اہرمن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا روحِ موسیقی ہے ، رقص اس کا بدن

(ص ۱۴۴/۶۴۴)

''چینی حکیم'':- اشارہ کنفیوشس کی طرف ہے-
کنفیوشس (Confucious) نے شاعری ، موسیقی اور رقص کے ذریعے چینی عوام کو تعلیم دی - اسے ان فنون سے بڑا شغف تھا- کنفیوشس ۵۰۰ ق م میں پیدا ا اور ۴۶۹ ق م میں فوت ہوا- ۲۲ سال کی عمر میں اس نے ایک اسکول اس مقصد سے قائم کیا کہ بالغوں کو تعلیم دی جا سکے ، نیز حکومت اور اخلاق کی درستی بھی ہو سکے- اس کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار تھی جس میں تقریباً ۸۰ شاگرد ایسے تھے جو اس کے نزدیک اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتے تھے-۳

۞

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں ، تولا نہیں کرتے

(ص ۱۶۰/۶۶۰)

''مرد فرنگی'':- سٹنڈل ہے-

ستاں دال (Marie Henri Beyle Stendhal) ۱۶۸۳ء میں فرانس میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۲ء میں فوت ہوا- فرانس میں نفسیاتی ناول کے موجدوں کی صفِ اول میں شمار کیا جاتا ہے- اس کے مشہور ناولوں میں Le Rouge et le Noir (The Red and Black) اور Romance del' Amour شامل ہیں-اس کے ناول انیسویں صدی کی صدائے بازگشت ہیں -ستاں دال نے نپولین کی بعض جنگوں میں شرکت بھی کی-وہ نپولین اور بائرن کو اپنا ہیرو خیال کرتا تھا-[۴]

۞

محراب گل افغان کے افکار

(صفحہ ۶۷۴/۱۷۴)

''محراب گل'':- ایک فرضی نام ہے -[۵]

۞

حوالہ کتب

۱- Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.ii.pp.293-300.

۲- اقبال، نئی تشکیل از عزیز احمد صفحہ ۴۷۹-۴۸۰، مطبوعہ نذیر پرنٹنگ پریس کراچی-

\+ مکالمات فلاطون، ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین مطبوعہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۳ء-

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۳۳۶-۳۳۹، مطبوعہ ۱۹۵۰ء-

۴- The Reader's Encyclopaedia,p. 1068.

۵- اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۲۳-

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

رہی نہ آہ زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یاد گارِ کمالاتِ احمد و محمود

(ص ۳۱/۷۲۳)

''احمد و محمود'':- احمد سے مراد سر سید احمد خاں ہیں اور محمود کا اشارہ ان کے فرزند جسٹس سید محمود کی طرف ہے۔

''محمود'':- سید محمود ۲۴ مئی ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے اور ۸ مئی ۱۹۰۳ء کو انتقال کیا۔ سید محمود نے کچھ دنوں ایم اے او کالج علی گڑھ میں انگریزی پڑھائی۔ ان کو تعلیم سے تمام عمر دلچسپی رہی۔ سر سید جدید خیالات کے حامی تھے تو سید محمود نے ان خیالات کو عوام کے قریب تر کیا۔ دلائل سے، براہین سے۔ سید محمود نے جج کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۸۷۲ء میں وہ انگلستان سے واپس ہوئے اور چند ہی سال میں انہیں رائے بریلی کا ڈسٹرکٹ جج بنا دیا گیا۔ بعد ازاں الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ محمود کے بعض فیصلے تو ایسے ہیں جو کلاسیکی حیثیت رکھتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو خود بہت بڑے قانون دان تھے، سید محمود کی قانون دانی کے بڑے معترف تھے۔ سید محمود نے ججی سے استعفیٰ دے کر لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ ڈاکٹر ستیش چند بنرجی نے لکھنؤ کے واقعات کا بڑی خوبی سے جائزہ لیا ہے۔ سید محمود کی شرافت کی اہل علم واہل قلم نے بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی قلمی یادگاریں یہ ہیں:

Law of Evidence in India, History of English Education in India

اور تاریخ اسلام (ناتمام)۔ سید محمود نے سر سید کی مشہور کتاب 'خطباتِ احمدیہ' کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔۱

❁

زوال علم و ہنر مرگِ ناگہاں اس کی
وہ کارواں کا متاعِ گراں بہا، مسعود!

(ص ۳۱/۷۲۳)

''مسعود'':- اشارہ نواب مسعود جنگ بہادر، ڈاکٹر سر سید راس مسعود کی طرف ہے۔

سید مسعود، علی گڑھ میں بروز جمعہ ۱۵ فروری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے اور ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں انتقال کیا- سید مسعود بڑے علم دوست تھے- وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے- نواب بھوپال کے ہاں بھی ملازمت کی- علامہ اقبال کو ان سے بڑی عقیدت تھی؛ چنانچہ جو رباعی انہوں نے اپنے لوحِ مزار کے لیے تجویز کی تھی، وہ مسعود مرحوم کے مزار پر لکھی گئی- رباعی یہ ہے:

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمی چند
گلاں را آب و رنگِ دادہ رفتم

سید مسعود، سید محمود کے فرزند تھے-۱

ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض

(ص۴۵/۷۳۷)

ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری- یہ ایک فرضی نام ہے-

''صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است''

(ص۶۰/۷۵۲)

یہ شعر مرزا جانجاناں کا ہے-

سر اکبر حیدری، صدر اعظم، حیدر آباد دکن کے نام

(ص۶۱/۷۵۳)

''سر اکبر حیدری'':- محمد اکبر نذر علی حیدری بمبئی میں ۸ نومبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے اور ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا- ان کا خاندان ابتدا ہی سے تجارت پیشہ رہا ہے- انہوں نے سترہ سال کی عمر میں بمبئی یونیورسٹی سے بی- اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا- ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے اکبر حیدری کو برصغیر پاک و ہند کے مسائل سے دلچسپی تھی اور وہ بمبئی کی اکثر انجمنوں اور جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے- ملک اور قوم کی خدمت کا خیال یہیں پیدا ہوا- اکبر حیدری اٹھارہ سال کی عمر میں ملازمت کے سلسلے میں

منسلک ہو گئے- انہیں ملازمت کے دوران برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات کا دورہ کرنا پڑا- ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد دکن کے وزیرِ مالیات نے اکبر حیدری کو اپنے ہاں طلب کر لیا- بعد ازاں وہ ۱۹۰۷ء میں حیدر آباد کے وزیرِ مالیات مقرر ہوئے- ۱۹۰۱ء میں انہیں ہوم سیکریٹری بنایا گیا- عثمانیہ یونیورسٹی سے اکبر حیدری کو بڑی دلچسپی تھی- انہی کی کوشش سے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعۂ تعلیم قرار پائی- اکبر حیدری ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے- ۱۹۱۹ء میں اکبر حیدری کو حیدر آباد میں صدرالمہام مالیات مقرر کیا گیا- مالیات کی محکمہ وار تقسیم اکبر حیدری کا بڑا کارنامہ ہے- والئ دکن نے مالیات کی کارگذاریوں کے سلسلے میں حیدر نواز جنگ کا خطاب دیا اور حکومتِ ہند کی جانب سے 'سر' کا خطاب ملا اور پریوی کونسلر بھی ہوئے- ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس کے وفد کی قیادت بھی کی- اکبر حیدری طبعاً بڑی سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے- ۲

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد! ایں چہ بوالعجبی است

(ص ۱۲/۷۵۴)

''حسین احمد''- مولانا حسین احمد مدنی بمقام بانگر مئو، ضلع اناؤ میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے- تاریخی نام چراغ محمد ہے- ابتدائی پرورش بانگر مئو ہی میں ہوئی- مولانا کے والد بانگر مئو سے اپنے آبائی وطن ٹانڈہ چلے آئے؛ چنانچہ مولانا کا قیام بھی ٹانڈے میں آٹھ سال تک رہا- ابتدائی تعلیم مولانا نے اپنے والد سے پائی، اس کے بعد دارالعلوم دیو بند بھیج دیے گئے جہاں سے مولانا نے امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی- جب ان کے والد مدینہ منورہ، ہجرت کی غرض سے تشریف لے گئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ تھے- مولانا اور ان کے خاندان نے ارض حجاز میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں- مدینہ طیبہ میں مولانا نے ایک عرصے تک قرآن اور حدیث کا درس دیا- بعد ازاں برصغیر واپس تشریف لے آئے- ایک مدت تک دارالعلوم دیو بند میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور صدر مدرس کے فرائض انجام دیے- مولانا نے ہند کی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیا- آپ شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ساتھ مالٹا میں اسیر رہے- اس کے بعد بھی کانگریس اور خلافت کی تحریک میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے اور اس سلسلے میں کئی بار قید بھی ہوئے- آپ جمعیت العلماء کے صدر بھی رہے- علومِ ظاہری و باطنی میں مولانا کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے علماء اور مشائخ میں تھا- ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو انتقال کیا اور دیو بند میں دفن کیے گئے[۴]-

مولانا کے نزدیک قوم کا دارومدار وطن پر ہے اور اقبال کے خیال میں قوم مذہب سے عبارت ہے۔ یہی اختلاف ان اشعار کی شان نزول ہے۔

حوالہ کتب

۱۔ Eminent Mussalmans, pp.129-144.

۲۔ سید بادشاہ حسین، مشاہیر ہند، ص ۴۹-۶۴

۳۔ Eminent Mussalmans, pp. 491-507.

۴۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، نقش حیات، ج ۱، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

باقیاتِ اقبال
(طبع اول ۱۹۵۲ء)

ارمغانم سلک گوہر ہاست یعنی ایں غزل
کز 'سراجم' نور ہا آمد چہار انگشتری
(ص ۶۲)

''سراجم'':- اشارہ منشی سراج الدین کی طرف ہے-

منشی سراج الدین، علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے- ان کا زیادہ وقت کشمیر میں گزرتا تھا- کشمیر ریذیڈنسی میں میر منشی تھے- فارسی اور اردو کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے- انہیں اردو اور فارسی کے ہزاروں شعر یاد تھے- ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا-۱

❁

اندھیرا 'صمد' کا مکاں ہو گیا
وہ خورشیدِ روشن نہاں ہو گیا
(ص ۶۴)

''صمد'':- اشارہ خواجہ عبدالصمد ککڑو کی طرف ہے-

خواجہ عبدالصمد ککڑو، بارہ مولا کے رئیس اور بااثر افراد میں سے تھے- دبلے پتلے، سرخ و سفید آدمی تھے- پگڑی باندھنے کے شائق تھے- کشمیر میں علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد وہ علامہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہے- خود شاعر تھے مقبل تخلص تھا اور شاعروں کے قدردان بھی تھے- انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں اکثر اپنا کلام سنایا کرتے تھے، اور ان کے بعد علامہ اقبال اپنا کلام سنایا کرتے تھے- ان کا انتقال علامہ سے قبل ہوا-۲

❁

غضب ہے 'غلام حسن' کا فراق
کہ جینا بھی مجھ کو گراں ہو گیا
(ص ۶۵)

''غلام حسن'':- غلام حسن خواجہ عبدالصمد ککڑو کے صاحبزادے تھے-۳

❁

آغا محمد باقر خاں قزلباش

(ص۷۵)

آغا محمد باقر خان قزلباش ۳۱ دسمبر ۱۸۷۹ء کو بدھ کے دن پیدا ہوئے اور ۲۹ اگست ۱۹۲۵ء کو بروز شنبہ انتقال کیا - شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا - بڑے ملنسار اور بردبار انسان تھے -قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی - خلافت کی تحریک میں شریک ہو کر گرفتار ہوئے اور جیل بھی گئے -تقریباً پندرہ سال آنریری مجسٹریٹ رہے - ان کی کوشش ہی سے سیالکوٹ میں پرائمری اسکول ہائی اسکول بنا - آغا باقر کے علامہ اقبال سے دوستانہ تعلقات تھے - یہ اقبال ہی کا اثر تھا کہ آغا باقر اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے - اقبال نے بعض اوقات آغا باقر کے خاندانی جھگڑوں کا بھی تصفیہ کیا اور فریقین نے اس کو بخوشی قبول کیا - آغا باقر فقرا کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا کرتے تھے - رفاہ عام کے کاموں سے ان کو بڑی دلچسپی تھی -

❁

گلِ مضموں سے اے اقبال یہ سہرا ہے 'ناصرؔ' کا
غزل میری نہیں ہے یہ کسی گلچیں کی جھولی ہے

(ص۷۸)

''ناصر'':- اشارہ آغا ناصر خاں کی طرف ہے - آغا ناصر خاں، آغا محمد باقر قزلباش کے صاحبزادے تھے جو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے - یہ دائمی مریض تھے - جب مڈل کی جماعت میں پڑھتے تھے تو بیمار ہوئے اور تعلیم ترک کر کے گھر پر علاج کراتے رہے لیکن صحت نہ ہوئی - آخر اسی بیماری میں مبتلا رہ کر اپریل ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا -

❁

محوِ اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں

(ص۸۱)

''اقبال'':- اقبال، حضرت نظام الدین اولیاؒء کی درگاہ میں حاجب تھے

❁

یعنی نوابِ بہاول خاں ، کرے جس پر فدا
بحر موتی ، آسماں انجم ، زر و گوہر زمیں
(ص۹۰)

''نواب بہاول خاں'':- اشارہ نواب محمد بہاول خان پنجم عباسی کی طرف ہے-

نواب حاجی محمد بہاول خاں پنجم عباسی جن کا ابتدائی نام محمد مبارک خاں تھا،۲۲/۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بمقام ڈیرہ مبارک (صادق گڑھ پیلیس) پیدا ہوئے -تعلیم ایچیسن کالج لاہور میں پائی اور انٹرنس کا امتحان نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا - ۱۱ مارچ ۱۸۹۹ء کو دستار بندی کی رسم ادا کی گئی - تعلیم سے فراغت کے بعد نواب بہاول خاں ۱۵ مئی ۱۹۰۱ء کو لاہور سے بہاول پور پہنچے- یہاں آپ کے شایانِ شان استقبال کیا گیا - یہاں پہنچ کر آپ نے ریاست کا دورہ شروع کر دیا اور علاقے کی کیفیت، رعایا کے حالات بچشمِ خود دیکھنے لگے-۱۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو لارڈ کرزن نے آپ کو حقِ وراثت اور اختیارِ کاملہ عطا کیے- اس موقع پر ایک نہایت عالیشان دربار، نورمحل میں منعقد کیا گیا جس میں پنجاب اور برصغیر پاک و ہند کے ممتاز اور باکمال اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا- ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء کو عدن کے قریب انتقال کیا- لاش بہاول پور لائی گئی اور اسے شاہی قبرستان میں سپردخاک کیا گیا- آپ کے عہد میں بہاولپور نے ہر قسم کی ترقی کی-[۴]

ارتجالاً ہم نے اے اقبال کہہ ڈالے یہ شعر
تھی 'نوازش' کو جو فکرِ امتحانِ اہلِ درد
(ص۹۸)

''نوازش'':- اشارہ نوازش علی خاں کی طرف ہے جو شاید ہائی کورٹ میں بعہدہ مترجمی ملازم تھے- ۱۹۲۲ء کا ذکر ہے، ایک مجلس میں اقبال، گرامی اور بسمل تشریف رکھتے تھے- صاحبِ خانہ نوازش علی خاں نے جو نوازش تخلص کرتے تھے، ایک مصرع بہ ردیف اہلِ درد پڑھا- اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال نے بیان کیا تھا کہ انہیں دردِ قولنج کی شکایت ہے، اور اس وقت اس کے آغاز کے آثار معلوم ہوتے تھے- اس پر غزل کی فرمائش ہوئی اور اقبال نے بحالت درد دو غزلیں اس زمین میں کہیں- دوسری غزل کا مقطع یہ ہے:

کہہ دیا اقبال اک مصرع نوازش نے جو آج
وہ بہانہ ہو گیا بہرِ بیانِ اہلِ درد -۵

از ہوش شدم مگر بہوشم
گوئی کہ 'نصیری' خموشم

(ص۱۰۳)

''نصیری'':- نصیری شیعوں کا وہ فرقہ جو حضرت علیؓ کو (معاذ اللہ) خدا مانتا ہے- اس فرقے کا بانی محمد بن نصیر تھا-۶

۞

تجھ پر ابوہریرہؓ بھی قربان ہوں کہ تھا
وابستگانِ دامنِ فخرالامم سے تو

(ص۱۰۶)

''ابو ہریرہؓ ''-عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت تھی-اصل خاندانی نام عبدشمس تھا، اسلام کے بعد رسول کریمؐ نے عمر رکھا-وجہ کنیت خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرہ'' بلی پالے ہوئے تھا-شب کو ایک درخت میں رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے جاتا اور اس کے ساتھ کھیلتا-لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا-

بچپن میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لیے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے- غزوات میں ان کی شرکت کے مفصل حالات کا ذکر نہیں مگر اس قدر معلوم ہے کہ متعدد غزوات میں شریک ہوئے-حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہ لیا اس لیے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے - اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے ، حدیث کی اشاعت میں خاموشی کے ساتھ مصروف رہے-

حضرت عمرؓ کے زمانے میں زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا - انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا اور اسی دن سے ان کا فقر وافلاس ختم ہوا - وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ ان کے پاس تھا-

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بالکل خاموش رہے ؛ البتہ آخر میں ، حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے بعد، ان کی حمایت میں لوگوں کو امداد واعانت پر آمادہ کرتے تھے؛ چنانچہ محاصرے کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے-حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد سے شہادت تک حضرت ابو ہریرہؓ کے حالات معلوم نہیں- اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنۂ عام کے زمانے میں اکثر محتاط صحابہ گوشہ

نشین ہو گئے تھے۔ بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی فتنے میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں مدینے میں مروان کے قائم مقام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

۵۷ھ (۶۷۶ء) میں بیمار ہوئے اور اسی علالت میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ان صحابہ میں سے ہیں جو علمِ حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بالاتفاق صحابہ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ رسول کریمؐ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہ علم کا ظرف ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی۔ ان کا ذوقِ علم حرص کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان کی علمی حرص کا اعتراف خود رسولِ کریمؐ نے فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ان میں سے ۳۲۵ متفق علیہ ہیں۔ احادیثِ نبویؐ کے عظیم الشان ذخیرے کی مناسبت سے آپ کے رواۃ وتلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ گو حضرت ابو ہریرہؓ صرف چار سال رسولِ کریمؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے لیکن اس قلیل مدت میں آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ بن گئے تھے ۔۷

❁

اے کہ تیرے آستانے پر جبیں گستر قمر
اور فیضِ آستاں بوسی سے گُل برسر قمر
(ص ۱۱۴)

اس شعر میں عطیہ بیگم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عطیہ بیگم جنجیرہ کے نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ علامہ اقبال سے ان کے بہت گہرے مراسم تھے، جیسا کہ ان مکاتیب سے ظاہر ہوتا ہے جو عطیہ بیگم نے شائع کیے ہیں۔ عطیہ بیگم کو فنونِ لطیفہ سے غیر معمولی شغف تھا۔ ادب اور فن کے نوادرات جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا جس کے نتیجے میں ان کے پاس ان نوادرات کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود تھا۔ یہ اس زمانے میں تعلیم یافتہ خاتون تھیں جب برصغیر میں خواتین میں تعلیم کا عام رواج نہ تھا۔ کراچی میں طویل عمر پا کر ۴ جنوری ۱۹۶۷ء کو انتقال کیا۔

❁

جس نے اسمِ اعظمِ محبوب کی تاثیر سے
وسعتِ عالم میں پایا صورتِ گردوں، وقار
(ص ۱۱۹)

''محبوب'':- محبوب کا اشارہ یہاں میر محبوب علی خاں کی طرف ہے-

نواب میر محبوب علی خاں ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور اگست ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا- ان کے دور حکومت میں حیدر آباد نے ہر طرح کی ترقی کی- ان کی تاریخ تخت نشینی ۵ فروری ۱۸۸۴ء ہے- ان کے وزرائے اعظم میں سر آسمان جاہ اور مہاراجہ سر کشن پرشاد قابلِ ذکر ہیں- حکومت برطانیہ سے میر محبوب علی خاں والیٔ دکن کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے- والیٔ دکن نے اپنی رعایا میں کبھی ہندو، مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں کیا- اپنے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا- انہوں نے مسلم تعلیمی اداروں کی بڑی سرپرستی کی، نہ صرف اپنی ریاست میں بلکہ بیرونِ ریاست بھی- وہ فارسی اور اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور ان دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے-۸

❁

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گزر
بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار
(ص۱۱۹)

اس شعر میں مہاراجہ سر کشن پرشاد کی طرف اشارہ مقصود ہے-

سر کشن پرشاد سابق مدارالمہام سرکار آصفیہ ۱۸۶۲ء میں بمقام حیدر آباد پیدا ہوئے اور جون ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا- اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے- اصنافِ سخن پر قادر تھے- اردو، فارسی، عربی، انگریزی کے علاوہ اور بھی چند زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے- ان کی تصنیفات کی تعداد خاصی ہے- سر کشن پرشاد مشرقی امرا کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے- علامہ اقبال سے خصوصی تعلقات تھے-۹

❁

درمیانِ انجمن معشوقِ ہر جائی مباش
گاہ با سلطان باشی، گاہ باشی بافقیر
(ص۱۲۲)

سلطان اور فقیر کا اشارہ بالترتیب خان بہادر مرزا سلطان احمد اور فقیر سید افتخار الدین کی طرف ہے-

مرزا سلطان احمد جو قادیان کے مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مرزا غلام احمد بانی جماعت احمدیہ کے (زوجہ اول سے) فرزند اکبر تھے-۱۸۵۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۰ سال کی عمر پا کر ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا- ابتدا میں انہوں نے اپنے والد کی بیعت نہیں کی اور یہ دیکھ کر الگ رہے کہ میں اتنی پابندیاں نہیں اٹھا سکتا مگر پنشن پانے کے بعد، وفات سے کچھ عرصہ قبل، اپنے برادر خورد مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی-

مرزا سلطان احمد نائب تحصیلدار کے عہدے سے اپنی ملازمت کا آغاز کر کے افسر مال کے عہدے تک پہنچے اور چند دنوں کے لیے گوجرانوالے میں قائم مقام ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔پنشن کے بعد ریاست بہاولپور میں وزیر مال کے جلیل القدر عہدے پر بھی کچھ عرصہ کام کیا۔

مرزا سلطان احمد کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ان کی تصنیفات میں: ایک اعلیٰ ہستی، علوم القرآن، اساس الاخلاق، فنونِ لطیفہ، ضرب الامثال اور چند نثر نما نظمیں زیادہ معروف ہیں۔

مرزا سلطان احمد کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور اس میں ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگ شامل تھے۔شگفتہ مزاجی اور دوست نوازی ان کا وصف خاص تھا۔مرزا سلطان احمد کے علامہ اقبال سے خصوصی مراسم تھے۔

فقیر سید افتخار الدین کے اجداد بخارا سے آ کر پنجاب میں آباد ہو گئے تھے۔ان کے مورثِ اعلیٰ غلام محی الدین نے فقیر امانت شاہ قادری کا مرید ہو کر فقیر کا لقب اختیار کیا۔

فقیر سید افتخار الدین ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر پا کر فروری ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ سید افتخار حکومت پنجاب کے میر منشی تھے۔وہ پہلے ہندوستانی تھے جو افسر مال مقرر ہوئے۔انہوں نے ضلع ہوشیار پور کے بندوبست کا کام انجام دیا۔امیر حبیب اللہ، امیر افغانستان جب ہندوستان تشریف لائے تو ان کے استقبال کے جملہ امور فقیر افتخار ہی کی نگرانی میں انجام پائے۔امیر افغانستان کی روانگی کے کچھ دنوں بعد ہی سید افتخار کو کابل میں برٹش ایجنٹ مقرر کیا گیا - امیر افغانستان سے انہوں نے ''عزت نشان'' کا خطاب پایا، وہ خطاب جو اس ملک میں سب سے بڑا خطاب سمجھا جاتا تھا - کابل سے واپسی پر حکومت برطانیہ نے ان کو سی - آئی - ای کا خطاب دیا - علامہ اقبال سے سید افتخار الدین کے خصوصی تعلقات تھے۔

❁

اے امام اے سیدِ والا نسب
دودمانت فخرِ اشرافِ عرب

(ص ۱۲۳)

اس شعر میں اشارہ سر سید علی امام کی طرف ہے۔

سر سید علی امام ۱۱ فروری ۱۸۶۹ء کو پٹنہ کے قریب پیدا ہوئے۔یہ بہار کے مشہور سادات خاندان کے

فرد تھے - ان کے مورثِ اعلیٰ ہندوستان میں مغل حکومت قائم ہونے سے پہلے آئے تھے - شمس العلماء نواب سید امداد امام اثر جو سید علی امام کے والد تھے، کچھ عرصہ تاریخ اور عربی کے پروفیسر رہے- وہ اپنے علم وفضل اور اردو شاعری کے لیے ممتاز تھے اور ان کی مشہور تصنیف ، کاشف الحقائق' دو جلدوں میں ہے-علی امام نے ابتداً آرہ میں اور بعد میں پٹنہ کالج میں تعلیم پائی -اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ ستمبر ۱۸۸۷ء میں انگلستان گئے- وہاں سے ۱۸۹۰ء میں واپس ہوئے- وکالت میں بڑی شہرت حاصل کی-۱۹۰۳ء میں علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ہوئے-ان کو تعلیمی مسائل سے بڑی دلچسپی تھی-علی گڑھ کالج کی مدد ہر ممکن طریقے سے کرتے رہے-اسی طرح محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا -۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے، امرتسر کے اجلاس میں ،صدر بنائے گئے-اس طرح وہ ملک کے چوٹی کے لیڈروں میں شمار ہونے لگے-لارڈ مارلے نے ۱۹۱۰ء میں لارڈ سنہا کے انتقال کے بعد،ان کو اپنی کونسل کا ممبر قانون مقرر کیا-نومبر ۱۹۱۷ء میں پٹنہ ہائی کورٹ کے جج بنائے گئے- جون ۱۹۱۹ء میں نظام نے ان کو اپنی ایگزیکٹیو کونسل کا صدر بنایا- کچھ روز کے لیے ان کو برٹش انڈیا کا نمائندہ، جمعیت اقوام میں، بنا کر بھیجا گیا-ستمبر ۱۹۲۲ء میں نظام کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا-اس کے فوراً بعد انہوں نے پٹنہ میں وکالت شروع کر دی- دوبارہ پھر نظام نے برار کے اضلاع کے سلسلے میں ان کی خدمات طلب کر لیں-۱۹۲۳ء میں نظام نے ان کو برار کے اضلاع کی نمائندگی کے لیے انگلستان بھیجا-سر سید علی امام نے ملکی اصلاحات اور تحریک آزادی میں بڑا حصہ لیا-انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا-۱۰

❁

تاریخ وفات شیخ عبدالحق

(ص ۱۲۵)

چوں مئے جامِ شہادت شیخ عبدالحق چشید
باد بر خاکِ مزارش رحمتِ پروردگار
با عزیزاں داغِ فرقت داد در عینِ شباب
آستیں ہا از دُرِ اشکِ غمش سرمایہ دار
بندۂ حق بود ہم خدمت گزارِ قومِ خویش
سالِ تاریخِ وفاتِ او ز ''غفراں'' آشکار

شیخ عبدالحق قانونگو برادری کے ایک ممتاز رکن تھے۔ یہ برادری پنجاب کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے۔ شیخ صاحب علامہ اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔ علامہ ان کی سماجی اور ملّی خدمات کے معترف تھے۔ علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی میں یہ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں کے حلقۂ احباب میں شامل تھے بلکہ ان بزرگوں سے شیخ صاحب کے عزیزانہ مراسم تھے۔ انگریزی دور میں انہوں نے اپنی مدت ملازمت بڑی خیر وخوبی اور نیک نامی کے ساتھ گزاری۔ اس دور کے مشاہیر شیخ صاحب کے جذبۂ ملّی کے ہمیشہ مداح رہے۔ شیخ صاحب ۱۸۷۵ء میں قصور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۳ء میں ملتان میں وفات پائی۔

حمیداللہ خاں اے ملک وملّت را فروغ از تو
ز الطافِ تو موجِ لالہ خیزد از خیابانم

(ص ۱۳۳)

''حمیداللہ خاں'':۔ اشارہ سابق والی بھوپال کی طرف ہے۔

نواب سر حمید اللہ خاں ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم علی گڑھ میں پائی۔ ۲۲-۱۹۱۶ء تک بیگم بھوپال کے معتمدِ اعلیٰ رہے۔ ۲۶-۱۹۲۲ء تک بیگم بھوپال کے ہاں قانون، عدل اور خزانے کے ممبر رہے۔ ۳۵-۱۹۳۰ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر رہے۔ دو مرتبہ یعنی ۳۲-۱۹۳۱ء اور ۴۷-۱۹۴۴ء میں Chamber of Indian Princes کے چانسلر مقرر ہوئے۔ کھیلوں میں کرکٹ کے بڑے شائق تھے۔ ۴ جنوری ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔ علامہ اقبال سے ان کے تعلقات خصوصی تھے اور ان کا شمار اقبال کے محسنوں میں ہے۔[۱۱]

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار
عرشی گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

(ص ۱۳۵)

''عرشی'':۔ اشارہ محمد حسین عرشی کی طرف ہے۔

ان اشعار کی شان نزول یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں عالمِ اسلام بالعموم اور ترکی بالخصوص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ برصغیر ہندوپاک کے مسلمان بہت مضطرب تھے۔ ہر شخص بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور کر رہا تھا لیکن علامہ اقبال ایک پراسرار خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اس پر چند لوگوں کو خیال ہوا

کہ علامہ جنہیں سب سے زیادہ قیادت کا حق اس دورِ کشمکش وحیات میں تھا، کیوں قوم کو کوئی راستہ نہیں دکھاتے - چنانچہ محمد حسین عرشی نے چند اشعار کہے اور روز نامہ زمیندار کو بغرض اشاعت بھیج دیے- ان اشعار کی غرض صرف یہ تھی کہ علامہ کو تحریک ہو؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا - زمیندار میں ان اشعار کے شائع ہونے کے بعد غالباً تیسرے دن چند شعر عرشی کے جواب میں کہے اور وہ زمیندار میں شائع ہوئے - اقبال کے اشعار کے ساتھ مولانا ظفر علی خاں کے اشعار بھی تھے جو انہوں نے اسی وقت اشاعت کے لیے لکھے تھے-حکیم فیروز الدین طغرائی اس زمانے میں کشمیر میں تھے،ان کی نظر سے عرشی کے اشعار نہیں گزرے تھے لیکن انہوں نے علامہ اقبال کے جوابی اشعار ضرور دیکھے تھے- علامہ کے اشعار پڑھ کر حکیم طغرائی نے ان کے جواب میں جو نظم لکھی،اس کا پہلا شعر یہ ہے:

امروز در فضائے زمیندار دیدہ ام
ز اقبال پاسخے کہ دلِ آرزو نجست

محمد حسین نام،عرشی تخلص- غالباً ۱۸۹۶ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے -تعلیم پرانے دستور کے مطابق مکتب میں پائی -ان کے اساتذہ میں حکیم فیروز الدین طغرائی کا نام قابلِ ذکر ہے-حکیم طغرائی کی صحبت میں رہ کر عرشی میں فارسی اور عربی کا ذوق پیدا ہوا-عرشی اردو اور فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے- ملک کی تقسیم کے بعد لاہور چلے آئے اور لاہور ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور یہیں ۱۹۸۵ء میں انتقال کیا-

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا
رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب
(ص ۱۴۰)

''روح الذہب'':- روح الذہب کے ضمن میں ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء کو روز نامہ احسان میں ایک شذرہ شائع ہوا تھا - وہ شذرہ یہ ہے: ''حکیم نابینا صاحب دہلوی جو اس وقت قدیم طب میں ایشیا بھر میں بالغ نظر مانے جاتے ہیں، علامہ سر محمد اقبال مدظلہ العالی کو اپنی مشہور دوائی ''روح الذہب'' ایک مدت سے کھلا رہے ہیں جس سے علامہ ممدوح کو بہت فائدہ ہے - اس دوا کے متعلق حضرت علامہ نے دو شعر حکیم صاحب کی خدمت میں لکھے ہیں''

عبدالوہاب انصاری المشہور بہ حکیم نابینا غازی پور کے مشہور انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے- کوئی بارہ برس کی عمر تھی اور حفظ قرآن اور متداول علوم کے حاصل کرنے میں مصروف تھے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی- اس کے بعد دیوبند تشریف لے گئے، وہیں سے طب کی سند حاصل کی- فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں مطب شروع کیا- اس زمانے میں حکیم نابینا کے چچا شاہ عبدالغفور دہلی میں مقیم تھے اور دہلی کے فخرِ روزگار طبیب اس وقت حکیم محمود خان تھے- حکیم نابینا کے چچا نے حکیم محمود خاں سے کہا کہ ان کا امتحان تو لیجیے کہ آیا طب میں مہارت تامہ حاصل کی ہے یا نہیں؛ چنانچہ حکیم موصوف اور حکیم نابینا میں تین روز تک طبی مذاکرات ہوتے رہے- ان مذاکرات میں حکیم اجمل خاں اور حکیم واصل خاں بھی شریک تھے- نظام دکن میر محبوب علی خاں ان کو شیخ الرئیس ثانی کہا کرتے تھے-

دیوبند سے تحصیلِ علم کے بعد نابینا نے ۱۹۱۹ء میں دہلی میں مطب شروع کیا- اس کے بعد حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں تقریباً پچاس سال مطب جاری رکھا- میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے معالج رہے- حیدرآباد سے واپسی پر دہلی میں پھر مطب شروع کیا- ۱۹۳۸ء میں پھر نظام نے ان کو حیدرآباد بلالیا- ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے- واپسی پر دہلی میں ازسرِنو مطب کیا اور وفات کے وقت تک وہیں مقیم رہے- دہلی ہی میں انتقال کیا لیکن دفن گنگوہ، ضلع سہارنپور میں کیے گئے کیونکہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت تھے اور وہیں دفن ہونا چاہتے تھے- تاریخ وفات ۶ مئی ۱۹۴۱ء ہے- عمر اس وقت کوئی ۶۷ سال کی تھی- حکیم نابینا کا حافظہ غیر معمولی تھا- ان کے بھائیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بڑی شہرت نصیب ہوئی- طب میں بھی اور قومی خدمات کے سلسلے میں بھی-

میر عثمان علی خاں نظام دکن نے حکیم نابینا کی تاریخِ وفات کہی تھی:

بہ دار طب علی سینا رسیدہ
ہماں جائیکہ نابینا رسیدہ
مریضاں ایں بغم گفتند عثماں
چہ ماتم بینا اے وا رسیدہ

روح الذہب جب اقبال کو تجویز کی تو اس وقت حکیم نابینا دہلی میں مطب کرتے تھے-

خاکِ قدس او را بآغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

(ص۱۴۱)

اس شعر میں اشارہ مولانا محمد علی جوہر کی طرف کیا گیا ہے۔

مولانا محمد علی رام پور میں ۱۸۷۸ء میں ایک آسودہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ آئے اور یہاں سے بی۔ اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازاں آکسفورڈ سے بی۔ اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔ مولانا محمد علی کی اعلیٰ تربیت میں ان کی والدہ کو بڑا دخل رہا ہے اور یہ انہیں کی تربیت کا اثر تھا کہ مولانا شروع سے آخر تک ایک پُر جوش مسلمان رہے۔ ملک کی آزادی کے سلسلے میں مولانا نے متعدد بار قیدِ فرنگ برداشت کی۔ وہ تحریکِ خلافت کے روحِ رواں تھے۔ ان کے سیاسی کردار کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا محمد علی کو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے ایک انگریزی (کامریڈ) اور ایک اردو (ہمدرد) روزنامے کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ مولانا محمد علی ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ برصغیر پاک وہند کی آزادی کے لیے ایک وفد کی قیادت کے لیے مولانا کو لندن جانا پڑا، وہیں انہوں نے ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو انتقال کیا۔ دفن بیت المقدس میں کیے گئے۔ ۱۲

❁

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا
ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو

(ص۱۵۸)

''حسن نظامی'':۔ خواجہ حسن نظامی کی تاریخِ پیدائش ۲ محرم ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۸ء) ہے۔ ان کا اصلی نام علی حسن تھا۔ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ان کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ابتدائی زندگی عسرت میں بسر کی۔ ۱۹۱۱ء میں ان کی ترقی کی رفتار تیز ہونا شروع ہوئی۔ جنگِ آزادی دہلی کے افسانے اور جنگِ آزادی کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ حسن نظامی نے ۱۸۹۷ء میں سب سے پہلا مضمون انڈیا گزٹ کے لیے ''انڈیا کی نازک حالت'' کے عنوان سے لکھا۔ انہوں نے سب سے پہلی کتاب ۱۹۰۰ء میں لکھی۔ خواجہ حسن نظامی اردو انشا پردازی میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ اردو صحافت میں ان کا خاص درجہ تھا۔ انتقال ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں دہلی میں دفن کیے گئے۔ ۱۳

❁

سن کر یہ بات خوب کہا شہنواز نے
بلّی ، چوہے کو دیتی ہے پیغامِ اتحاد
(ص ۱۶۳)

''شہنواز'':- میاں محمد شاہ نواز، علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے- ان کے والد میاں ظہور الدین پشاور کے مشہور وکیل تھے- باپ نے اپنے پیشے کی مناسبت سے بیٹے کو بھی یہی پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا؛ چنانچہ شاہ نواز نے ولایت جا کر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی اور واپسی پر لاہور میں بیرسٹری شروع کی- وہ لاہور کے بڑے کامیاب بیرسٹر تھے- ان کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ عوام کا نمائندہ بن کر پنجاب اور مرکزی اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوئے - شاہ نواز شروع ہی سے بڑے ترقی پسند تھے- وہ انگریزوں کے دشمن اور کانگریس کے حامی تھے- ان کا حافظہ بہت اچھا تھا - اردو، فارسی کے سینکڑوں اشعار یاد تھے- انتقال ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء کو ہوا-

حوالہ کتب

۱- دانائے راز، سید نذیر نیازی، صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۶، طبع اول ۱۹۷۹ء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور-

۲- دانائے راز، سید نذیر نیازی، صفحہ ۲۶۴ تا ۲۷۰، طبع اول ۱۹۷۹ء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور-

۳- ایضاً-

۴- محمد عزیز الرحمٰن، صبح صادق، عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور طبع ثانی ۱۹۴۳ء-

۵- دانائے راز، سید نذیر نیازی، اقبال اکادمی پاکستان، صفحہ ۳۷۸، طبع اول ۱۹۷۹ء لاہور-

۶- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۹۶۳-۹۷۶-

۷- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص ۴۸-۶۷-

۸- صحیفہ زریں، ص ۱۱۳-۱۱۶-

+ The Indian Nation Builders, pt.iii,pp.187-202

۹- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۲۴۳-

۱۰- Eminent Mussalmans, pp. 248-262.

۱۱- The Indian Year Book & Who's Who, 1945-46,p1282.

۱۲- Sh. Muhammad Ashraf, My Life a Fragment. , Lahore,1942.

۱۳- نقوش، شخصیات نمبر، ص ۲۵۰-۲۵۱-

رختِ سفر
(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

صبر ایوب وفا خو جزوِ جانِ اہلِ درد
گریۂ آدم سرشتِ دودمانِ اہلِ درد

(ص۲۷)

''گریۂ آدم''- اشارہ مندرجہ ذیل روایت کی طرف مقصود ہے:

صاحب معالم التنزیل نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا جنت کی نعمتوں سے محروم ہونے پر دوسو سال تک روتے رہے۱-

❁

اے مقامت برتر از چرخِ بریں
از تو باقی سطوتِ دینِ مبیں

(ص۱۰۹)

یہاں اشارہ سابق والئ دکن نواب میر عثمان علی خاں کی طرف کیا گیا ہے-

نواب میر عثمان علی خاں ۱۶ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے-۱۸۹۶ء میں باقاعدہ تعلیم شروع کی- ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی-عثمانیہ اردو یونیورسٹی موسوم بہ جامعہ عثمانیہ میر عثمان علی خاں نے قائم کی، اور چونکہ یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم اردو تھا اس لیے یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد نے ایک مجلس دارالترجمہ والتالیف کے نام سے ترتیب دی جس کا کام مشرقی اور مغربی علوم کی کتابوں کا اردو ترجمہ وتالیف تھا-نواب صاحب کو اپنی ہندو اور مسلمان رعایا کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہا؛ چنانچہ انہوں نے مسجدوں کے ساتھ مندروں کے لیے بھی رقوم اور عطیات مقرر کیے-نواب صاحب اردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے-نواب صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر بھی رہے- ۱۹۴۸ء میں انڈین یونین نے ان کی ریاست کو ختم کر کے حکومت ہند میں شامل کر لیا-نواب صاحب نے ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء کو انتقال کیا-

حواشی

۱- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج۱۱، ص ۹۵۸، طبع ۱۹۵۰ء

باقیاتِ اقبال

(طبعِ اول، ۱۹۵۲ء)

ترجمہ از ڈائنک

(ص ۱۱۰)

''ڈائنک'':۔ ڈائنک چیک شاعر تھا۔ وہ ۱۸۷۷ء میں فوت ہوا۔ [۱]

حوالۂ کتاب

۱۔ سید نذیر نیازی، دانائے راز، ص ۳۹۲، طبع اوّل، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۶۹ء

باب نہم

اقبال کی بعض نظموں کے ماخذ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

پیامِ مشرق

حور و شاعر

(ص ۲۷۹/۱۰۳)

(در جواب نظم گوئٹے موسوم بہ ''حور و شاعر'')

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب ایں کہ تو ندانی رہ و رسمِ آشنائی
ہمہ سازِ جستجوئے ہمہ سوزِ آرزوئے
نفسے کہ می گدازی ، غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائے
کہ ارم بچشمم آید چو طلسمِ سیمیائی!

شاعر

دلِ رہرواں فریبی بہ کلام نیش دارے
مگر ایں کہ لذتِ او نرسد بہ نوکِ خارے

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوبروئے
تپد آں زماں دلِ من پئے خوبتر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ، ز ستارہ آفتابے
سرِ منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے ، قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرائم بہ ہوائے نو بہارے
طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہ ناشکیبے بہ دلِ امیدوارے
دلِ عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے ، نہ غمے ، نہ غمگسارے!

EINLASS

HURI

Heute steh' ich meine Wache
Vor des Paradieses Tor;
Weiss nicht grade, wie ich's mache,
Kommst mir so verdächtig vor!

Ob du unsern Mosleminen
Auch recht eigentlich verwandt?
Ob dein Kämpfen, dein Verdienen
Dicht ans Paradies gesandt?

Zählst du dich zu jenen Helden?
Zeige deine Wunden an,
Die mir Rühmliches vermelden,
Und ich führe dich heran.

DICHTER

Nicht so vieles Federlesen!
Lass mich immer nur herein:

Denn ich bin ein Mensch gewesen,
Und das heisst ein Kämpfer sein.

Saharfe deine kräftgen Blicke!
Hier durchschaue diese Brust,
Sieh der Lebenswunden Tucke,
Sieh der Liebeswunden Lust!

Und doch sang ich gläuiger Weise:
Dass mir die Geliebte treu,
Dass dir Welt, wie sie auch kreise,
Liebevoll und dankbar sei.

Mit den Trefflichsten zusammen
Wirkt' ich, bis ich mir erlangt,
Dass mein Nam' in Liebesflammen
Von den schönsten Herzen prangt.

Nein! du wählst nicht den Geringern!
Gib die Hand dass Tag für Tag
Ich an deinen zarten Fingern
Ewigkeiten zählen mag.

ANKLANG

H U R I

Draussen am Orte,
Wo ich dich zuerst sprach,
Wacht' ich oft an der Pforte,
Dem Gebote nach.
Da hört' ich ein wunderlich Gesäusel,
Ein Ton-und Silbengekräusel,
Das wollte herein;
Niemand aber liess sich sehen,
Da verklang es klein zu klein;
Es klang aber fast wie deine Lieder,
Das erinnr' ich mich wieder.

D I C H T E R

Ewig Geliebte! wie zart

Erinnerst du dich deines Trauten!
Was auch, in irdischer Luft und Art,
Für Töne lauten,
Die wollen alle herauf;
Viele verklingen da unten zuhauf;
Andere mit Geistes Flug und Lauf,
Wie das Flügelpferd des Propheten,
Steigen empor und flöten
Draussen an dem Tor.
Kommt deinen Gespielen so etwas vor,
So sollen sie's freundich vermerken,
Das Echo lieblich verstärken,
Dass es wieder hinunter halle,
Und sollen Acht haben,
Dass in jedem Falle,
Wenn er kommt, seine Gaben
Jedem zugute kommen;
Das wird beiden Welten frommen.

Sie mögen's ihm freundlich lohnen,
Auf liebliche Weise fügsam,
Sie lassen ihn mit sich wohnen:
Alle Guten sind genügsam.

Du aber bist mir beschieden,
Dich lass' ich nicht aus dem ewigen Frieden;
Auf die Wache sollst du nicht ziehn,
Schick' eine ledige Schwester dahin.

D I C H T E R

Deine Liebe,dein Kuss mich entzückt!
Geheimnisse mag ich nicht erfragen;
Doch sag' mir ob du an irdischen Tagen
Jemals teilgenommen,
Mir ist es oft so vorgekommen,
Ich wollt' es beschwören, ich wollt'es beweisen.
Du hast einmal Suleika geheissen.

H U R I

Wir sind aus den Elementen geschaffen,
Aus Wasser, Feuer, Erd und Luft
Unmittelbar; und irdischer Duft
Ist unserm Wesen ganz zuwider.
Wir steigen nie zu euch hernieder;
Doch wenn ihr kommt, bei uns zu ruhn,
Da haben wir genug zu tun.

Denn, siehst du, wie die Gläubigen kamen,
Von dem Propheten so wohl empfohlen,
Besitz vom Paradiese nahmen,
Da waren wir, wie er befohlen,
So liebenswürdig, so scharmant,
Wie uns die Engel selbst nicht gekannt.

Allein der erste, zweite, dritte,
Die hatten vorher eine Favorite,
Gegen uns warens garstige Dinger,
Sie aber hielten uns doch geringer;
Wir waren reizend, geistig, munter;
Die Moslems wollten wieder hinunter.

Nun war uns himmlisch Hochgebornen
Ein solch Betragen ganz zuwider,
Wir aufgewiegelten Verschwornen
Besannen uns schon hin und wieder;
Als der Prophet durch alle Himmel fuhr,
Da passten wir auf seine Spur;
Rückkehrend hatt' er sichs nicht versehn,
Das Flügel-Pferd,es musste stehn.

Da hatten wir ihn in der Mitte !—
Freundlich ernst, nach Propheten-Sitte,
Wurden wir kürzlich von ihm beschieden;
Wir aber waren sehr unzufrieden.
Denn, seine Zwecke zu erreichen
Sollten wir eben alles lenken.
So wie ihr dächtet sollten wir denken,
Wir sollten euren Liebchen gleichen.

Unsere Eigenliebe ging verloren,
Die Mädchen krauten hinter den Ohren.
Doch, dachten wir, im ewigen Leben
Muss man sich eben in alles ergeben.

Nun sieht ein jeder, was er sah,
Und ihm geschieht, was ihm geschah.
Wir sind die Blonden, wir sind die Braunen,
Wir haben Grillen und haben Launen,
Ja, wohl auch manchmal eine Flause,
Ein jeder denkt, er sei zu Hause;
Und wir darüber sind frisch und froh,
Dass sie meinen, es wäre so.

Du aber bist von freiem Humor,
Ich komme dir paradiesisch vor;
Du gibst dem Blick, dem Kuss die Ehre,
Und wenn ich auch nicht Suleika wäre
Doch da sie gar zu lieblich war,
So glich sie mir wohl auf ein Haar.

D I C H T E R

Du blendest mich mit Himmelsklarheit,
Es sei nun Täuschung oder Wahrheit,
Genug, ich bewundre dich vor allen,
Um ihre Pflicht nicht zu versäumen,
Um einem Deutschen zu gefallen,
Spricht eine Huri in Knittelreimen.

H U R I

Ja, reim' auch du nur unverdrossen,
Wie es dir aus der Seele steigt!
Wir paradiesische Genossen
Sind Wort-und Taten reinen Sinns geneigt,
Die Tiere, weisst du, sind nicht ausgeschlossen,
Die Sich gehorsam, die sich treu erzeigt!
Ein derbes Wort kann Huri nicht verdriessen;
Wir fühlen, was vom Herzen spricht,
Und was aus frischer Quelle bricht,

Das darf im Paradiese fliessen

H U R I

Wieder einen Finger schlägst du mir ein!
Weisst du denn, wieviel Äonen
Wir vertraut schon zusammen wohnen?

D I C H T E R

Nein! __ Will's auch nicht wissen. Nein!
Mannigfaltiger fricher Genuss,
Ewig bräutlich keuscher Kuss!_
Wenn Jeder Augenblick mich durchschauert,
Was soll ich fragen, wie lang es gedauert!

H U R I

Abwesend bist denn doch auch einmal,
Ich merk' es wohl, ohne Mass und Zahl.
Hast in dem Weltall nicht verzagt,
An Gottes Tiefen dich gewagt;
Nun sei der Liebsten auch gewärtig!
Hast du nicht schon das Liedchen fertig?
Wie klang es draussen an dem Tor?
Wie klingt's? __ Ich will nicht stäker in dich dringen,
Sing mir die Lieder an Suleika vor:
Denn weiter wirst du's doch in Paradies nicht bringen.

ADMITTANCE

HOURI

Today I stand upon my watch
Outside the gates of Paradise:
I know not what I ought to do'
Thou art such suspicious guise.

To our Brothers of the Faith
Art thou strict and truly kin,
That thy battles and thy merits
To Paradise should let thee in?

Count'st thou thyself among those heroes?
What thy wounds are do thou show,
That proclaim to me thy honour,
Thou I may let thee onwards go.

POET

Not so much of feather-picking!
Only let me enter through,
For a man I always have been,
And that means a warrior, too.

Quicken now thy sharpest glances,
Look my bosom through and through:
See the malice of my life-wounds,
See my pleasant love-wounds, too.

Like the faithful yet I've sung:
So that, true to me, my love,
That the world, too, though capricious,
Full of love and thanks might prove.

I have laboured with the noblest
Till this longed- for lot was mine,
That my name in flames of passion
From the fairest hearts might shine.

No ! thou wouldst not choose a base one:
Give here thy hand, that so I may
Count upon thy tender fingers
Eternities all day for day.

ECHO (Accord)

HOURI

Outside at the gate
Where at first I thee found
Aye keeping my watch there,
As I am e'en bound.

Sometimes a wonderful whisper I heard:
Rippling tones and words herewithin
Would penetrate fain;
But no one was there to be seen,
Less and less, then, they passed again:
Yet now again I think I call to mind,
Much like thy songs the tones I find.

POET

Tender thou bearest in mind,
My ever beloved, thy trusted friend!
That which in earthly fashion and kind
All upwards will tend
And passes itself for song.
Down below do many in numbers crash.
Whilst others in flight with spirit rash,
Just like Mahomet's winged steed,
Soar aloft, and sound indeed
Outside at the gates.
Should such a song reach the ear of thy mates,
Of the sound they should friendly take note,
And strengthen the echoes that float,
That again it may sound down below:
Great care. too. should they take,
That where'er he may go,
Or come, for ev'ry one's sake,
His gifts may useful be found.
And to both worlds again redound.

They might him ev'n friendly reward,
Complying in generous way,---
As the good are always content,
They might with them allow him to stay.

For thou to me art giv'n by lot;
Out of eternal peace I leave thee not.
Thou shalt on watch no longer go:
Of thy idle sisters send one below.

P O E T

Thy love, thy kiss, enchant me still!
Into thy secrets I would never pry,
Yet tell me if, descending from the sky.
Thou hast not had a mortal birth?
To me the thought is often borne,
I almost think I might be sworn,
Zuleika thou wast named on earth.

H O U R I

Made of the elements are Houris we,
Without a medium,from water, air,
And fire and earth, nor could our essence rare
E'er with the vapours of the earth agree,
We never, therefore can come down to you,
But when to rest with us you come,
Why, then we have enough to do.

When, by the Prophet recommended well,
The True Believers eager came, you see,
To take possession of their Paradise,
As he had given orders, there stood we,
So amiable all and nice,
So that the angels could us hardly tell.

The first, however, just as all the rest,
Each had his favourite on earth possessed.
Compared with us, of course, the things were plain,
And yet they looked upon us with disdain.
Though we were charming and so brightly gay,
The Moslems back again would wend their way,

Being all High-born dames of heavenly kind,
Such strange behaviour put us all about:
All leagued together and incensed in mind,
Both up and down we thought the matter out.
Then as the Prophet through the heavens flew
Quick on his trace we all together drew,
And as to get him back he had no way,

He had his winged steed perforce to stay.
There then, we held him in our midst, a prize
So earnest, solemn in prophetic wise;
About our business we were quickly sent,
Yet did his words not heal our discontent,
So that the Prophet gain his wished-for end,
We must in all to his commandment bend:
Our thoughts to be like yours we must dissemble.
And we your earthly loves ourselves resemble.

Our self-conceit completely disappears;
The maidens, all perplexed, must scratch their ears,
And yet we thought that in eternal life
We must give in, nor have continued strife.

Now each one sees what he has seen,
To each one happens what has been,
While some are brown and some are blonde,
And some have whims of which they 're fond.
And some a fib may even please;
Each as at home thinks he's at ease,
And all of us are pleased to know
That they should purpose even so.

But thou, thy humour is more free,
From Paradise thou thinkest me.
Zuleika though I may not be,
Honoured are looks and kiss by thee,
And as she was too bright and fair
She must be like me to a hair.

P O E T

Thou dazzlest me with heav'nly light, forsooth:
Thou mayst deceive me or it may be truth,
Yet I admire thee more than all of these,
That she in bounden duty may not fail,
And that a German poet she may please,
A Houri tells in doggerel rhyme her tale.

H O U R I

Yes, let thy rhyme flow unrestrained,
As the winged thoughts fly up within thy mind:
For we inhabitants of Paradise
To word and deed are with pure heart inclined.
The beasts are not excluded, dost thou know,
Themselves that faithful and obedient show?
An unkind word a Houri does not anger;
What from the heart speaks we well know,
From a fresh fountain that which springs
In Paradise may also flow

H O U R I

Another finger thou hast folded in!
How many ages, canst thou tell,
Do we in confidence together dwell?

P O E T

No! Nor will I know it ! Nay!
In many shapes a fresher bliss!
An ever bride-like, modest kiss!
My very being when each moment shakes,
Why should I ask how long it lasts or takes?

H O U R I

Though art again, then, absent! Well I see,
Measure and count seem both unknown to thee.
Although God's depths thou hast both dared and seen,
Thou in the world hast not despondent been.
Now to await thy loved one be disposed!
Thy song already hast thou not composed?
I will not urge thee further. At the gate
What was the song that echoed with thy voice?
Sing me the songs thou didst Zuleika sing?
Thou canst not enter further into Paradise.

Taken from West-Eastern Divan of Goethe, Book of Paradise, translated by Alexeander Rogers, London, George Bell & Sons, 1890,pp.327-333

اقبال کی نظم ''حور و شاعر'' گوئٹے کی اسی عنوان کی نظم (Houri - Dichter) کے جواب میں لکھی گئی ہے- گوئٹے کی نظم بہت طویل ہے لیکن اقبال نے اس کا جواب نہایت اختصار کے ساتھ دینے کی کوشش کی ہے اور شاعر کے جواب کو اپنے مرکزی خیال کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا ہے- اقبال، گوئٹے کے مکالمے ''حور و شاعر'' سے اثر پذیر تو ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ اقبال اور گوئٹے کے فلسفۂ حیات میں بعد المشرقین ہے اس لیے اقبال نے اس مکالمے سے جو تاثر قبول کیا، اس کو اپنے مخصوص آب و رنگ میں پیش کر دیا ہے- اقبال کے کلام میں پیہم اضطراب، حرکت اور عمل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے- شاعر، حور کے سکونی حسن سے متاثر نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ حسن کا بھی ایک ارتقائی تصور رکھتا ہے اور اسی لیے وہ حور و بہشت کے جلووں سے اس طرح متاثر نہیں ہوتا جس کی توقع ایک معمولی شاعر سے کی جا سکتی ہے-

زندگی و عمل

(در جوابِ نظمِ ہائنے موسوم بہ ''سوالات'')

(ص ۲۸۰/۱۰۴)

ساحل افتادہ گفت ، گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم ، گر نہ روم نیستم !

FRAGEN

Am Meer, am wüsten, nächtlichen Meer
Steht ein Jüngling-Mann,
Die Brust voll Wehmut, das Haupt voll Zweifel,
Und mit düstern Lippen fragt er die Wogen:

"O löst mir das Rätsel des Lebens,
Das qualvoll uralte Rätsel,
Woruber schon manche Haupter gegrübelt,
Häupter in Hieroglyphenmützen,

Häupter in Turban und schwarzem Barett,
Perückenhaupter und tausend andre
Arme, schwitzende Menschenhäupter--
Sag mir, was bedeutet der Mensch?
Woher ist er kommen? Wo geht er hin?
Wer wohnt dort oben auf goldenen Sternen?"

Es murmeln die Wogen ihr ewges Gemurmel,
Es wehet der Wind, es fliehen die Wolken,
Es blinken die Sterne, gleichgultig und kalt,
Und ein Narr wartet auf Antwort.

QUESTIONS

By the sea, the desolate, nocturnal sea
Stands a youth-man
His heart full of sadness, his mind full of doubt,
And with gloomy lips he questions the waves:

"Oh solve for me the riddle of life,
The tormenting age-old riddle,
Over which so many heads have brooded.

Heads in hieroglyphed cone caps,
Heads in turbans,heads in black barrets,
Heads bewigged and a thousand other
Poor sweating heads of mortals-
Tell me what meaning has man?
Whence has he come? And whither he goes?
Who dwells up yonder on golden stars?"
The waves murmur their eternal murmur,
The wind blows, the clouds pass fleeting,
The stars twinkle, indifferent and cold,
And a fool waits for an answer.

Heinrich Heine : Lyric poems and Ballads. Translated by Ernst Feise, University of Pittsburgh Press 1961,pp.88-90

اقبال کی نظم ''زندگی وعمل''، جو ہائنے کی نظم ''سوالات'' (Fragen) کے جواب میں لکھی گئی ہے، اس میں انسان اور حیاتِ انسانی کے متعلق وہ مسائل چھیڑے گئے ہیں جو ابتدائے آفرینش سے فلسفیوں کی

توجہ کا مرکز رہے ہیں- انہیں اقبال نے اپنے مخصوص فلسفۂ زندگی کے تحت لا کران کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور چونکہ حرکت کے فلسفے کو ان کے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بنیادی عقیدے سے جو کرنیں پھوٹتی ہیں، وہ ان تمام سوالات پر روشنی ڈال سکتی ہیں جو ہائنے نے دریافت کیے ہیں- اقبال کے جواب میں جو بلاغت پوشیدہ ہے، وہی دراصل ان کے مختصر جواب کا جواز کہی جا سکتی ہے-

جوئے آب

(ص ۱۰۴/۲۸۰)

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانندِ کہکشاں بگریبانِ مرغزار
در خوابِ ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
وا کرد چشمِ شوق بآغوشِ کوہسار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرامِ او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود
در راہِ او بہار پریخانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید
گل عشوہ داد و گفت یکے پیشِ ما بہ ایست
خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید
نا آشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود

صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ
گفتند "اے بسیطِ زمیں با تو سازگار
مارا کہ راہ از تنک آبی نہ بردہ ایم
از دستبردِ ریگِ بیاباں نگاہ دار"
وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب
در بر گرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
باصد ہزار گوہرِ یک دانہ میرود
دریائے پُر خروش ! ز بند و شکن گذشت
از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخِ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت
بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بیقرار
در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود

MAHOMETS-GESANG

Seht den Felsenquell,
Freudehell,
Wie ein Sternenblick;
Uber Wolken
Nährten seine Jugend
Gute Geister
Zwischen Klippen im Gebüsch.

Junglingfrisch
Tanzt er aus der Wolke

Auf die Marmorfelsen nieder
Jauchzet wieder
Nach dem Himmel.

Durch die Gipfelgange
Jagt er bunten Kieseln nach,
Und mit frühem Führertritt
Reisst er seine Bruderquellen
Mit sich fort.

Drunten werden in dem Tal
Unter seinem Fusstritt Blumen,
Und die Wiese
Lebt von seinem Hauch.

Doch ihn halt kein Schattental,
Keine Blumen,
Die ihm seine Knie umschlingen,
Ihm mit Liebesaugen schmeicheln;
Nach der Ebne dringt sein Lauf,
Schlangewandelnd

Bäche schmiegen
Sich gesellig an.
Nun tritt er
In die Ebne silberprangend
Und die Ebne prangt mit ihm,
Und die Flusse von der Ebne
Und die Bäche von Bergen
Jauchzen ihm und rufen: Bruder!
Bruder, nimm die Brüder mit,
Mit zu deinem alten Vater,
Zu dem ew'gen Ozean,
Der mit ausges pannten Armen
Unser wartet;
Die sich, ach! vergebens öffnen,
Seine Sehnenden zu fassen;
Denn uns frisst in öder Wuste
Gier'ger Sand,

Die Sonne droben
Saugt an unserm Blut,
Ein Hugel
Hemmet uns zum Teich!
Bruder,
Nimm die Brüder von der Ebne.
Nimm die Brüder von den Bergen
Mit, zu deinem Vater mit !

Kommt ihr alle !-
Und nun schwillt er
Herrlicher, ein ganz Geschlechte
Trägt den Fürsten hoch empor,
Und im rollenden Triumphe
Gibt er Ländern Namen; Städte
Werden unter seinem Fuss.

Unaufhaltsam rauscht er werter,
Lasst der Türme Flammengipfel,
Marmorhäuser, eine Schöpfung
Seiner Fülle, hinter sich.

Zedernhäuser trägt der Atlas
Auf den Riesenschultern; sausend
Wehen über seinem Haupte
Tausend Flaggen durch die Lüfte,
Zeugen seiner Herrlichkeit.

Und so trägt er seine Brüder,
Seine Schätze, seine Kinder
Dem erwartenden Erzeuger
Freudebrausend an das Herz.

Goethes Werke
Band I - Verlag C.H. Beck 1974, Munchen p-42

MAHOMETS-SONG

See the rock-born stream !
Like the gleam

Of a star so bright!
Kindly spirits
High above the clouds
Nourished him while youthful
In the copse between the cliffs.

Young and fresh,
From the clouds he danceth
Down upon the marble rocks;
Then tow'rd heaven
Leaps exulting.
Through the mountain-passes
Chaseth he the colour'd pebbles,
And, advancing like a chief,
Tears his brother streamlets with him
In his course.
In the valley down below
'Neath his footsteps spring the flowers.

And the meadow
In his breath finds life.
Yet no shady vale can stay him,
Nor can flowers,
Round his knees all-softly twining
With their loving eyes detain him;
To the plain his course he taketh,
Serpent-winding.

Social atremalets?
Join his waters. And now moves he
O'er the plain in silv'ry glory,
And the plain in him exults,
And the rivers from the plain,
And the streamlets from the mountain,
Shout with joy, exclaiming; "Brother,
Brother, take thy brethren with thee,
With thee to thine aged father,
To the everlasting ocean,
Who, with arms outstretching far,

Waileth for us;
Ah, in vain those arms lie open
To embrace his yearning children;
For the thirsty sand consumes us:
In the desert waste; the sunbeams
Drink our life-blood; hills around us
Into lakes would dam us! Brother,
Take thy brethren of the plain,
Take thy brethren of the mountain
With thee, to thy fathers' arms!"-

Let all come, then ! -
And now swells he
Lordlier still; yes, e'en a people
Bears his regal flood on high!
And in triumph onward rolling,
Names to countries gives he,- cities
Spring to light beneath his foot.

Ever, ever, on he rushes,
Leaves the towers' flame-tipp'd summits,
Marble palaces, the offspring
Of his fulness, far behind.

Ceder-houses bears the Atlas
On his giant shoulders; flutt' ring
In the breeze far, far above him
Thousand flags are gaily floating,
Bearing witness to his might.

And so beareth he his brethren,
All his treasures, all his children,
Wildly shouting, to the bosom
Of his long-expectant sire.[1]

اقبال کی نظم ''جوئے آب'' جو گوئٹے کی نظم (Mahomets Gesang) کا نہایت آزاد ترجمہ ہے، اپنی رعنائی و دلکشی کے اعتبار سے اقبال کی نظموں میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے- گوئٹے کی نظم عقیدت کے جذبات سے مملو ہے- اس کے اصل ادبی حسن کی تحسین شناسی کے لیے جرمن زبان کا علم

ضروری ہے لیکن اقبال نے اس نظم کو فارسی زبان کے محاورے میں جس طرح پیش کیا ہے، اس سے لطف اندوزی ہمارے لیے نسبتاً آسان ہے اور یہ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ نعتیہ نظموں میں شاید اس کا جواب اردو اور فارسی شاعری میں نہ مل سکے۔

۞

حوالہ کتاب

۱- The poems of Goethe, translated by E.A. Bowring, London, George Belle , 1904, pp.166-167

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۴۳/۵۹)

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمھارا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت، کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا!
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اترا
مکڑے نے کہا: واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظور تمھاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا

اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھیرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا؟
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسّر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا: خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا!
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا!
مکڑے نے کہا دل میں، سنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی!
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا

مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی،
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

THE SPIDER AND THE FLY

"Will you walk into my parlour?" Said a Spider to a Fly :
" Tis the prettiest little parlour that ever you did spy.
The way into my parlour is up a winding stair.
And I have many pretty things to show you when you're there
"Oh no, no ! "said the little Fly: to ask me is in vain,
For who goes up your winding stair can ne'er come down again."
"I'm sure you must be weary with soaring up so high;
Will you rest upon my little bed?" said the spider to the Fly.
"There are pretty curtains drawn around, the sheets are fine and thin,
And if you like to rest a while. I'll snugly tuck you in."
"Oh no, no! "said the little Fly, for I've often heard it said,
They never, never wake again, who sleep upon your bed."
Said the cunning Spider to the Fly, "Dear friend, what shall I do
To prove the warm affection I've always felt for you?
I have, within my pantry, good store of all that's nice;
I'm sure you're very welcome-will you please to take a slice?"
"Oh no, no! said the little Fly: "kind sir, that cannot be,
I've heard what's in your pantry, and I do not wish to see."
"Sweet creature!" said the Spider,"you're wily and you're wise!
How handsome are your gauzy wings, how brilliant are your eyes !
I have a little looking-glass upon my parlour shelf;
If you'd step in one moment,dear, you shall behold your-self!"
"I thank you, gentle Sir,"she cried, "for what you're pleased to say,

And bidding you good morning now,I'll call another day."
The Spider turned him round about and went into den.
He knew the vain and silly Fly would soon come back again;
So he wove tiny web in a corner,on the sly.
And he set his table ready-to dine upon the Fly.
Then he went out to his door again, and merrily did sing;
"Come hither,hither,pretty Fly,with the pearl and silver wing.
Your robes are green and purple-there's a crest upon your head,
Your eyes are like the diamond bright but mine are dull as lead,"
Alas ! alas! how very soon this silly little Fly,
Hearing his wily flattering word, came slowly flitting by;
With buzzing wings she hung aloft, then near and nearer drew,
Thinking only of her brilliant eyes, her green and purple hue,
And dreaming of her crested head---poor foolish thing! At last
Up jumped the cunning Spider and fiercely held her fast,
He dragged her up his winding stair, into his dismel den,
Within his little parlour-and she ne'er came down again.

And now, do you take warning, all who this story hear,
To idle, silly, flattering words I pray you ne'er give ear;
To idle, deceitful counsellors close ear, and heart, and eye,
And take a lesson from this tale of the Spider and the Fly.

Mary Howitt. The World's Best Poetry, vol. 1,p.110.

''ایک مکڑا اور مکھی'' میری ہووٹ (Mary Howitt) کی نظم The Spider and the Fly سے ماخوذ ہے- دونوں نظموں میں واقعات تقریباً یکساں ہیں، صرف ان کی ترتیب میں فرق ہے- یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ میری ہووٹ کا انداز زیادہ ڈرامائی ہے- اس کے علاوہ واقعات سے جو اخلاقی نتائج ہووٹ نے اخذ کیے ہیں، انہیں نظم کے آخر میں چند مصرعوں میں بیان کر دیا ہے- اقبال کی نظم میں اخلاقی سبق نظم کے دوران ہی بیان کر دیا گیا ہے- بہ حیثیت مجموعی اقبال کی نظم، اصل کا ایک کامیاب نقش ہے-

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے اس پر غرور ! کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ ، یہ شعور ! کیا کہنا !
خدا کی شان ہے ناچیز ، چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں ، یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو ہے وہ نصیب کہاں!
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!
کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا!
یہ کچّی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!
جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں؟
جو تُو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

THE MOUNTAIN AND THE SQUIRREL

The mountain and the squirrel
Had a quarrel,
And the former called latter 'Little prig';
Bun replied,
You are doubtless very big,
But all sorts of things and weather
Must be taken in together
To make up a year,
And a sphere.
And I think it no disgrace
To occupy my place.
If I'm not so large as you,
You are not so small as I,
And not half so spry:
I'll not deny you make
A very pretty squirrel track.
Talents differ; all is well and wisely put;
If I can not carry forests on my back,
Neither can you crack a nut'.

R.W. Emerson

ایمرسن کی مختصر نظم میں جو حسن اور جامعیت ہے، وہ اقبال کی اس نسبتہً طویل نظم میں نہیں۔ ایمرسن اور اقبال، دونوں کی یہ بیانیہ نظمیں ہیں لیکن ایمرسن قابلِ ترجیح اس لیے ہے کہ اس نے واقعہ کے تاثر کو غیر منفصل (immediate) انداز میں پیش کر دیا ہے اور اقبال کی نظم کی خامی یہ ہے کہ انہوں نے اخلاقی نتائج تو پہلے نظم کر دیے ہیں اور اصل واقعہ بعد میں بیان کیا ہے۔

ایک گائے اور بکری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۶۲/۴۶)

اک چرا گاہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں
کسی ندی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی
جب ٹھہر کر ادھر اُدھر دیکھا
پاس اک گائے کو کھڑے پایا
پہلے جُھک کر اسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
کیوں بڑی بی ! مزاج کیسے ہیں ؟
گائے بولی کہ خیر ، اچھے ہیں
کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی
جان پر آ بنی ہے کیا کہیے!
اپنی قسمت بُری ہے کیا کہیے!
دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں
زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا
آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے ، خدا نہ کرے!
دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کن فریبوں سے رام کرتا ہے!
اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
بدلے نیکی کے یہ برائی ہے
میرے اللہ ! تری دہائی ہے
سن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی ایسا گلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزا لگتی
میں کہوں گی مگر خدا لگتی
یہ چراگہ ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایا
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں !
یہ کہاں ، بے زباں غریب کہاں !
یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی ، کہ آزادی؟
سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خدا
ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا
قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
گائے سن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گلے سے پچھتائی

دل میں پرکھا بھلا بُرا اس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اس نے
یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی !

THE COW AND THE ASS

Beside a green meadow a stream used to flow,
So clear, you might see the white pebbles below.
To this cooling brook the warm cattle would stray,
To stand in the shade, on a hot summer's day.
A cow, quite oppressed by the heat of the sun,
Came here to refresh as she often had done;
And standing quite still, stooping over the stream,
Was musing perhaps; or perhaps she might dream.
But soon a brown ass of respectable look
Came trotting up also, to taste of the brook,
And to nibble a few of the daisies and grass;
"How d'ye do?" said the cow.- "How d'ye do?" said the ass,
"Take a seat!" said the cow, gently waving her hand.
"By no means, dear madam," said he, "while you stand!"
Then stooping to drink with a complaisant bow,
"Ma'am,your health!" said the ass "Thank you sir!" said the cow.
When a few of these compliments more had been passed,
They laid themselves down on the herbage at last;
And waited politely-as gentlemen must-
The ass held his tongue, that the cow might speak first,
Then with a deep sigh, she directly began:
'Don't you think, Mr. Ass, we are injured by man?
Tis a subject which lies with a weight on my mind:
We really are greatly oppressed by mankind.
"Pray what is the reason - I see none at all-
That I always must go when Suke chooses to call?
Whatever I'm doing-'tis certainly hard-
I'm forced to leave off to be milked in the yard.
I've no will of my own, but must do as they please,
And give them my milk to make butter and cheese:
Sometimes I endeavour to knock down the pail,
Or give Suke a box on the ear with my tail !"
"But, Mam, am" said the ass," not presuming to teach"-
Oh dear! I beg pardon - pray finish your speech;

"Excuse my mistake", said the complaisant swain;
"Go on, and I'll not interrupt you again,"
"Why, Sir, I was just then about to observe,
Those hard-hearted tyrants no longer I'll serve;
But leave them for ever to do as they please,
And look somewhere else for their butter and cheese."
Ass waited a moment, as gentleman can,
And then, "Not presuming to teach," he began,
"Permit me to say, since my thoughts you invite,
I always saw things in a different light.
"That you afford man an important supply,
No ass in his senses would ever deny;
But then in return, 'tis but fair to allow
They are of some service to you, Mistress Cow,
" 'Tis their pleasant meadow in which you repose,
And they find you a shelter from winterly snows;
For comforts like these we'er indebted to man,
And for him, in return, should do all that we can."
The cow, upon this, cast her eyes on the grass,
Not pleased to be schooled in this way by an ass;
"yet," said she to herself, "though he's not very bright,
I really believe that the fellow is right."

Jane Taylor.

اقبال کی نظم ''ایک گائے اور بکری'' جین ٹیلر (Jane Taylor) کی نظم ''گائے اور گدھا'' (The Cow and the Ass) سے نہ صرف ماخوذ ہے بلکہ اس کا کامیاب ترجمہ بھی ہے۔ جین ٹیلر کے ہاں نظم کا عنوان نظم کے مرکزی خیال کے مطابق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ گدھا، انسان کی کائنات میں مظلوم ترین مخلوق ہے اور اگر وہ اس کے باوجود انسان میں کوئی خیر کا پہلو دیکھ سکتا ہے تو اس سے شاعر کے انسانی خیر کے عقیدے کا ثبوت ملتا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ اقبال نے نہ صرف نظم کے ماحول کو مقامی رنگ دینے کی کامیاب کوشش کی ہے بلکہ مقامی روایات کا احترام کرتے ہوئے نظم کا عنوان بھی بدل دیا ہے۔

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۶۵/۴۹)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!
ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، اس رہ پہ چلانا مجھ کو

A Child's Hymn

God make my life a little light,
Within the world to glow;
A little flame that burneth bright,
Wherever I may go

God make my life a little flower
That giveth joy to all,
Content to bloom in native bower,
Although the place be small.

God make my life a little song
That comforteh the sad,
That helpeth others to be strong
And makes the singer glad.

God make my lifea little staff
Whereon the weak may rest,
That so what health and strength I have
May serve my neighbours best.

God make my life a little hymn
Of tenderness and praise,
Of faith that never waneth dim
In all His wondrous ways.

Matilda Betham-Edwards.
A poetry Book for Boys and Girls-Part I, by A.Watson Bain p.38.

اقبال کی نظم ''بچے کی دعا'' میٹلڈا بیتھم ایڈورڈز (Matilda Betham Edwards) کی نظم A Child's Hymn سے ماخوذ ہے- انگریزی نظم زیادہ مفصل اور متنوع ہے اور اس میں پیکر نگاری (imagery) زیادہ دلکش اور بلیغ ہے- خاص طور پر آخری بند میں شاعرہ نے پوری نظم کی روح کو سمو دیا ہے- اقبال کی نظم نسبتہً مختصر ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ غالباً اقبال نے انگریزی نظم کے ایک ایک بند کے مفہوم کو ایک ایک شعر میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور گو نظم کے لہجے میں ایک طرح کی نرمی، معصومیت اور بھولا پن (naivety) پایا جاتا ہے، پھر بھی انگریزی نظم کے مقابلے میں اقبال کے اشعار کچھ سپاٹ اور بے رنگ معلوم ہوتے ہیں-

ہمدردی
(ماخوذ از ولیم کوپر)
بچوں کے لیے

(ص ۶۶/۵۰)

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

THE NIGHTINGALE AND GLOW-WORM

A Nightingale, that all day long
Had cheer'd the village with his song,
Nor yet at eve his note suspended,
Nor yet when eventide was ended,
Began to feel, as well he might,
The keen demands of appetite;
When, looking eagerly around,
He spied far off upon the ground,
A something shining in the dark,
And knew the glow-worm by his spark,
So stooping down from hawthorn top,
He thought to put him in his crop:
The worm, aware of his intent.
Harangued him thus right eloquent.

Did you admire my lamp, quoth he.
As much as I your minstrelsy,
You should abhor to do me wrong,
As much as I to spoil your song;
For 'twas the self-same pow'r divine,
Taught you to sing, and me to shine;
That you with music, I with light.
Might beautify and cheer the night.
The songster heard his short ovation,
And warbling out his approbation,
Released him as my story tells,
And found a supper somewhere else.

Hence jarring sectaries may learn
Their real interest to discern:
That brother should not war with brother,
And worry and devour each other;
But sing and shine by sweet consent,
Till life's poor transient night is spent,

Respecting in each other's case
The gifts of Nature and of grace.

Those Christians best deserve the name
Who studiously make peace their aim;
Peace, both the duty and the prize
Of him that creeps and him that flies.

The poetical Works of William Cowper
Routledge, Werne and Routledge, London, 1863,pp.168-169

اقبال کی نظم ہمدردی، ولیم کوپر کی نظم THE NIGHINGALE AND GLOW-WORM سے ماخوذ ہے- انگریزی نظم زیادہ مفصل اور متنوع ہے اور اس میں معانی و مطالب بھی زیادہ آ گئے ہیں- اقبال کی نظم نسبۃً مختصر ہے، گو اصل انگریزی نظم کا ماحصل پورے طور پر اس میں بیان کر دیا گیا ہے- اقبال نے اس نظم کے ماحصل کی بنا پر اس کا نام ''ہمدردی'' تجویز کیا ہے جبکہ اس عنوان کی کوئی نظم کوپر کے مجموعہ کلام میں نہیں مل سکی- اس نظم سے جو سبق ملتا ہے، وہ عین اقبال کے تجویز کردہ عنوان سے مطابقت رکھتا ہے- اقبال نے اختصار کے ساتھ ''بلبل اور جگنو'' کا ماحصل پیش کیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ ماحصل اقبال نے بڑی خوبی اور خوبصورتی سے اپنے مخصوص آب و رنگ کے ساتھ بیان کیا ہے-

ماں کا خواب
(ماخوذ)
بچوں کے لیے

(ص ۵۱/ ٦٧)

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال

جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر
وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
کہا میں نے پہچان کر میری جاں !
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں ؟
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ ، اچھی وفا تم نے کی !
جو بچے نے دیکھا مرا پیچ و تاب
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب
رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے ؟
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے !

THE MOTHER'S DREAM

I'd a dream tonight
As I fell asleep,
Oh! the touching sight
Makes me still to weep;
Of my little lad,
Gone to leave me sad,
Aye. the child I had,
But was not to keep,
As in heaven high,
I my child did seek,
There, in twain, came by
Children fair and meek,
Each in lily white,
With a lamp alight;
Each was clear to sight,
But they did not speak,
Then, a little sad,
Came my child in turn,
But the lamp he had,
Oh ! it did not burn;
He, to clear my doubt,
Said, half turned about,
"Your tears put it out;
Mother, never mourn."

William Barnes.

,,ماں کا خواب'' ولیم بارنس (William Barnes) کی نظم "The Mother's Dream" سے ماخوذ ہے- اقبال کی نظم میں نسبتاً تفصیلات زیادہ ہیں- سوز و گداز کا عنصر تو دونوں نظموں میں موجود ہے، لیکن چونکہ اقبال کی نظم ہمارے ماحول سے قریب تر ہے اور اس کے لہجے میں زیادہ اپنایت ہے، اس لیے اس کا تاثر زیادہ گہرا اور فوری (immediate) ہے-

ایک آرزو

(ص ۶۲/۷۸)

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو!

شورش سے بھاگتا ہوں ، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر ، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
آزاد فکر سے ہوں ، عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو
لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
ہو ہاتھ کا سرہانا ، سبزہ کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت ، خلوت میں وہ ادا ہو
مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلھن کو
سرخی لیے ، سنہری ہر پھول کی قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
اُمید ان کی ، میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
پچھلے پہر کی کوئل ، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں ، وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو ، نالہ مری دعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں ، شاید انہیں جگا دے!

A WISH

Mine be a cot beside the hill;
A bee-hive's hum shall soothe my ear;
A willowy brook, that turns a mill,
With many a fall shall linger near.
The swallow, oft beneath my thatch,
Shall twitter from her clay-built nest;
Oft shall the pilgrim lift the latch,
And share my meal, a welcome quest,

Around my ivy'd porch shall spring
Each fragrant flower that drinks the dew;
And Lucy, at her wheel, shall sing
In russet gown and apran blue.

The village-church, among the trees,
Where first our marriage-vows were given,
With merry peals shall swell the breeze,
And point with taper spire to heaven.

The poetical works of Samuel Rogers
George Bell & Sons, London: 1892,p 153

اقبال کی نظم ''ایک آرزو'' میں انگریزی کے نسبتۂ غیر معروف شاعر (Samuel Rogers) سموئل راجرس کی ایک نظم A Wish کا عکس صاف طور پر دکھائی دیتا ہے- یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اقبال کی نظم ایک آرزو راجرس کی نظم سے ماخوذ ہے لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ دونوں کے ہاں اس باب میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے- گمان ہوتا ہے کہ راجرس کی نظم اقبال کی نظر سے گزری ہوگی- ایک آرزو میں اقبال نے جو بات کہی ہے، وہی کم وبیش راجرس کے ہاں موجود ہے، اس لیے ایک آرزو پڑھتے وقت راجرس کی نظم کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا-

❁

پیام صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

(صفحہ ۸۸/۷۲)

اجالا جب ہوا رخصت جبینِ شب کی افشاں کا
نسیمِ زندگی پیغام لائی صبحِ خنداں کا
جگایا بلبلِ رنگیں نوا کو آشیانے میں
کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا
طلسمِ ظلمتِ شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا
پڑھا خوابیدگانِ دیر پر افسونِ بیداری
برہمن کو دیا پیغام خورشیدِ درخشاں کا
ہوئی بامِ حرم پر آ کے یوں گویا مؤذن سے
نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا ؟
پکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گل ! تو مؤذن ہے گلستاں کا
دیا یہ حکم صحرا میں ، چلو اے قافلے والو !
چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا

سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارا دیکھ کر شہرِ خموشاں کا
ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی
سلا دوں گی جہاں کو، خواب سے تم کو جگاؤں گی

DAY BREAK

A wind came up out of the sea
And said, "O mists, make room for me."

It hailed the ships, and cried, "Sail on.
Ye mariners, the night is gone."

And hurried landward far away,
Crying, "Awake! it is the day."

It said unto the forest,"Shout!
Hang all your leafy banners out!"

It touched the wood-bird's folded wing,
And said, "O bird, awake and sing."

And o'er the farms, "O chanticlear,
Your clarion blow ; the day is near."

It whispered to the fields of corn,
"Bow down, and hail the coming morn."

It shouted through the belfry-tower,
"Awake,O bell ! proclaim the hour."

It crossed the churchyard with a sigh,
And said, " Not yet! in quiet lie."

H. W. Longfellow

اقبال کی نظم ''پیام صبح'' اور لانگ فیلو کی نظم "Day break" کے درمیان موضوع کی مماثلت بہت واضح اور صریح ہے۔ ان کے درمیان مابہ الامتیاز یہ امر ہے کہ لانگ فیلو نے طلوع آفتاب کا ذکر مکالمے کے انداز میں کیا ہے اور اقبال نے پیام صبح سے متعلق مناظر کی مصوری، بالواسطہ انداز میں کی

ہے اور خوبصورت تشبیہوں اور استعاروں کی مدد سے اپنی نظم کو مرصع اور مزین کرنے کی کوشش کی ہے۔

عشق اور موت

(ماخوذ از ٹینی سن)

(ص ۸۹/۷۳)

سہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہر کو تاجِ زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے
کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے پہل آ رہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو
خودی تشنہ کامِ مئے بے خودی تھی
اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
زمیں کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں
مکاں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں
غرض اس قدر یہ نظارا تھا پیارا
کہ نظارگی ہو سراپا نظارا
مَلک آزماتے تھے پرواز اپنی
جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک ، عشق تھا نام جس کا
کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
فرشتہ کہ پُتلا تھا بیتابیوں کا
مَلک کا مَلک اور پارے کا پارا
پئے سیر فردوس کو جا رہا تھا
قضا سے ملا راہ میں وہ قضا را
یہ پوچھا ترا نام کیا ؟ کام کیا ہے ؟
نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا
ہوا سُن کے گویا قضا کا فرشتہ
اجل ہوں ، مرا کام ہے آشکارا
اڑاتی ہوں میں رختِ ہستی کے پرزے
بجھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا
مری آنکھ میں جادوئے نیستی ہے
پیامِ فنا ہے اسی کا اشارا
مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے ، میں سامنے اس کے پارا
شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا
ٹپکتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا
سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا
گری اس تبسم کی بجلی اجل پر
اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا؟
بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
قضا تھی ، شکارِ قضا ہو گئی وہ

LOVE AND DEATH

What time the mighty moon was gathering light
Love paced the thymy plots of paradise
And all about him roll'd his lustrous eyes;
When turning round a cassia, full in view,
Death walking all alone beneath a yew,
And talking to himself, first met his sight.
You must begone'.said Death, 'these walks are mine'.
Love wept and spread his sheeny vans for flight;
Yet as he parted said, ' This hour is thine;
Thou art the shadow of life, and so the tree
Stands in the sun and shadows all beneath,
So in the light of great eternity
Life eminent creates the shade of death.
The shadow passeth when the tree shall fall.
But I shall reign forever over all'.

A.L. Tennyson,

اقبال کی نظم ''عشق اور موت'' میں ٹینی سن کی نظم کے مقابلے میں پس منظر تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے- مزید یہ کہ ٹینی سن کی نظم میں عشق، موت کے مقابلے میں اپنی فضیلت کا خود اعلان کرتا ہے اور اقبال کے ہاں موت، عشق کی فضیلت کو تسلیم کرتی ہے- مرکزی خیال کی مماثلت کے باوجود فنی اور فکری اعتبار سے اقبال کی نظم ٹینی سن کی نظم کے مقابلے میں زیادہ وزنی اور دلکش معلوم ہوتی ہے-

رخصت اے بزمِ جہاں
(ماخوذ از ایمرسن)

(ص ۹۵/۷۹)

رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں
بسکہ میں افسردہ دل ہوں درخورِ محفل نہیں
تو مرے قابل نہیں ہے، میں ترے قابل نہیں

قید ہے دربارِ سلطان و شبستانِ وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
گو بڑی لذت تری ہنگامہ آرائی میں ہے
اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں میں
روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل ، خار میں
آہ ! وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں
چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
چھوڑ کر مانندِ بو ، تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں
گھر بنایا ہے سکوتِ دامنِ کہسار میں
آہ ! یہ لذت کہاں موسیقیٔ گفتار میں !
ہم نشین نرگسِ شہلا رفیقِ گل ہوں میں
ہے چمن میرا وطن ، ہمسایۂ بلبل ہوں میں
شام کو آواز چشموں کی سلاتی ہے مجھے
صبح فرشِ سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے
بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دل شاعر کو لیکن کنجِ تنہائی پسند
ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں
شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے
اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کنجِ عزلت کا ہوں میں
دیکھ اے غافل ! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں
ہم وطن شمشاد کا ، قمری کا میں ہمراز ہوں
اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں
کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے
دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے
عاشقِ عزلت ہے دل، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں
لیٹنا زیرِ شجر رکھتا ہے جادو کا اثر
شام کے تارے پہ جب پڑتی ہے رہ رہ کر نظر
علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود!
گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود !

GOOD - BYE

Good-Bye, proud world ! I'm going home:
Thou art not my friend, and I'm not thine.
Long through the weary crowds I roam;
A river-ark on the ocean brine,
Long I've been tossed like the driven foam;
But now proud world! I'm going home.

Good-bye to Flattery's fawning face;
To Grandeur with his wise grimace;
To upstart Wealth's averted eye;
To supple Office, low and high;
To crowded halls, to court and street;
To frozen hearts and hasting feet;
To those who go, and those who come;
Good-bye, proud world ! I'm going home.

I am going to my own hearth-stone,
Besomed in your green hills alone,
A secret nook in a pleasant land,
Whose groves the frolic fairies planned;

Where arches green, the livelong day.
Echo the blackbirds' soundelay,
And vulgar facts have never trod,
A spot that is sacred to thought and God.

O, when I am safe in my sylvan home.
I tread on the pride of Greece and Rome;
And when I am stretched beneath the pines,
Where the evening star so holy shines,
I laugh at the lore and the pride of man,
At sophist schools, and the learned clan;
For what are they all, in their high conceit,
When man in the bush with God may meet?

R.W. Emerson

اقبال کی نظم ''رخصت اے بزمِ جہاں'' اور ایمرسن کی نظم Good-Bye کے درمیان کئی چیزیں مشترک ہیں- اول تو یہ کہ دونوں کے ہاں پہلے حصے کو پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید وطن سے مراد عالم جاوداں ہے لیکن نظم کے دوسرے حصے کو پڑھ کر، جو اقبال اور ایمرسن، دونوں کے ہاں نقطۂ گریز ہے، اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ شاعر شہری زندگی کے ہنگاموں سے تنگ آ کر کنجِ عزلت کا متلاشی ہے جہاں فطرت کا بے داغ اور سکون بخش حسن اس کے اضطراب اور انتشار کو تسکین پہنچا سکے- اقبال اور ایمرسن، دونوں کے ہاں نظم کے آخری اشعار اس تعبیر کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور اس اعتبار سے انہیں پوری نظم کی، ایک حد تک، کلید کہا جا سکتا ہے- اقبال کی نظم میں زیادہ تفصیل اور پھیلاؤ ہے اور نظم میں جو وضاحت اور ارتقا ہونا چاہیے، وہ بھی ایمرسن کی نسبت اقبال کے ہاں زیادہ ہے-

داغ

(ص۹۹/۱۱۵)

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیؔ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں
توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر
آج لیکن ہمنوا ! سارا چمن ماتم میں ہے
شمعِ روشن بجھ گئی ، بزمِ سخن ماتم میں ہے

بلبلِ دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہمنوا ہیں سب عنادل باغِ ہستی کے جہاں
چل بسا داغ آہ! میّت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے
اب کہاں وہ بانکپن! وہ شوخیِ طرزِ بیاں!
آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیٰ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے
اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز؟
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز؟
تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں
اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں
تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے
یا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے
اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی
سیکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی
اُٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون؟

۞

MEMORIAL VERSES

Goethe in Weimer sleeps, and Greece,
Long since. saw Byron's struggle cease.
But one such death remain'd to come.
The last poetic verse is dumb.
What shall be said o'er Wordsworth's tomb?

And Wordsworth-Ah, pale ghosts ! rejoice!
For ever has such soothing voice
Been to your shadowy world convey'd
Since erst, at morn, some wandering shade
Heard the clear song of Orpheus come
Through Hades, and the mournful gloom,
Wordsworth is gone from us - and ye,
Ah, may ye feel his voice as we.
He too upon the wintry clime
Had fallen-on this iron time
Of doubts, disputes, distractions, fears,
He found us when the age had bound
Our souls in its benumbeing round:
He spoke, and loosed our heart in tears.
He laid us as lay at birth
On the cool flowery lap of earth,
Smiles broke from us and we had ease;
The hills were round us, and the breeze
Went o'er the sun-lit fields again;
Our foreheads felt the wind and rain.
Our youth return'd; for there was shed,
On spirits that had long been dead,
Spirits dried up and closely furl'd,
The freshness of the early word.

Mathew Arnold

داغ کا مرثیہ پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ غالباً یہ مرثیہ لکھتے وقت اقبال کے تحت الشعور میں ان نغموں کی گونج باقی تھی جو ورڈز ورتھ (Wordsworth) کی وفات سے متاثر ہو کر آرنلڈ (Arnold) کے مضرابِ دل سے نکلے تھے- اس میں شک نہیں کہ چونکہ داغ اور ورڈز ورتھ کی شخصیتیں فکر وفہم اور ذہنی وجذباتی توانائی اور وسعت کے اعتبار سے، اور شعری مذاق اور پیام کے لحاظ سے بہ مراحل دور ہیں، اس لیے دونوں مرثیے ہمارے اندر یکساں ردعمل کو بیدار نہیں کر سکتے؛ تاہم ان دونوں مرثیوں

میں مماثلت کے اور پہلو بھی نکل سکتے ہیں؛ اول تو یہ کہ دونوں مرثیوں کی فنی ترتیب و تشکیل میں خاصی مشابہت پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ داغ کی شخصیت کے محدود ہونے کے باوجود اقبال ان سے جس طرح اور جس حد تک متاثر ہوئے، ان تاثرات کو انہوں نے اتنی ہی والہانہ عقیدت، پختگی اور جذباتی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے جو آرنلڈ کے مرثیے میں نمایاں ہے۔

حقیقتِ حسن

(ص ۱۲۲/۱۳۸)

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیّر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی
کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا، سوگوار گیا!

"Warum bin ich vergänglich, O, Zeus? fragte die Schönheit.
Mach ich doch, sagte der Gott, nur das Vergänglich schön.
Und die Liebe, die Blumen,der Tau und die Jungend vernahmens;
Alles ginger sie weg, weinend, von Jupiters Thron.
Leben muss man und lieben; es endet Leben und Liebe.
Schmittest du, Parze, doch nur beiden die Faeden zug leich."

اور ترجمہ یوں ہے:

''حسن نے زیوس سے سوال کیا کہ میں کیوں فانی بنایا گیا-
خدا نے جواب دیا کہ میں نے صرف زوال پذیر اشیا کو حسن بخشا ہے-
اس جواب کو عشق، پھول، شبنم اور شباب نے سنا
تو وہ روتے ہوئے زیوس کے تخت کے سامنے سے چلے گئے-
انسان کو زندہ رہنا ہے اور محبت بھی کرنا ہے، مگر اس نے تو زندگی اور عشق کو ختم کر دیا-
اے قسمت کے مالک! تو نے دونوں کے رشتوں کو بیک وقت کاٹ دیا''-

اقبال کی ایک نظم مارچ ۱۹۰۶ء کے ''مخزن'' میں ''حسن اور زوال'' کے عنوان سے شائع ہوئی- اس کے تعارف پر اقبال نے ایک شذرہ لکھا تھا کہ اس نظم کا خیال کسی جرمن مصنف کی نثر سے لیا گیا ہے- بعد میں یہی نظم ''حقیقت حسن'' کے عنوان سے بانگِ درا کی زینت بنی - اس نظم کا مرکزی خیال حسن کے زوال پذیر ہونے کا تیقن ہے- گوئٹے نے ایک طویل نظم موسم کے تغیر و تبدل پر لکھی ہے- اس میں موسم بہار، موسم گرما اور موسم سرما کی کیفیات کا کسی قدر مفصل نقشہ کھینچا ہے- موسم گرما کی جہاں کیفیت بیان کی ہے، وہیں اقبال کی نظم ''حقیقت حسن'' کا سراغ ملتا ہے- متعلقہ ٹکراؤ اوپر مذکور ہوا ---اردو ترجمے کے ساتھ-

حسن اور خدا کے مابین جو مکالمہ ہوا، اس کو گوئٹے نے نہایت اختصار کے ساتھ دو مصرعوں میں ادا کیا- لیکن اقبال نے اس پر نظم کے پہلے تین شعر صرف کیے- گو اقبال کا دوسرا شعر ان کے اپنے خیال کا مرہون منت ہے اور اس میں اقبال نے تیسرے شعر کے بنیادی تصور کو بیان کیا ہے کہ دنیا ایک تصویر خانہ ہے جس میں تصویریں وقفے وقفے سے آتی جاتی رہتی ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں- بعد ازاں اقبال نے تغیر کا ذکر کر کے اس مرکزی اور بنیادی خیال کو شعر کا جامہ عطا کیا کہ ''وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی'' اور اس طرح یہ لازوال مصرع عدم سے وجود میں آیا- اقبال کی نظم میں جو جامعیت ہے اور جس تلازمہ شعری کا خیال رکھا ہے، وہ گوئٹے کے ہاں نہیں ہے- اس طرح اقبال نے گوئٹے پر ایک نوع کا اضافہ کیا ہے-

حوالہ: اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۴ء

صدیقؓ

(بانگ درا صفحہ ۲۳۶/ ۲۵۲)

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِؐ عالم نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش واقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت وجنس
اسپ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس!

عمر بن الخطاب يقول امرنا رسول الله ﷺ ان نتصدق و دافق ذلك عندى مالا فقلت اليوم اسبق ابابكر ان سنقته يوم۔ قال فجئت بنصف مالى فقال رسول الله ﷺ ما القيت لاهلك قلت مثله واتى ابوبكر بكل ما عنده فقال يا ابابكر ما القيت لاهلك فقال اتبقيت لهم الله و رسوله۔ قلت لا اسبقته الى شئى ابدا۔

(جامع ترمذی، ج ۲، ص ۵۲۳، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اتفاق سے ان دنوں میرے پاس مال بھی تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اگر میں آج ابوبکرؓ سے سبقت لے گیا تو لے گیا۔ چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی جتنا ساتھ لایا ہوں۔ پھر ابوبکرؓ آئے تو سب کچھ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے بھی پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ میں کبھی بھی ان پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔

اقبال نے اپنی نظم 'صدیقؓ' میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول کریمؐ نے جنگِ تبوک میں صحابہ کرام سے صدقہ طلب فرمایا تھا۔ چنانچہ اصحاب رسول نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا۔ خاص طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دلی مسرت کے ساتھ اس کارِ خیر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال پیش کیا اس امید پر کہ وہ آج حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھ جائیں گے لیکن جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے اپنا تمام اثاثہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ اقبال نے اس نظم کو حضرت صدیقؓ کے فضائل و مناقب سے مزیّن

کیا ہے ہر جگہ ارادت وعقیدت کے جذبات نمایاں ہیں۔ اس نظم کا ہر شعر اخلاص کا مظہر ہے اور یہی اخلاص آخر میں اس شعر پر منتج ہوتا ہے جسے اب ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔

والدہ مرحومہ کی یاد میں

(صفحہ ۲۳۸/۲۵۴)

پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے
آہ ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے
گریۂ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے
موجِ دردِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنجِ آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پا بہ پا اس نے کیا
عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری ، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت ، جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اُتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں ، فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار؟
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں ، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر ، وہ بازو مرا
تجھ کو مثلِ طفلکِ بیدست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ
تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ اجل ہے لا دوا
زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر، غم مرنے والوں کا، جہاں آباد ہے
حلقۂ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں
وقت زخمِ تیغ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آ جاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے
آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے
جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
رختِ ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ! یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسائی، فراموشی نہیں
دامِ سیمینِ تخیّل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے!
ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے
نورِ فطرت ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا !
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا !
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے !
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے !

ON THE RECEIPT OF MY MOTHER'S PICTURE

Oh that these lips had language ! Life has pass'd
With me but roughly since I heard thee last.
Those lips are thine___thine own sweet smiles I see,
The same that oft in childhood solaced me;
Voice only fails, else, how distinct they say,
"Grieve not, my child, chase all thy fears away!"
The meek intelligence of those dear eyes
(Blest be the art that can immortalize,
The art that baffles time's tyrannic claim
To quench it) here shines on the still the same.

My mother ! when I learn'd that thou wast dead,
Say, wast thou conscious of the tears I shed?
Hover'd thy spirit o'er thy sorrowing son,
Wretch even then, life's journey just begun?
Perhaps thou gav'st me, though unseen, a kiss;
Perhaps a tear, if souls can weep in bliss__
Ah that maternal smile ! it answers__yes.
Short - liv'd possession ! but the record fair
That mem'ry keeps of all thy kindness there,
Still outlives many a storm that has effac'd
A thousand other themes less deeply trac'd.
The mighty visits to my chamber made,
That thou might'st know me safe and warmly laid;
Thy morning bounties ere I left my home,
The biscuit, or confectionary plum;
The fragrant waters on my cheeks bestow'd
By thy own hand, till fresh they shone and glow'd
All this, and more endearing still than all,

Thy constant flow of love, that knew no fall,
Ne'er roughen'd by those cataracts and brakes
That humour interpos'd too often makes;
All this still legible in mem'ry's page.
And still to be so, to my latest age,
Adds joy to duty, makes me glad to pay
Such honours to thee as my numbers may;
Perhaps a frail memorial, but sincere,
Not scorn'd in heav'n though little notic'd here.

Could time, his flight revers'd restore the hours,
When, playing with thy vesture's tissued flow'rs
The violet, the pink, and jessamine,
I prick'd them into paper with a pin,
(And thou wast happier than myself the while,
Would'st softly speak, and stroke my head and smile)
Could those few pleasant hours again appear,
Might one wish bring them, would I wish them here?
I would not trust my heart - the dear delight
Seems so to be desi'rd, perhaps I might-
But no- what here we call our life is such,
So little to be lov'd and thou so much,
That I should ill requite thee to constrain
Thy unbound spirit into bonds again.

My beast is not that I deduce my birth
From lions enthron'd and rulers of the earth;
But higher far my proud preteasions rise-
The son of parents pass'd into the skies.
And now, farewell- time, unrevok'd has run
His wonted course. yet what I wish'd is done.
By contemplation's help, not sought in vain.
I seemt' have liv'd my childhood o'er again;
To have renew'd the joys that once were mine,
Without the sin of violating thine:
And, while the wings of fancy still are free,
And I can view this mimic show of thee,
Time has but half succeeded in his theft--
Thyself remov'd, thy power to sooth me left.

William Cowper

اقبال کی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' کوپر کی نظم ''والدہ کی تصویر موصول ہونے پر'' (On the Receipt of My Mother's Picture) کی طرف ذہن کو منتقل کرتی ہے- یہ کہنا صحیح نہیں کہ اقبال کی نظم کوپر کی نظم سے ماخوذ ہے کیونکہ دونوں نظموں میں اشعار اور بندوں کی ترتیب مختلف ہے- اقبال کی نظم جبر اور تقدیر کے فلسفہ سے شروع ہوتی ہے- دو بندوں کے بعد خیال، فلسفیانہ تعمیمات کی بجائے ذاتی کوائف کی نقش گری کی سمت مڑتا ہے جو اگلے تین بندوں پر مشتمل ہے- اس کے بعد خیال پھر ایک نیا موڑ (transition) لیتا ہے اور نظم کا بڑا حصہ فلسفیانہ توجیہ پر صرف ہوتا ہے- اخیر تک پہنچتے پہنچتے خیال پھر ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہوتا ہے اور نظم کے خاتمے پر پھر ذاتی رنگ ابھر آتا ہے- اس تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی نظم میں شخصی اور لاشخصی عناصر آمیز کیے گئے ہیں اور ان میں ایک نوع کی ترتیب کا احساس ہوتا ہے- دونوں نظموں کے درمیان نقطۂ امتیاز مشرقی اور مغربی شاعرانہ مزاج کا ہے- کوپر کے ہاں خارجیت اور جزئیات نگاری فلسفیانہ نتائج کے مقابلے میں زیادہ اہم اور دلکش ہے- اقبال کے ہاں داخلیت کا آب ورنگ اور ایک وسیع تر پس منظر کی طرف اشارہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں- دونوں نظموں میں وجہِ مماثلت یہ ہے کہ دونوں شاعروں نے اپنی ماں کی موت سے پیدا شدہ تاثرات اور زندگی کے بظاہر معمولی واقعات اور یادوں کو انتہائی خلوص اور سوز وگداز کے ساتھ پیش کیا ہے اور دونوں کے ہاں چند تفصیلات بھی مشترک ہیں جن سے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' کی تخلیق کے وقت ممکن ہے اقبال کے ذہن میں کوپر کی یہ نظم ہو-

۞

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

''اشترے یابد اگر افغان حُر
با یراق و ساز و با انبار دُر
ہمتِ دونش ازاں انبار دُر
می شود خوشنود بازنگِ شتر''

(ص۶۴۷/۱۷۵)

اشعارِ غزل خوشحال خان خٹک

پختانہء پہ عقل پوھہ چہ ناقص دی
کوشمہ پسی د قصابانو د جوس دی
(افغان کتنے جاہل، بے وقوف اور نکمے ہیں، یہ بوچڑ خانے کے ذلیل کتے ہیں)
بادشاہی ے د مغل پہ زر و بائلہ
د مغلو منصبونو پہ ھوس دی
(مغل کے سیم وزر کے لیے یہ بادشاہی ہار بیٹھے، مغل کے منصبوں کی ہوس ان کی دامنگیر ہے)
اوبنں لہ بارہ سرہ کورتہ و راغلے
چہ او لجہ د اوبنں دغاڑے پہ جرس دی -۱
(اموال واسباب سے لدا ہوا اونٹ ان کے گھر آیا، مگر یہ اس کے گلے کی گھنٹی کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس کے لیے آپس میں لڑنے لگے)

اقبال کے یہ اشعار خوشحال خاں خٹک کی اس غزل کے آخری شعر سے ماخوذ ہیں اور ان دو شعروں میں اقبال نے خوشحال خاں خٹک کی طرح، اور غالباً اسی سے تاثر قبول کر کے افغانیوں کے قومی کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

حواشی

۱۔ دوست محمد خان کامل، خوشحال خاں خٹک، ص۲۶۱-۲۶۲

بالِ جبریل
(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

(ص ۳۴۴/۲۰)

To try to lead wicked men into virtuous ways by the mere use of soft words is as futile as tethering an elephant with the fibre of a young lotus; as futile as the attempt to cut a diamond with a piece of wood, as futile as trying to sweeten the salt sea with a drop of honey.[1]

بال جبریل کا شعر پھول کی پتی ۔۔۔ الخ، بھرتری ہری کے مندرجہ اشلوک سے ماخوذ ہے۔ اقبال نے اس پورے اشلوک میں سے آخری ٹکڑے کے مفہوم کو اپنے منفرد انداز میں نظم کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اقبال نے اس شعر کو اپنی کتاب کے شروع میں نقل کر کے قارئین ناسخن شناس پر ایک لطیف طنز کی ہے اور اس طرح بھرتری ہری کے الفاظ کو ایک ادبی اور عالمگیر اشاریت کا جامہ پہنا دیا ہے۔

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

(ص ۴۲۸/۱۰۴)

اک فغانِ بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
مردِ حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ہوں، پشیماں ہے مری تدبیر بھی!

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی !
جو مری تیغِ دودم تھی ، اب مری زنجیر ہے
شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!

مقری لکھتا ہے کہ معتمد نے بیڑیوں کی تکلیف سے تنگ آ کر مندرجہ ذیل شعر کہے-

تبدلت من عز ظل البنود
بذل الحدید و ثقل القیود

(میں نے جھنڈوں کے سائے کی عزت سے لوہے کی ذلت اور بیڑیوں کا بوجھ بدل لیا ہے-)

و کان حدیدی سنانا ذلیقا
و عضبا دقیقا صیقل الحدید

(میرا لوہا تیز نیزے اور باریک چمکدار تلوار پر مشتمل تھا)

فقد صار ذاك و ذا ادهما
یعض بساقی اعض الا سود ۲

(اب وہ زنجیر سے مبدل ہوگئے جو میری پنڈلیوں کو شیر کی طرح کاٹتی رہتی ہے)

اقبال کی نظم ''قید خانہ میں معتمد کی فریاد'' معتمد کے اشعار کی ایک نہایت فنکارانہ بازگشت ہے- گو اقبال نے واقعات بجنسہ وہی دہرائے ہیں جن پر معتمد کے اشعار کی بنیاد ہے لیکن اقبال نے ان واقعات کو سادہ اور سپاٹ انداز میں بیان کرنے کے بجائے ان کے تاثر کو شعری اشاریت میں رچا کر پیش کیا ہے- اس میں شک نہیں کہ معتمد کے اشعار دل پر بڑا اثر کرتے ہیں لیکن اقبال کے ہاں تاثر آفرینی اور حسن کاری، دونوں نمایاں اور دلکش ہیں- اسی کے ساتھ اقبال کے ہاں آخری شعر میں غیر معتدل شوخی بھی نظر آتی ہے جو معتمد کے اشعار میں نہیں-

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت
سرزمینِ اندلس میں

(ص ۴۲۹/۱۰۵)

میری آنکھوں کا نور ہے تو   میرے دل کا سرور ہے تو

اپنی وادی سے دور ہوں میں　　میرے لیے نخلِ طور ہے تو!
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا　　صحرائے عرب کی حور ہے تو !
پردیس میں ناصبور ہوں میں　　پردیس میں ناصبور ہے تو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نمِ سحر ہو

عالم کا عجب ہے نظارہ　　دامانِ نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناوری مبارک　　پیدا نہیں بحر کا کنارہ
ہے سوزِ دروں سے زندگانی　　اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبحِ غربت میں اور چمکا　　ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

تبدت لنا وسط الرصافة نخلة　　تنأت بارض الغرب عن بلد النخل
(مجھے رصافہ میں ایک کھجور کا درخت جو کھجوروں کے شہر یعنی عرب سے دور سرزمین مغرب میں تھا، دکھائی دیا-)

فقلت شبیہی فی التغرب و النوی　　وطول التنائی عن بنی و عن اھلی
(تو میں نے کہا جس طرح میں غریب الوطن اپنے خاندان اور اہل وعیال سے دور ہوں، اسی طرح تو بھی ہے-)

نشات بارض انت منھا غریبة　　فمثلك فی الاقصاء و المنتای مثلی
(تو ایک اجنبی ملک میں اُگا ہے اور جدائی اور دوری میں مجھ ہی جیسا ہے-)

سقتك غوادی المزن فی المنتای الذی
یسح و یستمری السماکین بالوبل [۳]
(تجھ کو صبح کی بدلیاں اس دور دراز مقام میں سیراب کرتی رہیں جہاں سماکین سے موسلا دھار پانی آتا ہے-)

اقبال کی نظم ''عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت'' عبدالرحمٰن اول کے اشعار کا نہایت آزاد ترجمہ ہے- اس نظم کے پہلے بند میں تو اقبال نے صرف کھجور کے درخت کے بوئے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے- گو یہ بیان بھی شاعرانہ اعتبار سے بہت دلکش اور اثر آفریں ہے اور عبدالرحمٰن اول کی نسبت اس کا تاثر زیادہ گہرا ہے، لیکن نظم کا دوسرا بند عبدالرحمٰن اول کے اشعار پر یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہے

اوراس کی اہمیت اس میں ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہمیں اقبال کے ذہن اور مرکزی خیالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقبال ایک معمولی واقعے میں بھی حکمت اور بصیرت کے رموز تلاش کر لیتے ہیں۔

۞

گدائی

(ص ۴۴۴/۱۲۰)

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا !
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے ؟
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے ؟مردِ غریب و بے نوا !
مانگنے والا گدا ہے ! صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا !

۞

آن شنیدستی کہ روزی زیرکی با ابلہی
گفت کین والیٔ شہر ما گدائی بے حیاست
گفت چوں باشد گدا آن کز کلاہش تکمۂ
صد چو ما روزہا بل سالہا برگ و نواست
گفت ای ناداں غلط اینکہ ازینجا کردۂ
آں ہمہ برگ و نوا دانی کہ آنجا از کجاست
درّ و مروارید طوقش اشکِ اطفالِ من است
لعل و یاقوتِ ستامش خونِ ابنائے شماست

آنکہ تا آبِ سبو پیوستہ از ماخواستت
گر بجوئی تا بمغزِ استخوانش نان ماست
خواستن گدیہ است خواہش عشر خواں خواہی خراج
زانکہ گر دہ نام باشد یک حقیقت را رواست
چوں گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی
ہر کہ خواہد چوں سلیمان ست و گر قاروں رواست-[۴]

اقبال کی نظم ''گدائی'' انوری کے اسی مضمون کے مندرجہ بالا قطعہ سے ماخوذ ہے- دونوں نظموں میں مماثلت اس حد تک پائی جاتی ہے کہ پہلا اور آخری شعر نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ کی تکرار کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہیں- دونوں نظموں کا مرکزی خیال ایک ہی ہے، اور اگرچہ الفضل للمتقدم کے اعتبار سے انوری کو فوقیت ہے لیکن اقبال رنگین پیرایۂ بیان، پرُزور طرزِ انشا، روانی اور دلکشی میں بڑھ گئے ہیں-

ابوالعلامعرّی
بالِ جبریل

(ص ۱۶۲/۴۸۶)

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا
شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوانِ تر و تازہ معرّی نے جو دیکھا
کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
اے مرغکِ بیچارہ ، ذرا یہ تو بتا تو
تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
افسوس ! صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات !

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات !

بقای انسب

قصہ شنیدم کہ بوالعلا بہ ہمہ عمر
لحم نخورد و ذوات لحم نیازرد
در مرض موت با اجازہ دستور
خادم او جوجہ ہا بہ محضر او برد
خواجہ چو آن طیر کُشتہ دید برابر
اشک تحسّر ز ہر دو دیدہ بیفشرد
گفت چرا ماکیاں شدی نشدی شیر
تا نتواند کست بہ خون کشد و خورد
مرگ برائے ضعیف امر طبیعیت
ہر قوی اول ضعیف گشت وسپس مرد ۵

اقبال کی نظم ابوالعلامعری، ایرج مرزا کے قطعہ بقای انسب سے کس درجہ مماثلت رکھتی ہے! دونوں کا مرکزی خیال ایک ہے- اقبال نے تیتر کے شاہین نہ بننے پر افسوس کیا ہے جبکہ ایرج نے ماکیاں کو شیر بننے کی تلقین کی ہے، لیکن انجام دونوں کے ہاں یکساں ہے کہ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے سوا کچھ اور نہیں- عجب نہیں کہ اقبال نے ابوالعلامعرّی پر یہ اشعار ایرج مرزا کے قطعے سے متاثر ہو کر کہے ہوں-

حوالہ کتب

۱- J.M.Kennedy,The Satakas or Wise Sayings of Bhartrihari, p.56,verse no,6.

۲- مقّری، نفع الطیب، ج۲صفحہ ۵۷۰، مطبع بریل

۳- مقّری- نفع الطیب، ج۲، صفحہ ۳۷، مطبع بریل

۴- کلیات انوری، صفحہ ۲۶۳-۲۶۴، مطبوعہ نول کشور لکھنو

۵- ایرج مرزا، چاپ خانہ بازرگانی، اسفند ماہ ۱۳۴۲ تہران، ص ۱۶۸

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

علم و عشق

(ص ۵۳۲/۳۲)

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن!
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین وظن!
بندۂ تخمین وظن ! کرمِ کتابی نہ بن!
عشق سراپا حضور ، علم سراپا حجاب!
عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات!
علم مقامِ صفات ، عشق تماشائے ذات!
عشق سکون وثبات ، عشق حیات وممات!
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب!
عشق کے ہیں معجزات، سلطنت وفقر ودیں!
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج ونگیں!
عشق مکان ومکیں ! عشق زمان و زمیں!
عشق سراپا یقیں ، اور یقیں فتح باب!
شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام!
شورشِ طوفاں حلال ، لذتِ ساحل حرام!
عشق پہ بجلی حلال ، عشق پہ حاصل حرام!
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب!

باب اول در مقالاتِ علم وعشق

عقل گفت : من سببِ کمالاتم
عشق گفت : من نہ در بندِ خیالاتم
عقل گفت : من صرف نقرہَ خصالم
عشق گفت : من محرمِ حرم و صالم
عقل گفت : من دبیرِ مکتبِ تعلیم
عشق گفت : من عبیر نامہَ تسلیم؟
عقل گفت : مرا ظریفانند بردپوش
عشق گفت : مرا حریفانند درد نوش
عقل گفت : من سکندر آ گاہم
عشق گفت : من قلندر درگاہم؟
عقل گفت : من فتویٰ بہ کار دارم
عشق گفت : من بدعویٰ چہ کار دارم
عقل گفت : من آ ئینہَ مشورت ہر بالغم
عشق گفت : من از سود و زیاں مارغم؟
عقل گفت : من رقیبِ انسانم
عشق گفت : من نقیبِ احسانم
عقل گفت : من کشانیدہَ درفہم
عشق گفت : من ز دانیدہَ زنگ وہم؟

علم وعشق یا عقل وعشق کا مکالمہ اقبال کے ہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کا ان کے فلسفہَ زندگی سے گہرا تعلق ہے- فارسی ادبیات میں ''پیرِ انصار'' کے ہاں یہی مکالمہ اس طرح ملا گویا وہی اقبال کا مصدرِ الہام ہے- صاف پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے نہ صرف پیر انصار کے طرزِ استدلال سے بلکہ ان کے اندازِ بیان سے بھی گہرا تاثر قبول کیا ہے، خصوصاً ضربِ کلیم میں ''علم وعشق'' کے عنوان سے جو نظم ہے، وہ پیرِ انصار ہی کے معانی وہیئتِ مکالمہ کا پرتو معلوم ہوتی ہے-

''پیرِ انصار'' کا پورا نام شیخ ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاری ہروی ہے- ہرات میں ۴ مئی ۱۰۰۶ء کو پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ء میں وفات پائی - ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ملتا ہے- ''مناجات'' کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں- مسجع و مقفیٰ نثر اور غزلیں اور رباعیات بھی ان سے یادگار ہیں- پیرِ انصار کے ہاں تصوف اور اخلاق کا امتزاج خوب ہے-۱

۞

حوالہ کتاب

۱- دکتر معین، فرہنگِ فارسی، جلد ۵، (اعلام)، ص ۱۵۰، طبع ہشتم، انتشاراتِ امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱

+ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۳ء

باب دہم

تلمیحات واشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات پر ایک نظر

اقبال کی شاعری ایک پیغام ہے- یہ پیغام جمود وتعطل کا نہیں، حرکت وعمل کا ہے- اقبال نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس فضا میں پرورش پائی اور جن حالات سے دوچار ہوئے، وہ کچھ ایسے تھے جن میں عجمی تصورات اور غیر اسلامی اقدار کی کارفرمائی تھی- اقبال نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلم قوم کو دنیا میں سربلند ہو کر رہنا ہے تو اسے اسلامی اقدار کو اپنانا ہوگا کیونکہ اسلامی اقدار بذات خود انقلاب آفرین ہیں- اقبال کا اس پر ایمان تھا کہ مسلمان اور صرف مسلمان ہی دنیا کی امامت کے لیے پیدا ہوا ہے، اور یہ امامت اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ خود اسلام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لے- اقبال نے، اس نصب العین کو اپنانے میں جو رکاوٹیں تھیں، ان کو اپنی شاعری کے زور سے دور کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے- اقبال کے نزدیک وہ رکاوٹیں اپنی روایات سے بیگانگی اور عجمی تصورات میں محصور ہونا تھا- حالات یہ تھے کہ برصغیر پاک وہند کا مسلمان کئی سو برس سے ذہنی اور علمی حیثیت سے پست ہو چکا تھا اور انگریز کی غلامی نے اس کے اندر جو صلاحیتیں باقی تھیں، انہیں بھی ختم کر دیا تھا- جنگِ آزادی کے بعد ہی سے چند حساس مسلمان رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زندگی کی تگ ودو میں مسلمان کو متمدن ترین قوموں کی سطح پر لا کر کھڑا کیا جائے، لیکن وہ رہنما خود اس حکمران تمدن سے مرعوب تھے- ہماری قوم کو دو قسم کے رہنما ملے- ایک تو وہ تھے جو قوم کی نجات اس میں دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کو مذہب کی طرف (جو ایک جامد مذہبیت میں منتقل ہو چکا تھا) لے آئیں اور دوسرے رہنما وہ تھے جو حکمران تمدن کی ملمع سازی سے مرعوب ہو کر اس کی اندھا دھند نقالی کی دعوت دیتے تھے- اسلام کا صحیح نصب العین دونوں رہنماؤں کی نظروں سے اوجھل تھا- پہلی قسم کے رہنما ٹوٹی ہوئی کشتی پر ساحل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، دوسری قسم کے رہنما کعبہ کے بجائے ترکستان کی طرف جا رہے تھے، ان حالات میں اقبال کا ظہور ہوا- اقبال نے نہ تو مغربی ذہنیت رکھنے والے رہنماؤں کی طرح دین کی طرف سے بے توجہی برتی اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دیا جو ہر نئی چیز کی مخالفت پر کمربستہ

رہتے تھے- اقبال نے دین کا حرکی تصور لے کر اور دین کی غیر متبدل اقدار اور تصورات کو بنیاد مان کر ہر معاصر تمدن کے صالح اجزا کو اس میں سمونے کی کوشش کی تا کہ برصغیر پاک و ہند کا مسلمان اپنے دین کے بنیادی تصورات پر قائم رہتے ہوئے اور زمانے کے جدید تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھ کر دنیا کی امامت کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر سکے-

اقبال کے پیغام کو اگر ہم اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور قرآن کی طرف رجوع کرنے کی دعوت ہے- مولوی اور فقیہ نے دین کے تصور کو نہایت محدود اور مسخ کر دیا تھا- ان کے نزدیک دین چند عجمی عقائد اور چند رسموں کے مجموعے کا نام رہ گیا تھا جس کے اندر نائب حق بننے کی کوئی جگہ نہیں تھی- اقبال نے ان تمام پردوں کو جو امتدادِ زمانہ کے باعث قرآن اور اسلام پر پڑ چکے تھے، چاک کر کے قرآن اور اسلام کو اس روشنی میں دیکھا جس سے ان کا اصلی مفہوم متعین ہو سکتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اور خدا کا صحیح تعلق کیا ہے اور انسان اپنا حقیقی مقام کس طرح حاصل کر سکتا ہے- اقبال کی رائے میں اس کا حصول خودی کے ذریعے ممکن ہے - ان کے نزدیک صاحبِ خودی ، زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے- جس فرد کی خودی کمال کے درجے کو پہنچ جاتی ہے، وہ تسخیرِ فطرت کر لیتا ہے اور جب فطرت پر اس کا تصرف ہو جاتا ہے تو وہ کائنات کی تمام اشیاء پر قابض و متصرف ہو کر نائب حق بن جاتا ہے- اقبال نے انسان کا منصبِ جلیل یہ متعین کیا ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہو- خودی سے اقبال کی مراد احکامِ خداوندی کی بجا آوری معلوم ہوتی ہے-

اقبال کو جہاں کہیں اس منصبِ جلیل کی تائید جزوی یا کلی طور پر ملی ہے ، اسے قبول کر لیا ہے- مثلاً جب وہ اٹلی کے آمر مطلق مسولینی پر نظم لکھتے ہیں تو اس سے غرض مسولینی کے عقائد یا اس کی حکمتِ عملی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ندرتِ فکر و عمل کو اجاگر کرنا ہے اور چونکہ ندرتِ فکر و عمل ایک اسلامی قدر ہے، اس لیے اقبال کو اس میں ایک اسلامی قدر کا احیا نظر آتا ہے- اسی لیے وہ مسولینی کی زندگی کے اس پہلو کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں----- اور جب یہی مسولینی ابی سینیا پر حملہ کرتا ہے تو اقبال اس کی نہایت شد و مد سے مذمت کرتے ہیں---- گویا تعریف مسولینی کی نہیں بلکہ اس کے حسنِ عمل کی ہے- اسی طرح ابتدا میں اقبال کو مصطفیٰ کمال سے بڑی عقیدت تھی؛ چنانچہ انہوں نے مصطفیٰ کمال کی فتوحات سے متاثر ہو کر اپنی غیر فانی نظم ''طلوعِ اسلام'' قوم کے سامنے پیش کی- گویا انہیں اسلام اور اسلامی اقدار کا احیا مصطفیٰ کمال کی ذات میں معلوم ہوتا تھا-- لیکن جب یہی مصطفیٰ کمال فرنگی افکار اور تہذیب و تمدن سے مرعوب ہو کر، ترکی کو مغربیت سے قریب تر لا کر، اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے تو اقبال زوردار الفاظ میں

اس کی تردید کرتے ہیں --- ان کے نزدیک مصطفیٰ کمال کی اس اصلاح سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا تھا---- اسی طرح اگر ہم اورنگ زیب اور اکبر کو لیں تو اقبال کے نقطۂ نظر کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے- ادھر اورنگ زیب پر وہ ایک معرکتہ الآرا نظم لکھتے ہیں تو دوسری طرف وہ شہنشاہ اکبر اور دارا کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں - کیوں؟ اس لیے کہ اورنگ زیب ان کے خیال میں اسلامی روایات، اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی اقدار کو زندہ کر رہا تھا، اور اکبر اور دارا سرزمینِ پاک وہند میں الحاد کا بیج بو رہے تھے- اسی طرح وہ اطالیہ کے مشہور سیاست دان اور ادیب میکیاولی اور یونان کے مشہور ترین فلسفی افلاطون کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ میکیاولی نے اپنی تصنیف ''کتاب الملوک'' میں مذہب کو سیاست سے ایک الگ چیز قرار دیا ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست کو مذہب سے الگ نہیں کیا جا سکتا- افلاطون کے فلسفے سے جد وجہد، تگ ودو اور عمل کے فلسفے کو ضعف پہنچتا ہے، اس لیے وہ افلاطون کے اس نظریے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ عمل کو اسلامی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے- دنیا کی جس شخصیت کو اقبال نے سراہا ہے یا جس کی مذمت کی ہے، ہر جگہ ایک ہی نقطۂ نظر کارفرما نظر آتا ہے، اور وہ ہے اسلامی اقدار کا احیا- اگر وہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں سے متاثر ہوتے ہیں، تو اس لیے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں بھی اسی طرح کا انقلاب رونما ہو جو فاسد مادے کو ختم اور صالح عناصر کو پیدا کرے، جس طرح انقلابات کی بدولت دیگر ممالک میں ہوتا رہا ہے-

اقبال کے ہاں مشرق ومغرب کے چوٹی کے حکماء کا ذکر ملتا ہے- مغربی حکماء کی عقلیت انہیں پسند آتی ہے اور وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں- کسی کے ہاں انہیں اصولِ ارتقاء ملتا ہے اور کسی کے ہاں اشیاء کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت---- وہ دعوت جس سے دینِ فطرت کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے- اقبال چونکہ اسلام کو ایک ابدی مذہب مانتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اس میں وہ صفات ہونی چاہئیں جنہیں ہم عقلی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر کے تسلیم کرا سکیں- دوسری طرف وہ مشرقی حکماء کے متبع نظر آتے ہیں- تتبع اس لحاظ سے کہ انہیں ان کے ہاں بعض اسلامی اقدار کی توضیح وتشریح مل جاتی ہے جس میں کچھ اور اضافے کے ساتھ عہدِ جدید کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور اس طرح موجودہ زمانے کے اس ذہن کو مطمئن کیا جا سکتا ہے جو ہر وقت تشکیک کا شکار رہتا ہے-

اقبال کا نقطۂ نظر حکیمانہ کے بجائے ''عارفانہ اور صوفیانہ'' معلوم ہوتا ہے، اسی لیے آیات واحادیث زیادہ تر وہ ہیں جو صوفیہ کے ہاں، بالخصوص مولانا روم کے ہاں ملتی ہیں- قرآن اور احادیث کی تلمیحات اگر بیک وقت رومی اور اقبال، دونوں کی سامنے رہیں تو یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے قرآن اور

حدیث سے وہی کچھ لیا ہے جو خود رومی نے پسند کیا ہے- گویا اقبال نے تقریباً انہی آیات اور احادیث کا انتخاب کیا ہے جو رومیؒ کے ہاں ملتی ہیں- اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی کے توسط سے بھی کیا ہے- نہ صرف قرآن اور حدیث کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے بلکہ اکثر اقوال کے بارے میں بھی جن کا ماخذ صوفیہ کے ہاں بتایا گیا ہے، ان کی بابت بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی رومی کے ہاں سے لیے گئے ہیں- مثلاً لا موجود الاّ اللہ وغیرہ وغیرہ- جو مقولہ اقبال نے امام شافعیؒ کا بتایا ہے یعنی الوقت سیف ، وہ بھی ہمیں رومی کے ہاں مل جاتا ہے- یہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات بھی جو اقبال نے اپنے ہاں پیش کیے ہیں ، وہ بھی زیادہ تر ہمیں رومی کے ہاں مل جاتے ہیں- مثلاً اقبال نے اسرارِ خودی میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ
الحذر از منّتِ غیر الحذر -۳

(اسرارِ خودی، کلیاتِ فارسی، ص ۴۲/۲۶)

یہ واقعہ ہمیں رومی کے ہاں اس طرح ملتا ہے-

تازیانہ از کفش افتاد راست
خود فرود آمد ز کس آں رانخواست

(دفتر ششم، ص ۴۶، مثنوی رومی)

رومی نے مذکورہ بالا شعر میں ایک صحابی کا واقعہ بیان کیا ہے جسے اقبال نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے نظم کیا ہے - یہ امور ہمارے اس موقف کی تائید کرتے ہیں کہ اقبال نے قرآن و حدیث کے مطالعے میں مولانا رومی سے بھی رہنمائی لی ہے اور انہیں اپنا خضرِ راہ بنایا ہے- اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے ہو سکتی ہے- پہلے چند شعر تلمیحاتِ قرآن کے سلسلے میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص ۱۱۹/۱۰۳)

گر نفر مودے قصاصے بر جنات
خود نہ گفتے فی القصاص آمد حیات

(دفتر اول ص ۳۹۳، مثنوی رومی)

اقبال کے پہلے اور رومی کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی تکرار قابلِ توجہ ہے-

(۲) قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے اَرِنی سرخیٔ افسانۂ دل

(بانگِ درا،کلیات اردو،ص ۹۳/۷۷)

جملہ کفہا در دعا افراختہ
نعرۂ ارنی بہم در ساختہ

(دفتر ششم ص۲۴۰،مثنوی رومی)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

(۳) ''کشتیٔ مسکین''و''جانِ پاک''و''دیوارِ یتیم''
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(بانگِ درا،کلیات،اردو،ص ۲۸۴/۲۶۸)

چوں مناسبہائے افعالِ خضر
عقلِ موسیٰ بود در دیدش کدر

(دفتر دوم،ص ۳۰۷،مثنوی رومی)

اقبال کا قرآنی اشارہ رومی کے مندرجہ بالا شعر میں مل جاتا ہے۔

(۴) قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

(اسرارِخودی،کلیات،فارسی،ص ۷۶/۶۰)

صبغۃ اللہ نام آں رنگِ لطیف
لعنۃ اللہ بوی ایں رنگِ کثیف

(دفتر اول،ص ۱۰۵،مثنوی رومی)

یہاں نہ صرف قرآنی تلمیح مشترک ہے بلکہ لفظ 'رنگ' بھی اقبال اور رومی ، دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(۵) در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است

(اسرارِخودی،کلیاتِ فارسی،ص۵۹/۴۳)

جوشش و افزونئ زر در زکوٰۃ
عصمت از فحشا ومنکر در صلوٰۃ

(دفترششم،ص۳۴۱،مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی تلمیح نماز کی طرف ہے-رومی کے شعر میں لفظ صلوٰۃ پہلے ہی سے موجود ہے-

(۶) مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

(رموزِ بیخودی،کلیات،فارسی،ص۱۰۷/۹۱)

ورکشد آں دیر ہیں زنہار تو
وردِ خود کن دمبدم لا تقنطوا !

(دفترششم،ص۱۹۳،مثنوی رومی)

لا تقنطوا! دونوں شعروں میں موجود ہے-

(۷) در گذر مثلِ کلیم از رودِ نیل
سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل

(جاویدنامہ،کلیات،فارسی،ص۵۵۶/۸۴)

من نیم فرعون کایم سوئے نیل
سوئے آتش میروم ہمچوں خلیل

(دفتر پنجم،ص۵۵،مثنوی رومی)

اقبال کے ہاں شعر کے پہلے اور دوسرے مصرع میں جن قرآنی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ رومی کے ہاں بھی مذکور ہیں-نہ صرف تلمیح مشترک ہے بلکہ اقبال اور رومی کے ہاں آخری الفاظ بھی یکساں ہیں-

(۸) بندۂ مومن امیں ، حق مالک است
غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

(جاوید نامہ،کلیاتِ فارسی،ص۸۱/۵۵۳)

می نماند در جہاں یک تارِ مو
کلّ شی ھالک الا وجھہ

(دفتر چہارم،ص۲۷۶،مثنوی رومی)

اقبال نے مصرع ثانی میں جس قرآنی تلمیح کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

(۹) مدعا پیدانہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ ''ما رمیت''

(جاوید نامہ،کلیات،فارسی،ص۱۳۰/۶۰۲)

ما رمیتَ اذ رمیتَ راست داں
ہر چہ دارد جاں بود از جانجاں

(دفتر دوم،ص۲۴۲،مثنوی رومی)

اقبال کے ''مارمیت'' کا ماخذ رومی کے مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔

(۱۰) ہر دو را ذوقِ ستم گردد فزوں
وردِ من یا لیت قومی یعلموں

(جاوید نامہ،کلیات،فارسی،ص۱۴۴/۶۱۶)

گفت ہر برگ وشگوفہ آن غصوں
دمبدم یا لیت قومی یعلمون

(دفتر سوم،ص۱۹۹،مثنوی رومی)

دونوں شعروں کے مصرع ثانی کے آخری الفاظ کی تکرار قابلِ غور ہے۔

(۱۱)　آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم ''کنفسٍ واحدہ''

(جاوید نامہ،کلیات، فارسی،ص۸۲/۵۵۴)

روح انسانی کنفسٍ واحدست
روحِ حیوانی سفالے جامدست

(دفتر دوم،ص۳۲،مثنوی رومی)

اقبال اور رومی کے ہاں کنفسٍ وّاحد کی تلمیح مشترک ہے۔

(۱۲)　حکمِ حق ہے لیس لِلانسانِ الاّ ما سعیٰ
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(بانگِ درا،کلیات اردو،ص۳۰۸/۳۲۴)

چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا
لیس لِلانسان الاّ ما سعیٰ

(دفتر چہارم،ص۲۴۵،مثنوی رومی)

دونوں شعروں میں ایک ہی بات دہرائی گئی ہے۔

(۱۳)　از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیمؑ شو

(پس چہ باید کرد،کلیات، فارسی،ص۲۶/۷۰۲)

احسن التقویم از عرشش فزوں
احسن التقویم از فکرت بروں

(دفتر ششم،۱۱۱،مثنوی رومی)

اقبال کے احسن التقویم کا ماخذ رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۱۴) چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلبِ او از لاتخف محکم شود

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص۹۲/۱۰۸)

نے زِ دریا ترس و نے از موجِ وکف
چوں شنیدی تو خطابِ لا تخف

(دفتر سوم، ص۵۸، مثنوی رومی)

دونوں شعروں کا نہ صرف ماخذ ایک ہے بلکہ بات بھی ایک ہی کہی گئی ہے۔

(۱۵) جوئے اشک از چشمِ بیخوابش چکید
تا پیامِ طہرّا بیتی شنید

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص۹۷/۱۱۳)

طہرّا بیتی بیانِ پاکیست
گنجِ نور است ار طلسمش خاکیست

(دفتر اول، ص۴۷، مثنوی رومی)

پیام اور بیان کے ساتھ طہرّ ا بیتی کی تکرار اقبال اور رومی، دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(۱۶) علمِ اسما اعتبارِ آدمؑ است
حکمتِ اشیا حصارِ آدمؑ است

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص۱۳۷/۱۵۳)

بو البشر کوُ علّم الاسما بگست
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگست

(دفتر اول، ص۱۴۹، مثنوی رومی)

اقبال اور رومی کے ہاں ایک ہی بات کہی گئی ہے۔

(۱۷) چوں ز بندِ آفل ابراہیم رست
درمیانِ شعلہ ہا نیکو نشست

(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص۶۵/۸۱)

اندرین وادی مرو بے ایں دلیل
لا احب الآ فلین گو چوں خلیلؑ

(دفتر اول،ص۴۷،مثنوی رومی)

اقبال کے شعر کا ماخذ رومی کے شعر میں مل جاتا ہے۔

(۱۸) پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود

(اسرارِ خودی،کلیات،فارسی،ص۲۸/۴۴)

گر ترا اشکال آید در نظر
پس تو شک داری در انشق القمر

(دفتر اول،ص۱۳۵،مثنوی رومی)

اقبال نے مصرع ثانی میں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ کیا ہے جو رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۱۹) خرقۂ آں ''برزخ لا یبغیان''
دیدمش در نکتۂ ''لی خرقان''

(مسافر،کلیاتِ فارسی،ص۶۷/۷۴۳)

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں
درمیاں شاں برزخ لا یبغیاں

(دفتر اول،ص۶۱،مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی ترکیب ''لا یبغیان'' رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۲۰) رازہا با مردِ مومن باز گوے
شرحِ رمزِ ''کل یومٍ'' باز گوے

(جاویدنامہ،کلیات،فارسی،ص۸۷/۵۵۰)

بہرِ ایں فرمودہ رحمٰن اے پسر
کل یومٍ ھو فی شان اے پسر

(دفتر اول،ص۲۰۲،مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی ترکیب ''کل یومٍ'' رومی کے مصرع ثانی میں مل جاتی ہے۔

یہ تو تھے چند شعر رومی کے، اقبال کی قرآنی تلمیحات کے سلسلے میں۔ اب رومی کے چند شعر اقبال کی تلمیحاتِ حدیث کے لیے ملاحظہ ہوں:

(۱) تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمزِ وقت از لی مع اللہ یاد گیر

(اسرارِ خودی، کلیاتِ فارسی، ص ۶۹/۸۵)

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا
لا یسع فیہ نبی مجتبیٰ

(دفتر چہارم، ص ۲۵۳، مثنوی رومی)

اقبال کی تلمیح رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۲) گفتمش ''بگذر ز آئینِ فراق
ابغض الاشیآء عندی الطلاق''

(جاوید نامہ، کلیاتِ فارسی، ص ۱۳۶/۶۰۸)

تا توانی پا منہ اندر فراق
کابغض الاشیاء عندی الطلاق

(دفتر دوم، ص ۱۷۳، مثنوی رومی)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے ہاں مل جاتی ہے۔ رومی اور اقبال کے مصرع اولیٰ کے آخری الفاظ قابل غور ہیں۔

(۳) آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشم او ینظر بنور اللہ نیست

(پس چہ باید کرد، کلیاتِ فارسی، ص ۲۵/۷۰۱)

وانکہ او ینظر بنور اللہ بود
ہم ز مرغ وہم ز مو آگہ شود

(دفترششم،ص۱۲۴،مثنوی رومی)

اقبال کا مصرع ثانی اور رومی کا مصرع اولیٰ کتنا ملتا جلتا ہے۔

(۴) گفت با امت ''ز دنیائے شما
دوست دارم طاعت وطیب و نسا''

(رموزِ بے خودی،کلیاتِ فارسی،ص۱۰۷/۱۲۳)

بہر ایں بوگفت احمد درعظات
دائماً قرّۃُ عینی فی الصلوٰۃ

(دفتر دوم،ص۳۰۵،مثنوی رومی)

اقبال نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۵) آب وگل تیری حرارت سے جہانِ سوز وساز
ابلۂ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

(ارمغانِ حجاز،کلیاتِ اردو،ص۱۴/۷۰۶)

بیشتر اصحابِ جنت ابلہ اند
تا ز شرِّ فیلسوفی می رہند

(دفترششم،ص۲۳۴،مثنوی رومی)

اقبال نے ابلۂ جنت کی ترکیب استعمال کر کے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

(۶) آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت
مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

(اسرارِ خودی،کلیات،فارسی،ص۲۷/۴۳)

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

(دفتر اول، ص ۱۱۹، مثنوی رومی)

اقبال نے الکاسب حبیب اللہ کو حدیث لکھا ہے اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے- اس کا ماخذ بھی رومی کے ہاں مل جاتا ہے-

اقبال نے اسرارِ خودی میں ایک حکایت کا عنوان الوقت سیف قائم کیا ہے- اس حکایت میں ایک شعر یہ بھی ہے-

فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است
سیفِ برّاں وقت را نامیدہ است

(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص ۶۸/۸۴)

اس شعر کے ضمن میں اقبال نے الوقت سیف کو حضرت امام شافعیؒ کا مقولہ بتایا ہے- اس سے تو انکار نہیں کہ یہ مقولہ حضرت امام شافعیؒ ہی کا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مقولہ اقبال کو ملا کہاں سے- میرے خیال میں اقبال نے یہ بھی امام شافعیؒ کے ہاں سے نہیں، رومی کے ہاں سے لیا ہے؛ چنانچہ رومی فرماتے ہیں

قال اطعمنی فانّی جائعٌ
فاعتجل فالوقت سیف قاطعٌ

(دفتر اول، ص ۴۵، مثنوی رومی)

اقبال کی تلمیحات قرآن اور حدیث کے سلسلے میں رومی کے چند شعر اس لیے نقل کیے گئے کہ اقبال اور رومی کے تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ سکیں کہ اقبال کے ہاں قرآن اور حدیث کے ماخذات تقریباً وہی ہیں جو رومی نے اپنی زندۂ جاوید مثنوی میں پیش کیے ہیں جس کو ''ہست قرآں درزبان پہلوی'' کہا گیا ہے- اس لیے یہ کہنا حقیقت سے دور نہیں کہ اقبال نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی ہی کی روشنی میں کیا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں، دنیا میں چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے، اور خود اقبال نے اس کا اعتراف کیا ہے-

اقبال نے جن فارسی شعرا کے اشعار یا مصرعے اپنے کلام میں لیے ہیں، وہ بھی زیادہ تر صوفی شعرا ہی ہیں- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال صوفی شعرا سے بہت متاثر تھے- یہی وجہ ہے کہ وہ ان صوفیہ کے

اشعار کثرت سے نقل کرتے ہیں- البتہ یہاں ایک چیز قابل غور ہے اور وہ یہ کہ اقبال نے ان صوفی شعرا کو نہیں لیا جن کے ہاں نفی خودی کا رجحان ملتا ہے، اقبال نے تو سروکار صرف انہی سے رکھا ہے جن کے ہاں اثباتِ خودی پر زور ہے- مثلاً سنائی، عطار، رومی وغیرہم- صوفیہ کے سلسلے میں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے، اور وہ یہ کہ اقبال شہنشاہوں سے اتنے متاثر نہیں جتنے صوفیہ سے ہیں- ان کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ جس والہانہ انداز سے وہ صوفیہ مثلاً حضرت علی ہجویریؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں، وہ ہمیں تاریخِ عالم کے شہنشاہوں کے ساتھ نہیں ملتی- گویا اقبال کے نزدیک اسلامی اقدار کا احیا یا خود اسلام کی تبلیغ کا سہرا صوفیہ کے سر ہے نہ کہ شہنشاہوں کے سر! اور اگر کسی شہنشاہ کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے تو صرف اس کو جس میں شان فقر بھی موجود تھی!-

انگریزی ادب میں علامہ کا مطالعہ، وسیع معلوم ہوتا ہے- بعض جگہ تو اقبال نے انگریزی شعرا کا حوالہ دے دیا ہے اور بعض جگہ ان کا حوالہ نہیں دیا- لیکن ان کے اشعار اور نظمیں اس کی شاہد ہیں کہ ان کے ہاں انگریزی شعرا کا اثر خاصا گہرا ہے- مثلاً جب وہ اپنے شفیق استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہیں تو اسے پڑھ کر ہمارا ذہن اس مرثیے کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میتھیو آرنلڈ نے ورڈز ورتھ کی وفات پر لکھا تھا- دونوں کا انداز بہت ملتا جلتا ہے- اس سے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ اقبال نے داغ کا مرثیہ لکھنے سے قبل یہ مرثیہ ضرور دیکھا ہوگا- ادھر جب وہ اپنی والدہ کی یاد میں مرثیہ لکھتے ہیں تو ہمیں فوراً کوپر کی وہ معرکۃ الآرا نظم یاد آتی ہے جو اس نے اپنی والدہ کی تصویر موصول ہونے پر قلم بند کی تھی- دونوں نظموں میں ایک ایسا رجحان ملتا ہے جس سے ہمارے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اقبال نے ضرور کوپر کی وہ نظم پڑھی ہوگی- اقبال نے بچوں کے لیے جو نظمیں کہی ہیں اور جن پر ماخوذ لکھا ہے، وہ بیشتر شاعرات کی ہیں- شاید اقبال کے نزدیک بچوں کے جذبات کی ترجمانی مردوں سے بہتر، عورتیں کر سکتی ہیں! اسی لیے ان کی نظر انتخاب شاعرات کی نظموں پر پڑتی ہے- اقبال کے ہاں انگریزی کے بیشتر شعرا وہ ہیں جو کلاسیکی نہیں، رومانی ہیں- رومانی شعرا نے فطرت نگاری جس حسین و دلکش انداز سے کی ہے، وہ انہی کا حصہ ہے- ادھر ہمیں اقبال کے ہاں بھی بڑی حسین اور دلکش نظمیں فطرت نگاری پر ملتی ہیں- ان نظموں کو پڑھ کر اکثر خیال ہوتا ہے کہ ان کا انداز انگریزی شعرا کے انداز سے کس قدر مماثل ہے- انگریزی ادب کے علاوہ اقبال کی نظر جرمن زبان وادب پر بھی تھی: چنانچہ ہمیں ان کے ہاں بعض جرمن نظموں کے حوالے ملتے ہیں مثلاً کہیں گوئٹے کا ذکر ہے تو کہیں ہائنے کا-

شاعری میں تلمیح کا استعمال عام ہے لیکن اقبال نے تلمیح کو رسماً استعمال نہیں کیا۔ انکے یہاں جہاں کہیں اور جب کبھی صنعتِ تلمیح کو شعر کی زینت بنایا گیا ہے یا کام میں لایا گیا ہے وہاں اقبال نے اپنے کلام کو زیادہ موثر اور اثر آفریں بنایا ہے۔ تلمیح کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ کلام یا بیان میں کسی معروف واقعے یا متن یا شخص کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ اقبال کے یہاں تلمیح محض ایک مجمل اشارہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا بلیغ اشارہ ہے جو انکے کلام کی معنویت کو اور اجاگر کرتا ہے۔ اقبال نے تلمیح کے استعمال میں بڑی فنّی مہارت اور چابکدستی کا ثبوت دیا ہے اور ایک عام واقعے کو اسطرح گرفت میں لیا ہے کہ بلاشبہ ایک نئی معنویت عطا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اتنا اہم، وقیع اور مہتم بالشّان کام ہے جو اقبال جیسے عظیم المرتبت شاعر ہی سے ممکن ہے۔ اقبال کے یہاں تلمیح کے استعمال میں فکر وفن اسطرح آمیز ہیں کہ قاری کے ذہن کو ایک نیا افق میسّر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں جہاں اقبال کے خلاّق ذہن نے تلمیح سے کام لیا ہے قاری کو ایک جہانِ معنی نظر آتا ہے۔ اقبال کا تلمیحاتی کلام ایک عجیب سرمدی کیفیت کا حامل ہے۔ اقبال نے اپنے کلام کو بھرپور انداز میں تلمیح سے مزیّن کر کے قاری کے دل ودماغ کو ایسا روشن اور منوّر کیا ہے کہ اردو شاعری میں اسکی مثال مشکل سے ملے گی۔

اقبال کی تلمیحات واشارات کو دیکھنے کے بعد ایک ہی رائے قائم کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ کہ ان کا ایک پیغام ہے، ایک نصب العین ہے- اسی پیغام اور اسی نصب العین کو پہنچانے اور عام کرنے کے لیے وہ تاریخِ عالم کی بعض شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں - ان شخصیات اور تحریکوں میں ہر قسم کی شخصیات اور تحریکیں شامل ہیں- سیاسی بھی، تاریخی بھی، اخلاقی بھی، ادبی بھی، مذہبی اور فلسفیانہ بھی- جہاں، اور جس سے ان کے نصب العین کی تائید ہوتی ہے، اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے خونِ جگر کی آمیزش سے اس کے حسن اور افادیت میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو تحریک یا شخصیت ان کے کام کی نہیں ہوتی، اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں- ان کا پیغام کم وبیش وہی ہے جو اسلام کا ہے- اس پیغام کی نشر و اشاعت میں اقبال تمام عمر کوشاں رہے اور بڑی حد تک انہوں نے اس جمود کو ختم کر دیا جس میں برصغیر پاک وہند کے مسلمان ایک عرصے سے مبتلا تھے- انہوں نے اپنی شاعری میں انہی اقدار کو زیادہ تر پیش کیا ہے جو خود اسلامی ہیں- غیر اسلامی خیالات، عجمی تصورات اور ہندی آب ورنگ کی قدم قدم پر مخالفت کی ہے- اس طرح اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کے احیاء کی سعی کی - اس سعی وکوشش میں انہیں جہاں سے جو کچھ ملا، اسے لے لیا اور پیش کر دیا- اقبال نے دنیا کی تقریباً تمام شخصیتوں اور تحریکوں سے کم وبیش اپنے مفید مطلب چیزیں اخذ کی ہیں اور ان کو ایک نیا آب ورنگ دے

کر، ان میں اپنا خونِ جگر ملا کر اور ان کی تزئین کر کے قوم کو اس سے فائدہ پہنچایا ہے۔ قوم نے اس کی پذیرائی کی ہے، اسے قبول کیا ہے، اس سے اثر پذیر ہوئی ہے اور اس کی بدولت اپنے صحیح مقام کو جاننے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ یہ ہے اقبال کا وہ عظیم کارنامہ جسے کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ کتب

(برائے اشعار مثنوی)

۱۔ مثنوی مولوی معنوی، مترجم قاضی سجّاد حسین، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، (دفتر اول و دوم)۔

۲۔ مثنوی مولوی معنوی، مترجم قاضی سجّاد حسین، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، (دفتر سوم تا ششم)۔

۳۔ محمّد رمضانی، مثنویِ معنوی، چاپ خانہء تہران

کتابیات

(کتابیں جن سے اس مقالے کی تیاری میں مدد لی گئی)

کتب انگریزی

1- Afzal, Iqbal: My Life a Fragment, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1942.
2- Ameer Ali: Short History of Saracens, Macmillan, London, 1927.
3- Andrews, C.F: Mahatma Gandhis' Ideas.
4- Arnold, T.W. :Preaching of Islam, Archibald Constable, Westminster, 1896.
5- Azim, Husain: Fazl-i- Husain, Longman, Bombay, 1946.
6- Bain. A. Watson: A Poetry Book for Boys and Girls, Part I.
7- Beale, Thomas : An Oriental Biographical Dictionary, Macmillan, London, 1915.
8- Browne, E.G: A History of Persian Literature in Modern Times, University Press, Cambridge, 1924.
9- Browne,E.G.:A Literary History of Persia,vol II,T.Fisher Unwin, London, 1906.
10- Browne, E.G.: vol. III.
11- Browne, E. G: Materials for the Study of the Babi Religion, University Press, Cambridge,1918.
12- Carlton, J.H. Hayes: World History,Macmillan, New York, 1950.
13- Chambers's Biographical Dictionary, ed.1950.
14- Chambers's Encyclopaedia, London, 1950.
15- Churchill, Sir, Winston: The Second World War, Cassell, London, 1951.
16- Creasy, E.S: History of the Ottoman Turks, Richard Bentley, London, 1858.
17- Dozy, Reinhart: Spanish Islam, Chatto and Windus, London, 1913.
18- Encyclopaedia Americana, ed,1947.
19- Encyclopaedia Britannica 14th edition.
20- Encyclopaedia Britannica, ed 1950.
21- Encyclopaedia of Islam, E.J.Brill, Leyden, 1913.
22- Encyclopaedia of Religion & Ethics, ed.1908.
23- Elphinstone's History of India, vol. II, John Murray, London , 1841.

24- Eminent Mussulmans, G.A. Natesan, Madras.
25- Gibbs, H. A.R: Modern Trends in Islam, University Press, Chicago, 1950.
26- Grundy, Prof: Universal History of the World.
27- Habib, Mohammad (Prof): Amir Khusrau of Delhi.
28- Haq,Dr. Syed Moinul: A Short History of the Delhi Sultanate, Chand & Co., Delhi.
29- Hastings, James: Dictionary of the Bible, T.& T. Clark, Edinburgh, 1909.
30- Herodotus, vol.I, Book I, Longman, London, 1854.
31- Hitti, Philip. K: History of the Arabs, Macmillan, London,1951.
32- Iqbal, Singh: The Ardent Pilgrim.
33- Ishwari Prasad : Medieval India, Indian Press, Allahabad, 1928.
34- Jaffar, S.M.: The Mughal Empire, Sadiq Khan, Kissakhani Peshawar, 1936.
35- Jamia Poetry, Part IV.
36- Jewish Encyclopaedia, Funk and Wagnalls, New York, 1901.
37- Joad,C.E.M:Story of Indian Civilizaion, Macmillan, London, 1936.
38- Kennedy, J.M: The Satakas or Wise Sayings of Bhartrihari.
39- Knight, E.F: The Awakening of Turkey, John Milne, London, 1909.
40- Krishnan, Dr. R.:The Hindu View of Life,Upton Lectures, Oxford, 1926.
41- Krishnan, Dr. R.: The Vedanta according to Shankara and Ramanuja, George Allen, London, 1928.
42- Latif, S.M.: History of Lahore, 1892.
43- Lederer, F: The Secret Rose Garden.
44- Majumdar, Dr. R.C.: An Advanced History of India, Macmillan, London, 1950.
45- Nicholson, Reynold, A: A Literary History of the Arabs, University Press, Cambridge, 1953.
46- O'Leary,DeLacy: Islam at the Crossroads, Kegan Paul, London, 1923.
47- Raverty, Major. H.G: Selection of the Poetry of the Afghans, Williams & Norgate, London.
48- Romain, Rolland : Mahatma Gandhi.
49- Sarkar, Jadu Nath: Aurangzeb, M. C. Sarkar & Co, Calcutta,1912.

50- Shibli, Nomani: Al-Farooq, translated by Maulana Zafar Ali Khan, vol. I, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1939.

51- Shorter Encyclopaedia of Islam, E.J. Brill, Leiden, 1953.

52- Smith R.Bosworth:Mohammad and Mohammadenism, John Murray, London, 1889.

53- Sufi, G.M.D. :Kashir, University of Punjab, Lahore, 1949.

54- Sykes, Mark :The Caliphs' Last Heritage. Macmillan. London, 1915.

55- Sykes, Sir, Percy: A History of Persia, Macmillan, London, 1930.

56- The Cambridge History of India, vol.III, University Press, Cambridge, 1937.

57- The Cambridge History of India, vol. IV.

58- The Cambridge History of India, vol. V.

59- The Encyclopaedia Indica (Hindi Edition), vol. 21, Calcutta, 1930.

60- The Historian's History of the World, The Times, London, 1907.

61- The Indian Nation Builders, Part III, Ganesh & Co, Madras.

62- The Indian Year Book and Who's Who,Times of India, 1939-40.

63- The Indian Year Book & Who's Who, Times of India, 1945-46.

64- The International Who's Who, Europe Publications, London, 1954.

65- The Poems of Goethe: Translated by E.A. Bowring, George Bell, London, 1904.

66- The Practical Sanskrit-English Dictionary, Gopel Narayan & Co, Bombay. 1912.

67- The Reader's Encyclopaedia, Harrap & Co, London,1948.

68- The World's Best Poetry, vol.I

69- Untermeyer, Louis: The Poems of Heinrich Reine.

70- Vahid, S.A.: Iqbal, His Art & Thought, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore.

71- Wallace, C. Caldwell : The new Popular History of the World, Greystone Press. New York, 1950.

72- West-Eastern Divan of Goethe : Translated by Alexander Rogers, George Bell, London, 1890.

73- Wingate, F.R.: Mahdiism & the Egyptian Sudan, ed.1891.

74- Xenophon: The Persian Expedetion, Book I, Penguin Books, Middlesex, 1949.

کتب اردو

۱- ابوالکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن جلد دوم، شیخ مبارک علی، لاہور
۲- اکبر شاہ خان، مولانا، تاریخِ اسلام جلد اول، صوفی دارالاشاعت، منڈی بہاء الدین، ۱۳۴۳ھ
۳- الطاف علی، سید، حیات حافظ رحمت خان
۴- ایران بعہد ساسانیان، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۱ء
۵- بادشاہ حسین، سید، مشاہیر ہند
۶- برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر، حضرت مجدد کا نظریہ توحید، مقبول اکیڈمی، لاہور
۷- پنڈی داس، سوانح عمری سوامی رام تیرتھ
۸- تاریخ ادبیات ایران، مترجمہ سید سجاد حسین، مطبوعہ حیدرآباد دکن
۹- تاریخ الحکماء مترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی
۱۰- تاریخ فلسفۂ جدید، ج ا، مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۱ء
۱۱- تاریخ فلسفہ جدید، ج ا، مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۴ء
۱۲- حالی، الطاف حسین، حیاتِ جاوید
۱۳- حالی، الطاف حسین، حیاتِ سعدی، فرمان علی اینڈ سنز لاہور
۱۴- حالی، الطاف حسین، یادگارِ غالب، شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۳۰ء
۱۵- حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، لکشمی نرائن اگروال، آگرہ، ۱۹۴۱ء
۱۶- حبیب الرحمٰن خان، محمد شیروانی، سیرت الصدیق، قاضی محمد رفیق پرنٹر پبلشر مشین پریس، بجنور
۱۷- حسین احمد مدنی، سید، مولانا، نقشِ حیات، جلد اول، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی
۱۸- حفظ الرحمٰن سیوہاروی، محمد، مولانا، قصص القرآن، ج ۴، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۴۳ء
۱۹- حکایت فلسفہ، مترجمہ مولوی احسان احمد، مطبوعہ حیدرآباد دکن

۲۰- حکمۃ الاشراق، مترجمہ مرزا محمد ہادی، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن
۲۱- دوست محمد خان کامل، خوشحال خاں خٹک، ادارۂ اشاعت سرحد، پشاور ۱۹۵۱ء
۲۲- رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد، اضافیت، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۴۰ء
۲۳- ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس حصہ اول، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء
۲۴- زین العابدین، قاضی، تاریخ ملت جلد سوم، مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی، ۱۹۴۴ء
۲۵- سعید انصاری، مولانا محمد، سیر انصار، حصہ اول، دار المصنفین، اعظم گڑھ
۲۶- سلیمان ندوی، سید، سیر افغانستان، نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن، ۱۹۴۵ء
۲۷- سلیمان ندوی، سید، تاریخ ارض القرآن جلد اول، مطبع شاہی لکھنؤ
۲۸- سلیمان ندوی، سید، تاریخ ارض القرآن جلد دوم، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۱۸ء
۲۹- سلیمان ندوی، سید، حیات امام مالک، دار المصنفین اعظم گڑھ، طبع دوم ۱۳۴۰ھ
۳۰- سلیمان ندوی، سید، حیاتِ شبلی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء
۳۱- سلیمان، قاضی محمد، رحمتہ اللعالمین
۳۲- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، مطبوعہ رفاہ عام پریس، ۱۹۰۸ء
۳۳- شبلی نعمانی، الغزالی، اصح المطابع، آسی پریس لکھنؤ
۳۴- شبلی نعمانی، الفاروق، افضل المطابع دہلی ۱۹۲۲ء
۳۵- شبلی نعمانی، بیانِ خسرو، دائرہ ادبیہ لکھنؤ، ۱۹۲۲ء
۳۶- شبلی نعمانی، سوانح مولوی روم، الناظر پریس لکھنؤ
۳۷- شبلی نعمانی، سیرت النبی حصہ اول طبع پنجم، دار المصنفین اعظم گڑھ
۳۸- شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۲، دار المصنفین ,اعظم گڑھ، ۱۹۲۰ء
۳۹- شبلی نعمانی، شعر العجم، ج ۲، مطبوعہ مطبع فیض عام، علی گڑھ
۴۰- شبلی نعمانی، شعر العجم، ج سوم، مطبع اصح المطابع، آسی پریس لکھنؤ، طبع دوم
۴۱- شخصیات نمبر (نقوش)
۴۲- شیخ عبد القادر، دیباچہ بانگِ درا
۴۳- شیخ عطا اللہ، اقبال نامہ حصہ اول، مطبوعہ شیخ محمد اشرف، لاہور
۴۴- شیخ محمد اکرام، آثارِ غالب، تاج آفس، محمد علی روڈ بمبئی، طبع چہارم

۴۵- شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ، مطبوعہ تاج کمپنی بمبئی
۴۶- صباح الدین عبدالرحمٰن، سید، بزم صوفیہ، دارالمصنفین ،اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
۴۷- طالب الہ آبادی، اکبر الہ آبادی
۴۸- طفیل احمد منگلوری، سید علیگ، مسلمانوں کا روشن مستقبل، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ۱۹۴۰ء
۴۹- عباداللہ اختر، خواجہ، بیدل، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ۱۹۵۲ء
۵۰- عبدالحلیم شرر، فردوسِ بریں، شیخ برکت علی اینڈ سنز، کشمیری بازار لاہور
۵۱- عبدالرحمٰن جامی مترجمہ مولانا سید احمد علی، نفحات الانس، اردو، ملک فضل دین چنن دین، لاہور
۵۲- عبدالسلام ندوی، مولانا، امام رازی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء
۵۳- عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبال کامل، دارالمصنفین اعظم گڑھ
۵۴- عبدالغفار، محمد قاضی، آثارِ جمال الدین افغانی، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۴۰ء
۵۵- عبدالماجد دریابادی، مولانا تفسیر ماجدی ج اول ودوم، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور وکراچی
۵۶- عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، جامع اللغات کمپنی، لاہور
۵۷- عبیداللہ بسمل امرتسری، مولانا، ارجح المطالب، مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور، ۱۳۵۱ھ
۵۸- عزیر، ڈاکٹر محمد، دولت عثمانیہ، جلد اول ودارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء
۵۹- عزیز الرحمٰن، محمد، صبح صادق، عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور، طبع ثانی ۱۹۴۳ء
۶۰- عسکری، مرزا حسن، تاریخِ ادب اردو، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، باردوم
۶۱- طاہر فاروقی، محمد، سیرتِ اقبال، قومی کتب خانہ لاہور، طبع سوم ۱۹۴۹ء
۶۲- غلام دستگیر رشید، آثار اقبال
۶۳- فتح محمد جالندھری، مولانا، فتح الحمید (ترجمۂ قرآن مجید)، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
۶۴- فریدالدین عطار، مترجمہ عنایت اللہ، تذکرۃ الاولیاء اردو، ملک دین محمد لاہور
۶۵- کتابِ مقدس، برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۴۷ء
۶۶- کنہیا لال، تاریخ لاہور، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۸۸۴ء
۶۷- محمد احمد خاں، اقبال کا سیاسی کارنامہ، مطبوعہ اقبال اکادمی، لاہور
۶۸- محمود خاں بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد (میسور) مطبوعہ کوثر پریس، بنگلور

۶۹۔ محمود نظامی، ملفوظاتِ اقبال، اشاعت منزل، بل روڈ، لاہور
۷۰۔ مصباح الدین احمد، الہارون، رحمانی پریس، دہلی
۷۱۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ
۷۲۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، تابعین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۷ء
۷۳۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام ج ۲، دارالمصنفین اعظم گڑھ
۷۴۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام جلد سوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء
۷۵۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام حصہ چہارم، دارالمصنفین اعظم گڑھ
۷۶۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، خلفائے راشدین، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء
۷۷۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، مہاجرین حصہ اول، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء
۷۸۔ معین الدین احمد ندوی، شاہ، مہاجرین حصہ دوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء
۷۹۔ محمد سعید انصاری، مولانا، سیر انصار، حصہ اول، دارالمصنفین اعظم گڑھ
۸۰۔ محمد حسین آزاد، دربارِ اکبری، شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۴۷ء
۸۱۔ نجم الدین سیوہاروی مولانا، سیرت الشافعی، دارالاشاعت مطبع دخانی رفاہ عام لاہور، ۱۸۹۹ء
۸۲۔ نذیر عرشی، مولانا محمد، مفتاح العلوم، قریشی بک ایجنسی، لاہور
۸۳۔ نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر جلد اول، مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۲۴ء
۸۴۔ نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر جلد دوم، مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں ۱۹۲۶ء
۸۵۔ نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، نیر پریس پاٹا نالہ لکھنؤ، ۱۹۲۴ء
۸۶۔ نظام الدین مجددی، مجدد الف ثانیؒ

رسائل اردو

۱- الہلال،۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء
۲- علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء
۳- مخزن، ۱۹۵۰ء
۴- مخزن، اگست ۱۹۰۲ء
۵- نقوش، شخصیات نمبر
۵- نیرنگ خیال، اقبال نمبر

کتب فارسی

۱- ابن العماد، شذرات الذہب، مکتبہ قدسی، ۱۳۵۰ھ

۲- ابن خلکان، فوات الوفیات، مطبع بولاق، مصر ۱۲۹۹ھ

۳- آذر اصفہانی، آتشکدہ آذر، مطبوعہ بمبئی

۴- آزاد بلگرامی، سرو آزاد، مطبع دخانی رفاہ عام، لاہور، طبع اول، ۱۹۱۳ء

۵- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، مطبع فردین، طہران، ۱۳۱۲ھ ش

۶- بہادر خاں، محمد، نواب بہادر یار جنگ، احسن السبک، مطبوعہ حیدر آباد دکن

۷- بہار عجم، ج ۲، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۸- تاریخ فرشتہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۹- تذکرہ دولت شاہ، شیخ مبارک علی، لاہور بار اول ۱۹۲۴ء

۱۰- جوینی، تاریخ جہانگشائے، مطبع بریل، لیڈن ۱۹۱۱ء

۱۱- داراشکوہ، سفینۃ الاولیا، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۲- دہخدا، علی اکبر، کتاب امثال وحکم، چاپ ابن سینا

۱۳- دہخدا، لغت نامہ، چاپ خانہ مجلس تہران، ۱۳۲۵ خورشیدی

۱۴- دیوان ہلالی، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۵- رضا قلی ہدایت، مجمع الفصحا، شائع کردہ میر محمد باقر، تہران ۱۳۹۵ھ

۱۶- سیر الاولیا، مطبع محبّ ہند، دہلی، شعبان ۱۳۰۲ھ

۱۷- سیر الاقطاب، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۸- سیر العارفین، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۹- شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۸ء

۲۰- شرح دیوان امیر المومنین، تالیف میر حسن میبذی، مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ھ

۲۱- شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ، دائرہ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۴ھ
۲۲- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع احمدی، بسعی شیخ ظفر علی
۲۳- شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، چاپ خانہ دین محمدی، لاہور
۲۴- طبری، تاریخ بغداد، مطبوعہ پیرس، ۱۹۰۱ء
۲۵- طبقات اکبری، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ
۲۶- عبدالبر الاستیعاب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، طبع اول ۱۹۲۱ء
۲۷- عبدالقادر بدایونی، ملا منتخب التواریخ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۱۸ھ
۲۸- عماد الدین اصفہانی، دولت آل سلجوق، مطبوعہ موسوعات، مصر ۱۹۰۰ء
۲۹- غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیا مطبع ثمر ہند، لکھنؤ
۳۰- فریدالدین عطار، مصیبت نامہ، مطبع نور، مشہد ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ
۳۱- کلیات انوری، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ
۳۲- کلیاتِ دیوان حکیم قاآنی شیرازی، چاپ خانہ علمی، تہران ۱۳۱۸ھ خورشیدی
۳۳- کلیات صائب، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ
۳۴- کلیاتِ غالب، فارسی، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ
۳۵ مآثر عالمگیری، بپٹسٹ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۷۰ء
۳۶- مآثر الامراء، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۸۸۱ء
۳۷- مثنوی معنوی، دفتر اول، سوم، پنجم، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ
۳۸- مدرس رضوی، دیوان سنائی
۳۹- محمد اعظم، تاریخ کشمیر اعظمی، مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۳ھ
۴۰- محمد افضل سرخوش، کلمات الشعرا، مطبوعہ مبارک علی، لاہور ۱۹۴۲ء
۴۱- محمد عوفی، لباب الالباب، جلد دوم، مطبوعہ بریل، لیڈن ۱۹۰۳ء
۴۲- محمد یوسف علی، روز روشن، مطبع شاہجہانی، بھوپال
۴۳- مرزا فرصت شیرازی، آثار عجم سپہر، مطلع ناصری، بمبئی ۱۳۱۴ھ
۴۴- مولوی احمد عبدالعزیز نائطی، آصف اللغات، مطبوعہ مطبع عزیز المطابع، حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ

۴۵- میدانی، مجمع الامثال
۴۶- نواب سید صدیق حسن، اتحاف النبلا مطبع نظامی، کانپور، ۱۳۸۸ھ
۴۷- نواب سید صدیق حسن، شمع انجمن، مطبع رئیس المطابع شاہجہانی، بھوپال ۱۲۹۳ھ
۴۸- نور اللہ شوستری، مجالس المومنین، تہران ۱۲۹۹ھ

کتب عربی

۱- ابن ماجہ، اصح الطابع، لکھنو ۱۳۱۵ھ

۲- ابن حجر عسقلانی، بلوغ المرام، مجتبائی، دہلی ۱۳۴۸ھ

۲- ابن حجر عسقلانی، لسان المیز ان، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۶۹ء

۴- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادۃ بمصر، طبع اول ۱۳۵۱ھ

۵- ابن قتیبہ کتاب الشعر والشعرا، مطبع بریل، لیڈن ۱۹۰۲ء

۶- ابوداؤد، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی ۱۳۶۹ھ

۷- ابوداؤد مع عون المعبود، مطبع انصاری، دہلی ۱۳۱۸ھ

۸- احمد حسن الزّیات، تاریخ الادب العربی

۹- السیوطی، الجامع الصغیر طبع کردہ مصطفیٰ بابی، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ (۱۹۲۹ء)

۱۰- امام حنبل، مسند

۱۱- امام شعرانی، طبقات الکبریٰ طبع مصر ۱۲۸۰ھ

۱۲- امام رازی، فضائل شافعی (قلمی)

۱۳- امین بغدادی، سیائک الذہب، شائع کردہ مصطفیٰ محمد، مصر

۱۴- بخاری، اصح المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء)

۱۵- تاریخ ابن الاثیر مطبع منیریہ مصر، طبع اول، ۱۳۴۹ھ

۱۶- ترمذی، مطبع مجتبائی، دہلی

۱۷- ثعالبی، مطبوعہ پیرس، ۱۹۰۰ء

۱۸- جمع الفوائد، جلد دوم، طبع میرٹھ

۱۹- حافظ ابن قیم- الجواب والکافی

۲۰- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد ششم، مطبع السعادۃ بمصر ۱۳۵۸ھ

۲۱- حافظ عبدالرحمٰن سخاوی، المقاصد الحسنہ، مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۴ھ
۲۲- حسن السندونی، شرح دیوان امراء القیس، مطبوعہ قاہرہ
۲۳- خصائص الکبریٰ، دائرۃ المعارف، طبع اول، حیدر آباد دکن
۲۴- سیرۃ ابن ہشام، بہامش الروض الانف
۲۵- شیخ عبداللہ بستانی، البستان، جلد دوم بیروت، طبع اول ۱۹۳۰ء
۲۶- عبدالرؤف مناوی، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق برحاشیہ الجامع الصغیر السیوطی، طبع کردہ مصطفیٰ بابی، مصر، ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء)
۲۷- علامہ ابن الدبیع، تمیز الطیب، طبع مصر
۲۸- عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، مطبع انصاری، دہلی ۱۳۱۳ھ
۲۹- فتح الباری، جلد ششم، مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ
۳۰- کتاب الامامتہ والسیاسہ، بمطبعۃ الفتوح الادبیۃ مصطفیٰ محمد، مصر
۳۱- کنز العمال جلد دوم، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۲ھ
۳۲- محمد ابن السید درویش، اسنی المطالب، طبع کردہ مصطفیٰ محمد، مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ
۳۳- مسلم، جلد دوم، مطبع علیمی، دہلی
۳۴- مسند احمد، جلد اول، مطبوعہ دار المعارف، مصر ۱۹۴۹ء
۳۵- مشکوٰۃ، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۴ھ
۳۶- معالم التنزیل، مطبع حیدری، بمبئی ۱۲۹۵ھ
۳۷- مسعودی مروج الذہب، شائع کردہ مصطفیٰ محمد، مصر ۱۹۴۸ء
۳۸- مصطفیٰ الغلاینی، رجال المعلقات العشر، مطبوعہ بیروت
۳۹- ملا علی قاری، المصنوع فی احادیث الموضوع، مطبع محمدی، لاہور
۴۰- ملا علی قاری، موضوعات کبیر، مطبع مجتبائی، دہلی
۴۱- مقری، نفح الطیب، مطبوعہ لیڈن
۴۲- نہج البلاغۃ، حصہ اول، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ بمصر
۴۳- یاقوت الحموی، معجم البلدان، بمطبعۃ العمادۃ، طبع اول، مصر ۱۳۲۴ھ
۴۴- یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعرّبہ، مطبعۃ سرکیس بمصر ۱۳۴۶ھ

﴾اشاریہ﴿

☆ اسماءالرجال

☆ مقامات

☆ کتب، رسائل، اخبارات، منظومات

☆ اصطلاحات وتلمیحات

اشاریہ

اسماءالرجال

آ

آدم: ۱۹، ۴۴، ۷۸، ۳۲۱، ۳۷۱
آرنلڈ، ٹی ڈبلیو: ۴، ۵، ۳۲۳، ۳۴۲،
۳۴۸
آرنلڈ میتھیو: ۴۴۳، ۴۷۸
آزاد، مولانا ابوالکلام: ۹، ۳۵۷
آزاد، مولانا محمد حسین: ۳۴۸، ۳۵۰
آزر: ۲۰، ۳۲۵، ۴۴۲
آسمان جاہ، سر: ۳۸۵
آغا خان، سر: ۳۵۲
آفتاب اقبال: ۷
آنخضرتؐ، رسول اللہؐ، رسول پاکؐ،
رسول کریمؐ، محمدؐ، مصطفیؐ، پیغمبر اسلامؐ،
رحمۃ اللعالمینؐ: ۴۷، ۱۴۹، ۱۵۹،
۱۶۳، ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۲۸، ۳۴۳،
۳۵۹، ۳۷۰، ۴۴۶
آئن اسٹائن، ڈاکٹر البرٹ: ۱۴۷
آئیرین، ملکہ: ۱۶۱

الف

ابراہیمؑ، حضرت: ۱۷، ۲۲، ۲۴، ۲۶،
۲۷، ۵۰، ۵۱، ۶۵، ۷۲، ۷۹، ۹۶،
۱۹۴، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۶۹، ۴۷۰، ۴۷۴
ابراہیم، عادل شاہ: ۲۷۶
ابراہیم، قلندر: ۳۲۵
ابراہیم لودھی، سلطان: ۱۸۵، ۲۲۳
ابلیس: ۶۹
ابن الجراح، ابوعبیدہؓ: ۳۳۱، ۳۳۲
ابن الدبیع: ۱۱۷
ابن القطفی: ۱۶۱
ابن بدروں: ۲۷۰
ابن جوزی: ۲۷۷
ابن حجر عسقلانی: ۱۰۸
ابن خلکان: ۱۶۲، ۳۲۲، ۳۶۹
ابن رشد: ۱۴۷
ابن رشید: ۲۰۴
ابن سعود: ۲۰۴
ابن شاکر: ۲۵۴
ابن شداد، قاضی بہاء الدین: ۱۷۰
ابن عبّاس: ۳۹۳
ابن عبدالبر: ۲۵۲
ابن عبدوں، ابومحمد عبدالمجید: ۲۷۰،
۲۷۱
ابن عربی، محی الدین: ۱۳۶
ابن ہشّام: ۱۶۵
ابو العبّاس احمد المعرّی: ۲۵۴،
۴۵۹
ابوالعلا گنجوی: ۳۰۸
ابوالعلامعری: ۲۹۹
ابوالفتح گیلانی، حکیم: ۲۵۶
ابوالفضل: ۲۷۶
ابوالفضل محمد بن الحسن: ۱۵۳، ۳۲۴
ابوالفیض فیضی: ۲۷۶، ۲۷۷
ابوالہدیٰ، سید محمد: ۳۳۴
ابو ایوب انصاریؓ، حضرت: ۳۴۱،
۳۴۷
ابوبکر زنبیل باف، شیخ تبریزی: ۳۲۷
ابوبکر شبلی، حضرت: ۲۱۰
ابوبکر صدیقؓ، حضرت: ۱۰۰، ۱۵۶،
۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۷۹،
۳۲۸، ۳۳۱، ۳۸۳، ۴۴۶، ۴۴۷
ابوثور: ۳۶۰
ابوجعفر منصور عباسی: ۱۵۹
ابوجہل: ۲۲۷، ۳۵۹
ابوداؤد: ۹۰
ابوذر غفاریؓ، حضرت: ۹۰، ۹۵،
۲۱۰، ۳۳۲، ۳۶۵
ابوسعیدؒ، حضرت: ۳۶۰
ابوسعید خدریؓ، حضرت: ۹۳
ابوسعید مرزا، سلطان: ۲۴۶
ابوسفیانؓ: ۱۶۵
ابوطالب: ۱۹۳
ابوعبید ثقفیؓ، حضرت: ۱۵۶
ابوعبیدہؓ، حضرت: ۳۳۱، ۳۳۲
ابوقحافہؓ: ۱۵۹
ابولولوء: ۱۶۹
ابولہب، عبدالعزیٰ: ۱۶۵، ۳۷۰
ابومنذر، ہشّام: ۱۶۵
ابومعد، عدنان: ۲۰۳
ابو ہریرہؓ، حضرت: ۹۲، ۹۴، ۹۷،

۳۸۳
ابویعلیٰ: ۲۲۹
ابی قتادہؓ: ۱۰۵
اتا ترک، مصطفیٰ کمال پاشا: ۲۳۳، ۴۶۶، ۴۶۷
اجمل خان، حکیم: ۷، ۳۴۹، ۳۹۰
احمد، مولانا: ۳۲۷
احمد رفاعی، شیخ: ۳۳۴
احمد سرہندی، شیخ: ۳۶۳
احمد شاہ ابدالی: ۱۸۹، ۲۰۷، ۲۲۴
احمد شاہ درانی: ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۲۳
احمد شریف (سیّدی احمد): ۱۹۵
ارجن: ۱۸۰
اردشیر: ۲۰۹-۲۱۹
ارسطو: ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۸۲، ۲۳۲
ارسٹوفینز: ۲۳۱
ارشد گورگانی، میرزا: ۸، ۹
ارقم: ۲۲۸
اسپنوزا، بنی ڈکٹس: ۱۴۶
اسٹرینگ فورڈ، لیڈی: ۳۵۰
اسحاقؑ، حضرت: ۳۲۱
اسرافیل: ۳۵۵
اسرائیل: ۱۹
اسما بنت عمیس: ۹۲
اسماعیلؑ، حضرت: ۱۷، ۲۷، ۷۰، ۲۷۲، ۲۰۲، ۳۶۹
اسمٰعیل، شاہ صفوی: ۲۲۶
اسمٰعیل فواد: ۲۰۳
اسمتھ: ۳۵۰
اشوری پال: ۳۵۷
اشوک: ۱۸۱
اعظم، محمد شہزادہ: ۲۷۸
افتخار الدین، فقیر سید: ۳۸۶
افضل سرخوش، محمد: ۲۶۳
افغان: ۸۲
افلاطون: ۷۰، ۱۲۱، ۱۳۶، ۱۳۹، ۱۴۰، ۳۷۳، ۴۶۷
افرنگین: ۳۵۹
اقبال، حاجب: ۳۸۱
اقبال، ڈاکٹر علامہ شیخ محمد: ۱، ۲، ۵، ۱۲۲، ۱۲۸، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۷ تا ۳۵۰، ۳۵۸، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۹۲، ۴۶۵ تا ۴۷۲، ۴۷۴ تا ۴۷۷، ۴۷۹
اکبر الہ آبادی: ۷، ۳۰۳، ۳۱۷، ۳۴۷
اکبر، شہنشاہ جلال الدین: ۱۵۲، ۱۹۹، ۲۱۱، ۲۵۶، ۲۷۶، ۳۶۳، ۴۶۷
اکبر حیدری، سر: ۳۷۷
الآلوسی، سیّد محمد شہاب الدین: ۳۳۴
البیرونی: ۱۷۲
البیہقی: ۱۰۹، ۱۱۷
الپ ارسلان: ۱۹۲، ۲۱۰
الحضرمی، عبدالملک: ۱۷۱
الہ وردی خان: ۳۱۰
الزبتھ دوم، ملکہ: ۱۸۵
الفانسو: ۲۱۸
الفنسٹن: ۱۵۳
اللہ تعالیٰ، خدا، رب: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۷، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۹۴، ۱۹۳
المستنصر، خلیفہ: ۲۹۲
المعتمد باللہ: ۲۱۸
المیاس: ۱۷۶
المہدی: ۱۶۱
الہادی: ۱۶۱
الیاسؑ، حضرت: ۵۹، ۷۵، ۳۷۰
ام الخیر: ۱۵۹
امام ابوحنیفہؒ: ۱۴۹، ۳۳۲، ۳۶۰
امام اشعری: ۱۴۰
امام باقر، محمد: ۱۵۸
امام جعفر، ابوعبداللہ: ۱۵۸
امام حسنؓ: ۱۵۹، ۱۷۹
امام حسینؓ: ۲۷، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۹، ۳۶۱
امام رازی، فخر الدین: ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۵۸
امام زین العابدینؓ: ۳۶۱
امام شافعیؒ، محمد ابو عبداللہ: ۱۴۹، ۳۳۳، ۳۶۰، ۴۶۸، ۴۷۷
امام غزالیؒ: ۱۴۷
امام مالکؒ، حضرت: ۱۵۰، ۱۶۱
امان اللہ خان: ۲۲۴
امداد امام، سید: ۳۸۷
امرءالقیس: ۲۸۹
امّ عمرو: ۳۰۹
امّ کلثومؓ، حضرت: ۱۵۹
امنا: ۳۳۲

امیر امان اللہ خان: ۱۶۸
امیر حمزہؓ، حضرت: ۲۲۸
امیر خسرو: ۲۴۷، ۲۸۴، ۲۸۸
امیر علی، سید: ۱۳
امیر فیصل: ۱۹۵
امیر معاویہؓ، حضرت: ۱۵۷، ۱۵۸، ۳۴۳، ۳۴۷، ۳۸۴
امیر مینائی، احمد: ۲۶۸، ۲۶۹، ۴۴۱
امین الدولہ، شیخ: ۲۸۵
امیہ بن خلف: ۳۲۸
انڈریاس: ۱۷۶
انسؓ بن مالک: ۲۲۹
انصاری، ڈاکٹر مختار احمد: ۷، ۳۴۹
انگلز: ۱۲۶
انوری: ۲۵۷، ۲۹۹، ۳۰۷، ۴۵۹
انیسی شاملو، علی قلی بیگ: ۲۷۲
اورنگ زیب عالمگیر: ۱۵۲، ۲۰۶، ۲۹۲، ۳۱۰، ۳۱۶، ۴۶۷
اویس قرنیؒ، حضرت: ۳۴۲، ۳۴۳
اہرمن: ۳۷۴
ایاز: ۱۷۲، ۳۴۶
ایبک، قطب الدین: ۱۹۸
ایڈورڈ ہشتم: ۲۲۹
ایڈورڈ ہفتم، شاہ: ۱۹۴
ایڈورڈز، بیتھم میٹیلڈا: ۴۲۷
ایرج: ۱۹۸
ایرج، مرزا: ۴۶۰
ایل خان: ۱۷۳
ایلیا: ۳۷۰
ایمرسن، رالف والڈو: ۲۶۵، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۳۸، ۴۴۱
ایوبؑ، حضرت: ۵۹، ۳۲۱، ۳۲۷
ایوبی، سلطان صلاح الدین: ۱۶۹، ۱۷۰، ۳۲۷

ب

باب، علی محمد مرزا: ۳۶۶، ۳۷۳
بابر، محمد ظہیر الدین، شہنشاہ: ۸۵، ۲۲۳
بابک: ۲۲۰
باقر خان قزلباش، آغا محمد: ۳۸۱
باقر سلمانی، آغا: ۲۸۵، ۲۸۶
بالمیک: ۳۱۸
بامداز: ۱۷۴
بائرن، جارج گارڈن: ۲۶۰، ۳۷۵
بایزید بسطامی، حضرت: ۲۱۰، ۳۰۹، ۳۲۲، ۳۶۵
بایزید، سلطان: ۲۲۱
بایزید، سلطان دوم: ۲۱۹
بایقرا، سلطان حسین: ۳۱۴
بچہ سقہ: ۲۲۴
براؤن، ای جی: ۵، ۲۸۶
براؤننگ، رابرٹ: ۲۶۱
برخیا: ۳۶۳
برگساں: ۱۱، ۱۲۸، ۱۳۰
بزاز، محدّث: ۱۱۷
بزرجمہر: ۱۷۲
بسمارک، شہزادہ: ۱۷۵
بشیر احمد، میاں: ۲۵۰
بشیر الدین محمود، مرزا: ۳۸۵
بصیری، شرف الدین بوصیری: ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۹۸
بکرماجیت، راجا: ۱۸۵، ۲۹۱
بلالؓ، حضرت: ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۵۰
بلبلِ شیراز: ۲۷۰
بلعمی: ۱۵۵
بوالحسن: ۲۱۶
بوتراب: ۲۰، ۹۲، ۹۳
بوعلی سینا، ابوعلی الحسین: ۱۳۷، ۲۹۱
بوعلی قلندر: ۳۲۲، ۳۲۳
بہاءاللہ: ۳۶۶
بہاالدین رومی: ۲۴۵
بہاءالدین زکریا، شیخ: ۲۵۳
بہادر خان، نواب خان: ۲۰۶
بہادر شاہ: ۲۰۶
بہادر یار جنگ، نواب محمد بہادر خان:
بہاول خاں، نواب: ۳۸۲
بہرام اوّل: ۱۷۳، ۲۰۹، ۲۱۰
بہرام شاہ بن مسعود: ۲۹۵
بہزاد، کمال الدین: ۲۲۶
بہمن: ۲۱۰
بھرتری ہری: ۲۹۱، ۴۵۵
بھنڈارکر، سر آر جی: ۱۴۲
بیدل، مرزا عبدالقادر: ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۸
بیراگی، بندہ: ۲۰۷
بیکن، فرانسس: ۱۴۰، ۱۴۱
بیہقی: ۲۲۹

پ

پاربتی: ۳۵۸
پال سینٹ: ۳۵۵
پرشاد، مہاراجا سرکشن: ۷

پرگس ٹال: ۲۸۶
پروکوپئیس: ۲۰۰
پرویز سوم: ۱۵۴
پطرس: ۳۵۵
پوپ: ۱۳۶
پوران دخت: ۱۵۶
پورس: ۱۹۱
پیرانصار: ۴۶۳
پیر رومی: ۶۵، ۲۴۶، ۲۵۹

ت

تارح: ۳۲۵
تسلیم: ۲۶۹
تشنہ: ۳۲۰
تور: ۱۹۸
تولی خان: ۱۷۳
تیج بہادر سپرو، سر: ۳۷۶
تیمور، امیر: ۱۵۲، ۲۲۰، ۳۶۴

ٹ

ٹالسٹائے، لیونکولائے وچ: ۱۲۴
ٹراٹسکی: ۱۷۵
ٹیپو سلطان، فتح علی: ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹
ٹیپو مستان: ۲۰۸
ٹینی سن، الفریڈ: ۱۳۶، ۲۶۶، ۲۶۷، ۴۳۶، ۴۳۸

ث

ثعالبی: ۱۵۵
ثمود: ۶۱
ثوبان، حضرت: ۹۰، ۱۰۹
ثو لک: ۲۸۶

ج

جاپان: ۱۵۶
جابرؓ، حضرت: ۸۹، ۹۶
جادوناتھ سرکار: ۱۵۲
جارج پنجم: ۲۲۹
جامی، مولانا: ۲۴۶، ۲۵۵، ۲۸۶، ۳۰۷، ۳۲۷
جان جاناں، مرزا مظہر: ۳۱۴
جاوید اقبال: ۷، ۳۶۵
جاہمہؓ، حضرت: ۱۰۰
جبریل علیہ السلام، حضرت: ۷، ۸، ۲۵۹، ۳۱۱، ۳۳۸، ۳۷۴
جگندر سنگھ، سردار: ۷، ۳۴۸، ۳۴۹
جلال: ۲۶۹
جلال الدین خلجی: ۳۲۳
جلال الدین سیوطی: ۹۷، ۲۵۴
جم: ۱۷۲
جمال الدین افغانی: ۲۳۷
جمشید: ۱۷۲، ۲۱۵
جناح بیگم: ۲۴۴
جناح، محمد علی: ۲۴۳
جناح، مس فاطمہ: ۲۴۴
جنید بغدادی: ۱۴۷، ۳۰۹، ۳۶۰، ۳۶۵
جوڈ: ۲۹۱
جوزیفس: ۲۰۰
جولین، کاؤنٹ: ۱۷۰
جوہر، مولانا محمد علی: ۷، ۲۳۵، ۳۴۹، ۳۸۸، ۳۹۱
جوینی: ۱۷۴
جہاندار شاہ: ۲۰۶
جہانگیر، شہنشاہ سلیم الدین: ۱۸۳، ۲۲۱، ۲۷۷، ۳۲۶، ۳۶۳
جین ٹیلر: ۴۲۵

چ

چارلس مارسٹن: ۳۲۶
چرچل: ۲۶۵
چنگیز خان: ۱۷۳، ۱۷۴
چیپ سن: ۱۳۶

ح

حاتم طائی: ۱۴۹
حارث محاسبی: ۳۶۰
حافظ شیرازی، خواجہ: ۲۴۸، ۲۶۰، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۱۷، ۳۱۸، ۴۴۲
حاکم: ۲۲۹
حالی، مولانا الطاف حسین: ۷ تا ۱۰، ۱۱۰، ۲۶۹، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۳۴۷
حام: ۳۶۱
حبیب اللہ، امیر، خان: ۱۶۸، ۳۸۶
حبیب اللہ قاآنی: ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۱۳
حزقی ایل: ۳۷۰
حسام الدین چلپی، شیخ: ۳۲۳، ۳۲۴
حسان العجم: ۳۰۸
حسرت موہانی: ۳۴۷
حسن بن صباح: ۱۹۲، ۲۹۰
حسن خان: ۱۹۹
حسن نظامی، خواجہ: ۹، ۳۹۱
حسنین، حضرات: ۹۶
حسین احمد مدنی: ۳۷۸
حسین امام: ۲۷

حکیم نابینا: ۳۹۰
حلیم پاشا،سعید: ۲۳۸
حمامہ: ۳۲۸
حمیداللہ خان،نواب: ۱۱، ۳۸۸
حمیر: ۲۰۳
حنّہ: ۳۳۴
حوا،حضرت: ۳۹۳
حیدر علی، سلطان: ۲۰۸

خ

خاقان: ۱۷۴
خاقانی: ۲۵۷، ۳۰۸
خالد برمکی، یحییٰ بن: ۱۶۱
خالد بن ولیدؓ،حضرت: ۳۳۱، ۳۳۷
خان خاناں، عبدالرحیم: ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۷۲
خدا: ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۵۳
خدیجہؓ،حضرت: ۱۵۹، ۱۹۳
خراز: ۳۶۰
خسرو پرویز(دوم): ۲۱۴
خسرو،ملک: ۲۱۶
خضر،علیہ السلام: ۵۰، ۵۷، ۱۷۶، ۲۶۲، ۳۳۹، ۴۶۹
خطّاب: ۱۶۹
خطیب بغدادی: ۳۳۳
خلیفہ اوّل: ۱۵۹
خلیفہ ثانی،(دوم): ۱۶۰، ۱۶۹
خلیل: ۶۵، ۱۰۰
خوارزم: ۱۵۵
خورس: ۳۰۰
خوشحال خاں خٹک: ۲۹۲، ۴۵۴
خیرالبشر: ۹۵

د

دارا دوم: ۸۰
داراسوم (داراب): ۱۸۰، ۱۹۰
داراشکوہ: ۱۵۲، ۲۷۶، ۳۱۶، ۳۲۶، ۴۶۷
دارقطنی: ۲۲۹
داغ دہلوی،مرزا: ۸، ۲۶۹، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۴۷، ۴۴۱ تا ۴۴۴، ۴۷۸
دانش مشہدی، میر: ۲۷۶
داوٗدؑ،حضرت: ۴۱، ۳۳۸
دشرتھ: ۱۸۶
دیلمی: ۳۳۳
دیمقراطیس: ۱۳۶
دینوری: ۱۷۴

ڈ

ڈانک: ۳۹۴
ڈوئچ ایمانوئل آسکر مینہم: ۳۴۹، ۳۵۰
ڈوزی: ۲۷۱
ڈیکارٹ: ۱۴۶
ڈیوٹی ما: ۳۷۳
ڈیوک آف ویمر: ۱۱

ذ

ذوالقرنین (سائرس): ۲۰۰، ۳۵۱
ذوق،استاد ابراہیم: ۲۷۲
ذوالفقار علی خاں،نواب سر: ۷، ۳۴۸، ۳۴۹

ر

راحیل: ۳۳۹
راڈرک: ۱۷۱
رازی،فخرالدین: ۱۳۹
راس مسعود بیگم: ۱۱
راس مسعود،ڈاکٹر سر: ۷، ۱۱، ۳۷۶، ۳۷۷
رانا سانگا: ۲۲۳
رام تیرتھ،سوامی: ۳۴۵
رام چندر: ۱۴۴، ۱۸۶، ۳۵۸
راون: ۱۸۶
رباح: ۳۲۸
رستم: ۱۵۶، ۱۶۰، ۲۱۰
رسول کریم ﷺ: ۱۱، ۲۱، ۲۸، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۳، ۲۲۸، ۲۵۱، ۲۵۴، ۳۲۸، ۳۳۳، ۳۳۷
رشید احمد گنگوہی، مولانا: ۳۹۰
رشید وطواط: ۳۰۷
رضا خان پہلوی: ۲۳۸
رضا شاہ پہلوی: ۲۳۸
رکن الدین حسین: ۲۸۵
رکن الدین سنجاسی،شیخ: ۳۲۷
رنگٹن کونراڈ: ۱۸۳
روح القدس: ۳۵۷
روسو: ۲۱۸
رومی،مولانا رومؒ،جلال الدین: ۲۴۵ تا ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۶۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۵۸، ۴۶۷ تا ۴۷۲، ۴۷۴ تا ۴۷۸
ریاض پاشا: ۲۳۷
ریڈنگ،لارڈ: ۳۴۹

ز

زارروس: ۱۷۵

زال: ۲۱۰
زجاج: ۳۶۰
زرتشت: ۱۷۴،۲۰۱
زرّین تاج: ۲۹۰
زکریاؑ، حضرت: ۵۹
زلیخا: ۳۳۸
زمخشری، علامہ جاراللہ محمود: ۳۶۹
زندہ رود: ۳۶۴
زہراؓ: ۱۵۹
زہرہ: ۲۰۱،۳۳۴
زہیر بن ابی سلمٰی: ۲۸۸،۲۸۹
زیادؓ بن ابی سفیانؓ: ۱۵۸
زیدالخیل: ۱۴۹
زینبؓ، حضرت: ۱۵۹
زینے غال: ۵

س

سارلے: ۵
سام: ۱۹۸،۳۶۱
سامری: ۳۵۷
سائرس (ذوالقرنین): ۲۰۰،۳۵۱
سائمن، سینٹ: ۱۲۹
سبکتگین: ۱۷۲
سپرو، سرتیج بہادر: ۳۷۶
ستیش چند بنرجی، ڈاکٹر: ۳۷۶
سٹنڈل (ستاں دال): ۳۷۵
سجاد: ۳۶۱
سحبان: ۳۶۰
سخاوی، حافظ: ۹۶،۱۱۱
سراج الدولہ، نواب: ۱۸۹،۲۰۵
سراج الدین، منشی: ۳۸۰
سردارِ طے: ۱۴۹
سرسید احمد خان: ۳۴۱،۳۴۲،۳۵۰،۳۷۶
سرمد: ۳۱۶
سریانرائن: ۱۳۶
سری سقطی، حضرت: ۳۶۰
سعدالدین نجم الدین: ۲۸۵
سعداللہ: ۳۱۰
سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت: ۱۵۵
سعدؓ، حضرت: ۱۰۷
سعد زنگی: ۲۷۷
سعد سلمان: ۲۹۴،۲۹۶
سعدی شیرازی: ۲۵۰، ۲۵۷، ۲۶۱،
۲۷۰، ۲۷۷، ۲۸۴، ۲۹۷، ۲۹۸،
۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۶۰
سفیان ثوریؒ: ۳۶۰
سقراط: ۱۲۱
سکندر اعظم: ۱۴۱، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۹۱،
۲۰۰،۲۰۲
سلطانِ اعظم: ۲۱۱
سلطان العلماء: ۲۴۵
سلطان رومی: ۲۴۶،۲۹۴
سلطان احمد، مرزا: ۳۸۵،۳۸۶
سلمان الخیر: ۳۲۷
سلمان فارسیؓ، حضرت: ۳۲۷
سلمٰی: ۱۵۹،۳۲۳
سلیمان اعظم: ۱۵۷
سلیمان ندوی، مولانا سید: ۷
سلیم، سلطان اول: ۲۱۹
سمپسن، مسز: ۲۲۹
سموئل راجرس: ۴۳۴
سنائی، حکیم: ۲۴۶،۲۹۴،۲۹۵،۴۷۸
سنجر، سلطان: ۲۱۰،۲۱۱،۳۰۷
سنوسی شیخ: ۱۸۸،۱۹۵
سنہا، لارڈ: ۳۸۷
سینڈر پٹوفی: ۲۶۱
سوخرا: ۱۷۲
سہلؓ ابن سعد، حضرت: ۹۳
سیّدالطائفہ: ۳۶۱
سید محمد آل ادریس: ۱۹۵
سیف الدین، امیر: ۲۴۷
سیف اللہ: ۳۳۷

ش

شافع بن السائب: ۱۴۹
شاپور: ۱۷۳،۲۰۹
شات: ۵
شاہجہاں، شہنشاہ: ۱۵۳،۲۷۶،۲۹۲،
۳۱۶،۳۶۶
شاہ حسین: ۲۰۴
شاہ عالم: ۲۰۶
شاہ عالم ثانی (عالی گہر): ۱۸۹
شاہ، محمود: ۳۷۲
شاہنواز، میاں محمد: ۳۹۲
شاہ قلی: ۲۰۷
شاہ ولی خان: ۳۷۲
شاہِ ہمدان: ۳۶۴
شائی لاک: ۲۷۸
شبّیر، امام حسینؓ: ۱۵۷،۳۳۳
شبستری، شیخ محمود: ۲۸۵،۲۸۶،۲۸۷
شبلیؒ، ابوبکر: ۲۱۰،۳۶۵

شبلی نعمانیؒ، مولانا علامہ: ۷، ۱۴۷، ۲۵۸، ۲۷۵، ۲۸۶، ۳۲۷، ۳۴۲، ۳۴۷
شجاع الدولہ: ۲۰۸
شدّاد: ۱۸۴
شرر، عبدالحلیم: ۳۴۷
شرف الدین بوصیری: ۲۵۳
شرف النسا: ۲۰۶
شریف حسین: ۲۰۴
شریف، محمد: ۱۹۵
شعیبؑ، حضرت: ۷۳، ۸۱، ۳۷۰
شطرنجی، دہقان علی: ۲۶۱
شفیع، سر محمد میاں: ۷، ۹، ۳۴۹
شکر گنج، بابا فرید الدین: ۳۴۳
شکری پاشا: ۱۸۸
شلّر: ۲۵۷
شمس الدین مفتی: ۳۲۷
شمس تبریزی، محمود الدین: ۲۴۵، ۳۱۶، ۳۲۷
شنکر اچاریہ: ۱۴۲
شوپن ہاور: ۱۲۳
شوکت علی، مولانا: ۲۳۵، ۳۴۹
شولزے: ۱۲۳
شہاب الدین، سر: ۳۴۹
شہاب الدین سہروردی، شیخ: ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۷۷
شہاب الدین غوری: ۱۹۸، ۲۱۶
شہباز خان: ۲۹۲
شہریار: ۱۵۴
شہزادہ احمد: ۲۰۸
شیث: ۳۷۱
شیخ زادہ خراسانی: ۲۲۶
شیخ حسین: ۲۷۴
شیخ مبارک ناگوری: ۲۷۶
شیر شاہ سوری: ۱۹۹
شیرویہ: ۲۱۴
شیرویہ بن شہردار، حافظ دیلمی: ۳۳۳
شیریں: ۱۸۰
شیطان: ۶۰، ۲۶۵
شیفتہ، نواب: ۲۹۶
شیکسپیئر، ولیم: ۲۷۸
شیلنگ: ۱۲۶
شیوجی: ۳۵۸

ص

صابر اصفہانی: ۲۵۶
صاحبِ کشّاف: ۳۶۹
صادق، میر: ۲۰۵
صائب، مرزا محمد علی: ۲۵۸، ۲۷۲، ۲۷۷، ۲۹۵، ۳۰۲
صدیقؓ، حضرت ابوبکر: ۱۵۹
صفدر، سید: ۲۳۷
صلاح الدین ایوبیؒ: ۱۶۹، ۱۷۰، ۳۳۷
صلاح الدین، شیخ زرکوب: ۳۲۴

ض

ضابطہ خاں، نواب: ۱۸۹
ضحاک: ۱۵۵، ۱۹۸، ۲۱۵
ضرار بن الخطاب: ۱۵۵
ضیاء احمد بدایونی: ۱۰۹

ط

طارق بن زیاد: ۱۷۰
طالب آملی: ۳۰۶
طاہرہ، خاتونِ عجم: ۲۹۰
طبری: ۱۵۵، ۱۷۴
طغرل بیگ، سلطان: ۲۱۰
طوسی، نصیر الدین: ۱۳۹، ۱۴۰
طوطیِ ہند: ۲۴۷
طہماسپ دوم: ۲۰۷، ۲۷۳

ظ

ظاہر شاہ، شاہ محمد: ۲۲۴
ظفر خان، والی کابل: ۲۷۷
ظفر علی خان، مولانا: ۳۴۷، ۳۸۸، ۳۸۹
ظہور الدین میاں: ۳۹۲
ظہوری، ملّا: ۲۷۷

ع

عاد: ۶۱
عارفِ ہندی: ۱۴۴
عالمگیر، شہنشاہ اورنگزیب: ۱۵۲، ۲۰۶، ۲۹۲، ۳۱۰، ۳۱۶، ۴۶۷
عالم، میر: ۲۰۵
عباس سوم: ۲۰۷
عبدالاحد فاروقی، شیخ: ۳۶۳
عبدالحق، شیخ: ۳۸۸
عبدالحکیم سیالکوٹی، ملّا: ۳۲۶
عبدالحمید خاں، سلطان: ۲۳۳
عبدالرحمٰن، پدر ابن سعود: ۲۰۴
عبدالرحمٰن اول: ۲۱۹، ۴۵۶
عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر، حضرت: ۱۵۸
عبدالرحمٰن سخاوی، حافظ: ۹۹، ۱۰۱، ۱۱۶
عبدالرؤف المناوی: ۱۱۴
عبدالصمد، خواجہ ککڑو: ۲۰۶، ۳۸۰
عبداصمد، نواب: ۲۰۶

عبدالعزیز، ابن سعود: ۲۰۳
عبدالعزیز، شاہ: ۳۳۴
عبدالغفور، شاہ: ۳۹۰
عبدالقادر بدایونی، ملا: ۱۵۳
عبدالقادر، سر شیخ: ۷، ۹، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۹
عبدالکریم بن یحییٰ، محمود: ۲۸۵
عبدالکریم، خواجہ: ۲۰۶
عبداللہؓ ابن عبّاسؓ: ۱۰۴
عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت: ۱۵۸
عبداللہ بن زریر: ۱۸۷
عبداللہ بن عمرؓ، حضرت: ۹۸، ۱۱۰، ۱۵۸
عبداللہؓ بن مسعود: ۹۱، ۱۶۳
عبداللہؓ، حضرت: ۱۹۳
عبداللہ حصیری: ۳۶۰
عبداللہ شیرازی: ۲۷۷
عبداللطیف: ۲۲۶
عبدالماجد دریابادی، مولانا: (صفحہ الف)
عبدالوہاب: ۲۰۴
عبدالوہاب انصاری، حکیم نابینا: ۳۸۹، ۳۹۰
عبدہ، مفتی محمد: ۲۳۷
عثمانؓ، ابوقحافہ: ۱۵۹
عثمانؓ بن عفان، حضرت: ۱۶۴، ۱۸۷، ۳۸۳
عثمانؓ بن مظعون: ۱۶۴
عثمان علی خاں، میر: ۳۹۳
عثمان ہارونی، شیخ: ۳۲۵
عدنان: ۲۰۲
عدیؓ بن حاتم: ۱۴۹
عراقی، شیخ فخر الدین ابراہیم: ۲۵۲، ۲۸۰، ۳۱۰
عرشی، محمد حسین: ۳۸۸، ۳۸۹
عرشی یزدی، ملاّ طہماسپ قلی بیگ: ۲۷۳
عرفی، جمال الدین: ۲۵۶، ۲۸۰، ۲۸۵، ۳۰۵
عزت بخاری: ۳۰۹، ۳۱۰
عزیز لکھنوی: ۳۴۷
عزیز مصر: ۳۳۹
عطاء، شیخ محمد: ۳۴۴، ۳۴۵
عطّار، فرید الدین: ۲۴۶، ۲۸۷، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۰۵، ۴۷۸
عطیہ بیگم: ۳۸۴
عکرمہؓ بن ابوجہل: ۳۵۹
عقبہ بن نافع: ۱۸۶
علاء الدین، پدر شمس تبریز: ۳۲۷
علاء الدین خلجی: ۳۲۳
علاء الدین، شاہ غور: ۲۱۰
علی امام، سر سید: ۳۸۶
علی بخش: ۶
علی بن سنّوسی، محمد بن: ۱۹۵
علی بن ملک داؤد تبریزی: ۳۲۷
علیؓ، حضرت مرتضیٰ: ۲۰، ۹۲، ۹۳، ۹۵، ۱۱۸، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۱، ۲۷۹، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۴۳، ۳۸۳
علی شاہ: ۲۳۷
علی قاری، ملاّ: ۱۰۳
علی قلی بیگ، انیسی شاملو: ۲۷۲
علی قلی، سلیم: ۲۵۸
علیؒ ہجویری، سید: ۳۲۴، ۴۷۸
علی ہمدانی، سید: ۳۶۴
عماد الملک غازی الدین: ۲۴۷
عمادی: ۲۷۹
عمر المتوکل ابن الافطس: ۲۷۱
عمران، حضرت: ۳۳۴
عمر بن سعد: ۳۶۱
عمر خیام: ۲۸۹
عمر شیخ: ۲۲۳
عمر فاروقؓ، حضرت: ۹۰، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۴۳، ۳۸۳، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۶۸
عمروؓ بن عوف، حضرت: ۱۱۱
عمرو ابن کلثوم: ۳۰۹
عمرو بن لحیٰ: ۱۶۵
عمرو بن ہند: ۳۰۹
عنایت اللہ دہلوی: ۳۴۲
عنتر: ۱۹۱
عیسیٰؑ، ابن مریمؑ حضرت مسیح: ۴۵، ۵۹، ۸۶، ۱۵۹، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۵۵
عیص: ۳۲۱

غ

غازی الدین خان: ۱۸۹
غالب، مرزا اسد اللہ خان: ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۲۰، ۴۴۱
غزالی مشہدی: ۲۷۶
غزنوی، محمود: ۱۷۲، ۳۴۶، ۳۶۰

غلام احمد، مرزا: ۳۶۶
غلام السیدین، خواجہ: ۷
غلام حسن: ۳۸۰
غلام قادر خان روہیلہ: ۱۸۹
غلام محی الدین: ۳۸۶
غنتمہ: ۱۶۹
غنی کشمیری، مرزا محمد طاہر: ۲۵۸، ۲۷۲
غیاث الدین حسن سجزی، سید: ۳۲۵

ف

فاتح، سلطان محمد: ۱۵۷، ۲۲۴
فارابی، ابونصر: ۱۳۷
فاروق، اوّل شاہ: ۲۲۷
فاریابی، ظہیر الدین: ۲۵۶، ۳۰۷
فاطمہؓ بنت خطّاب: ۲۲۸
فاطمہ بنت عبداللہ: ۱۸۸
فاطمہؓ حضرت، زہرا: ۹۳، ۱۲۰، ۱۵۹، ۱۷۹
فال سٹاف: ۲۷۸
فرح اللہ شوشتری: ۲۷۵
فرخ سیر: ۲۰۶
فردوسی: ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۲، ۲۹۹،
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۷
فرزمرز: ۳۶۳
فرعون: ۲۰، ۲۶، ۱۵۷، ۳۳۳، ۴۷۰، ۴۷۳
فرہاد، کوہکن: ۱۵۶، ۱۸۰
فریدوں: ۱۵۵، ۱۹۸
فریڈرک، سوم: ۱۷۵
فشٹے: ۱۲۳، ۱۲۶
فضل اللہ بن ابی الخیر: ۳۶۰
فضل حسین، سرمیاں: ۷، ۹، ۳۴۸، ۳۴۹
فضیلؒ بن عیاض: ۳۶۰
فقیر الدین، سید: ۳۸۵
فلاطوس: ۲۰۲
فلاطونس: ۱۳۹
فواد اسمٰعیل: ۲۰۳
فیثا غورث فلاطونس: ۱۳۹
فیراڈے، مائیکل: ۱۸۳
فیروز الدین طغرائی، حکیم: ۳۸۹
فیروز پارسی: ۱۶۹
فیروز سلطان: ۲۰۷
فیصل الحسین: ۲۰۳
فیلقوس شاہ: ۱۷۶

ق

قاآنی، حبیب اللہ: ۱۷۳، ۳۰۰
قابیل: ۳۷۱
قارون: ۷۰
قاسم علی خان، میر: ۲۰۵
قائدِ اعظم: ۲۴۳
قائم باللہ، خلیفہ: ۲۱۰
قباد: ۱۷۲
قدسی: ۲۶۷، ۳۱۵
قرۃ العین، خاتونِ عجم: ۲۹۰
قطب الدین، سلطان: ۳۶۴
قمر الدین، وزیر: ۲۰۸
قمی، ملک: ۲۷۶، ۲۷۷
قنبر: ۲۳۲، ۲۳۳
قواریری: ۳۶۰
قیدار: ۲۰۲
قیس، مجنوں: ۱۸۴، ۲۶۸
قیصر: ۱۶۱، ۱۸۵، ۱۸۷
قیصر ولیم: ۱۷۵

ک

کانٹ: ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۲
کاؤنٹ جولین: ۱۷۰
کاوہ (کاوگ): ۱۵۵
کبیر: ۲۵۵
کچنر، لارڈ (کشنر): ۱۹۴، ۳۶۲
کرزن، لارڈ: ۱۹۴، ۳۵۲، ۳۸۲
کرشن، شری: ۱۸۰
کرن انگھ، راجا: ۱۸۵
کشن پرشاد، مہاراجاسر: ۷، ۳۸۵
کعب بن زہیر: ۲۵۲
کلیم اللہ، موسیٰ: ۴، ۲۶، ۱۷۱، ۳۴۲
کلیم ہمدانی، ابوطالب: ۲۵۸، ۲۶۷
کمال الدین، بابا: ۲۴۵
کمال الدین جندی: ۳۲۷
کنشک: ۱۸۱
کنفیوشس: ۳۷۴
کوپرنیکس: ۱۸۲
کوپر، ولیم: ۲۶۵، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۵۲، ۴۷۸
کولمبس، کرسٹوفر: ۱۸۶
کومٹ، آگسٹس: ۱۲۹
کیا: ۳۲۷
کیانی: ۱۶۰
کیخسرو: ۱۶۰، ۱۷۹، ۲۰۰
کی کان: ۳۷۴
کیکاؤس: ۱۶۰
کیقباد: ۱۷۰، ۲۱۵

گ

گادھی: ۱۴۴
گاندھی، موہن داس کرم چند، مہاتما:

۲۳۶،۲۴۰،۲۴۳،۳۴۸
گبنس:۱۵۷
گرامی، شیخ غلام قادر:۷،۳۱۶،۳۸۲
گرنڈی، پروفیسر: ۲۰۲
گرونانک: ۱۹۰
گوتم بدھ: ۱۸۱،۲۳۰
گورڈن، جنرل: ۳۶۲
گوئٹے : ۱۱، ۲۵۷،۲۶۴، ۳۹۵،
۴۰۷،۴۱۴،۴۴۵،۴۷۸
گیلیلیو:۱۸۲

ل

لاک، جان: ۱۳۱
لانگ فیلو: ۲۶۶،۴۳۴،۴۳۵
لبابہ: ۳۳۷
لوقا:۳۵۵
لوہانی، محمد بادشاہ: ۱۹۹
لیلیٰ: ۱۸۴
لینن (موسیو): ۱۷۵

م

مابہ: ۳۲۷
ماجوج: ۵۲، ۲۰۰، ۳۵۱
مارٹن، لوتھر: ۲۱۷
مارکس، کارل: ۱۲۵،۱۷۵
مارلے، لارڈ منٹو: ۱۳
ماروت:۲۰۱
مازنی، گی سپ: ۲۳۵
مانی: ۱۷۳،۱۷۴،۲۰۹
مبارک ناگوری، شیخ: ۲۷۶
متبنّی:۲۹۹
مجدّد الف ثانی: ۴۷۸
مجروح، میر مہدی:۲۶۸،۴۴۱
محاسبی، حارث:
محبوب الٰہیؒ: ۶
محبوب علی خاں، میر:۳۸۵
محراب گل افغان: ۳۷۵
محسن: ۱۵۹
محسن فانی، شیخ: ۲۵۸
محمد ابن السّید درویش:۱۱۱
محمد بن نصیر: ۳۸۳
محمد بن یحییٰ:۲۸۶
محمد شاہ غازی: ۲۲۴
محمد فاتح، سلطان: ۱۵۷
محمود حسن، مولانا: ۳۷۸
محمود خاں، بنگلوری:
محمود خاں، حکیم: ۳۹۰
محمود خان، سردار: ۳۷۲
محمود، سید:۳۷۶
محمود شاہ، اول: ۲۱۱
محمود شیخ:۲۸۵
محمود شہاب الدین، سید الآلوسی:۳۳۴
مختار احمد انصاری، ڈاکٹر: ۳۹۰
مخدوم شاہ مینا: ۲۶۸
مدن موہن مالوی، پنڈت: ۲۴۳
مراد، سلطان: ۱۵۷
مرحب: ۱۹۱
مردوخ: ۲۰۳
مرزا جان:۳۱۴
مرزا مظہر جان جاناں: ۳۱۴
مرشدِ رومی:۲۴۶،۲۵۹
مروانؓ:۳۸۴
مریمؑ، حضرت: ۱۵۹،۳۳۴
مزدا: ۲۰۱
مزدک: ۱۷۲،۱۷۴
مستعصم باللہ، خلیفہ: ۱۷۳،۲۷۰
مستنصر باللہ، خلیفہ: ۲۹۱
مسعود اول، سلطان: ۲۱۰
مسعود سعد سلمان:۲۹۴،۲۹۶
مسعودی: ۱۵۵
مسولینی، بے نی ٹو: ۲۴۱،۴۶۶
مظفر علی: ۲۲۶
مظفر علی اسیر، منشی: ۲۶۸
مظفّر بیگڑہ:۲۱۱
معتمد باللہ: ۲۱۸،۴۵۵،۴۵۶
معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ:
۳۲۴،۳۲۵،۴۷۸
مغیرہ بن شعبہ: ۱۶۹
مقتدر باللہ، خلیفہ: ۳۴۱
مقّری: ۴۵۵
مقریزی:۲۵۴
ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری: ۳۷۷
ملک الشعرا: ۲۶۶،۲۶۷،۲۷۶
مُلک راج آنند، ڈاکٹر: ۵
ملوح بن فراخم: ۱۸۴
ممتاز محل: ۱۵۳
منصور حلاّج، حسین بن: ۸۵،۲۹۰،
۳۱۶،۳۴۱،۳۵۸
منصور عبّاسی، خلیفہ: ۱۵۹
منکر ونکیر: ۳۵۵
منوچہر: ۱۷۰،۱۹۸، ۳۰۸
منوچہری، احمد غزنوی: ۳۱۰

منیرہ بانو: ۷
موسیٰ بن نصیر: ۱۷۰
موسیٰؑ، حضرت: ۱۹، ۲۰، ۴۴، ۴۵، ۴۷،
۵۰، ۷۳، ۸۰، ۸۷، ۹۵، ۱۵۷، ۳۳۳،
۳۵۸، ۳۷۰، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۳
مہدی موعود: ۱۲۰، ۳۶۶
مہدی سوڈانی: ۱۹۵، ۳۶۲
میاں میر (شیخ میر محمد): ۳۲۶
میر جعفر: ۱۸۹، ۲۰۵
میر حسن، مولوی سید: ۳، ۸، ۱۲،
۳۴۲، ۳۴۴
میر صادق: ۲۰۵
میر قاسم: ۲۰۵
میر محمد تقی میر: ۳۱۹
میر نجات نقشبند: ۳۲۶
میکائیل بن سلجوق: ۲۱۰
میک ٹیگرٹ: ۵
میکڈونلڈ، پروفیسر: ۱۴۲
میکیاولی، نکولو: ۲۳۱، ۲۳۲، ۴۶۷
میمونہؓ، حضرت: ۳۳۷

ن

نابغہ: ۲۸۹
نادر خان، شاہِ افغان: ۳۷۲
نادر شاہ: ۱۸۵، ۲۲۴
ناصر الدین سبکتگین، سلطان: ۱۷۲
ناصر خان، آغا: ۳۸۱
ناصر خسرو علوی: ۲۹۱
نپولین، بونا پارٹ: ۱۲۵، ۲۲۰،
۲۵۷، ۳۷۵
نجف خان: ۱۸۹
نجم الدین، سلطان: ۱۶۹
نجم الدین، شیخ: ۳۲۷
نجیب الدولہ، نواب: ۱۸۹، ۲۰۸
نذیرؐ: ۴۷
نذیر احمد دہلوی، مولانا: ۸، ۹، ۳۴۷
نرسی: ۱۵۶
نریمان: ۲۱۰
نسیم بھرتپوری: ۳۲۰
نصیر الدین محمود، خواجہ: ۲۸۸
نصیری: ۳۸۳
نظام الدین اولیاءؒ: ۳، ۵، ۶، ۲۴۷،
۳۴۳
نظام الملک: ۱۴۷، ۱۹۲
نظام حیدر آباد: ۳۷۸
نظامی گنجوی: ۳۰۲، ۳۰۷
نظیری، محمد حسین: ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۷۲،
۲۸۰
نعمان بن بشیر: ۱۰۲
نعیم بن عبداللہ: ۲۲۸
نقفور: ۱۶۰، ۱۶۱
نکیر، منکر و: ۳۵۵
نکلسن، ڈاکٹر: ۵
نکولس کوپرنیکس: ۱۸۲
نمرود: ۱۹۴
نواب بھوپال: ۳۷۷
نوازش علی خاں: ۳۸۲
نوائی، امیر علی شیر: ۳۸۴
نوحؑ، حضرت: ۵۴، ۶۰، ۳۲۱، ۳۶۱
نورالدین، سلطان: ۱۶۹
نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۲۴۶،
۲۵۵، ۲۸۶، ۳۰۷، ۳۲۷
نور جہاں: ۲۲۱
نور محمد، شیخ: ۱
نوشیرواں: ۱۷۲، ۲۱۵
نیٹشے، فریڈرک ولہلم: ۱۲۴
نیوٹن: ۱۸۲

و

وارڈ، پروفیسر: ۵
واصل خان، حکیم: ۳۹۰
وحید الہ آبادی: ۳۱۷
وردھن: ۳۱۸
ورڈزورتھ، ہنری: ۲۶۶، ۴۴۳، ۴۷۸
وزیر حسین، سید: ۲۴۴
وششٹھا: ۱۴۴
وشوامتر: ۱۴۴، ۳۵۸
ولی خان، شاہ: ۳۷۲
ولید بن عبدالملک: ۱۷۱
ولیم بارنس: ۴۳۱
ولیم جونز، سر: ۱۳۵
ولیم، قیصر: ۱۷۵
ویگے ناست: ۵:
وین فیلڈ: ۲۸۶

ہ

ہابیل: ۳۷۱
ہاجرہ: ۳۶۹
ہادی، مرزا محمد: ۳۴۷
ہاروت: ۲۰۱
ہارونؑ، حضرت: ۹۵
ہارون رشید: ۱۶۰، ۱۶۲
ہاشم خان، سردار: ۳۷۲

ہامر پرگس ٹال: ۲۸۶
ہائنے ، ہائن رش: ۲۵۷، ۲۵۸،
۴۰۷،۴۰۹،۴۷۸
ہرش: ۱۸۱
ہرش وردھن: ۲۹۱
ہرقلس: ۲۱۴
ہرمز: ۲۰۹،۲۱۵
ہرمزد: ۲۱۴
ہشام بن عبدالملک: ۱۸۴
ہلاکو خان: ۱۷۳،۲۸۵
ہلالی: ۳۱۳
ہمایوں، محمد شاہ دین: ۳۵۰
ہمایوں، شہنشاہ نصیرالدین: ۱۸۵
ہنری چہارم، شاہ: ۲۷۸
ہومر: ۳۲۳
ہووٹ، میری: ۴۱۹
ہیرود: ۳۳۵
ہیسنگز، وارن: ۲۶۵
ہیگل، جارج ولیم فریڈرک: ۵،۱۲۳،۱۲۶

ی

یاجوج: ۵۲،۲۰۰،۳۵۱
یافعی، مؤرخ: ۱۶۲
یحییٰ بن بکیر: ۱۶۲
یحییٰ بن خالد برمکی: ۱۶۱
یحییٰؑ، حضرت: ۵۹
یزدجرد: ۱۵۴، ۱۵۶
یزید ابن معاویہؓ: ۱۵۷،۱۵۸،۱۸۶،
۲۸۴،۳۳۳، ۳۶۱
یعقوبؑ، حضرت: ۵۴، ۳۳۹
یوسف بن تاشفین: ۲۱۸
یوسفؑ، حضرت: ۱۵،۳۳۹

❁❁❁

مقامات

آ

آذربائیجان: ۲۱۱،۲۵۶،۳۲۴
آرمینیا: ۲۱۱،۲۱۹،۳۱۶
آرہ: ۳۸۷
آستانہ: ۱۸۸
آسٹریا: ۲۲۰
آکسفورڈ: ۱۳۱،۲۲۹،۳۹۱
آگرہ: ۱۸۵، ۲۰۶، ۲۲۱، ۲۲۳،
۲۵۶،۲۶۴،۲۷۶،۳۱۴،۳۴۶
آئرلینڈ: ۲۱۷

الف

ابی سینیا: ۲۴۲،۴۶۶
اثینیہ (ایتھنز): ۱۲۱،۱۴۰
اٹک: ۱۹۱
اٹلی: ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۳۱،
۲۳۳،۲۴۱،۲۴۲،۲۶۶،۴۶۶،۴۶۷
اجمیر: ۱۵۳، ۱۷۲، ۲۱۷، ۳۲۵
اجودھیا: ۱۸۶
اجین: ۱۷۲،۱۸۵
احمد آباد: ۲۵۹
اربیلا: ۱۹۱
اڑیسہ: ۱۸۹
اسپین، اندلس: ۱۸۷، ۲۱۷، ۲۱۹،
۲۶۶،۴۵۶
استرآباد: ۳۱۳
استنبول، قسطنطنیہ: ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۳۸
اسکاٹ لینڈ: ۲۱۷
اسکندریہ: ۱۴۷،۳۵۰،۳۵۱
اشبیلیہ: ۲۱۸
اصطخر: ۱۷۴
اصفہان: ۲۷۷، ۳۲۷، ۳۳۳،
۳۳۴،۳۶۴
اعظم گڑھ: ۲۷۵
افریقہ: ۱۶۱،۱۹۷،۱۸۶،۲۱۸،۲۴۰،۳۵۲
افغانستان: ۱۶۸، ۱۹۰، ۲۰۷، ۲۲۱،
۲۳۷،۲۹۲،۳۵۲
البرز: ۱۹۲
الخلیل: ۳۳۹
المانیہ: ۲۱۷
الموط، قلعہ: ۱۹۲
الور: ۱۳
الہ آباد: ۱۳،۱۸۹،۳۱۷،۳۷۶
امرتسر: ۲۳۶،۳۸۹
امرکوٹ: ۱۵۲
امریکا: ۱۲۸،۱۸۷،۲۳۷،۳۴۶
اُناؤ: ۳۷۸
اندلس: ۱۷۰
انگلستان: ۵،۱۲،۲۲۰،۲۳۶،۲۳۷،
۲۳۸، ۲۴۰، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۵،
۲۶۶،۳۴۴،۳۴۵،۳۴۹،۳۷۶
اُر: ۳۲۶،۳۵۷
ایٹہ: ۲۴۷
ایتھوپیا: ۲۴۲
ایران: ۱۳۶،۱۵۴،۱۵۵،۱۵۶،۱۶۰،
۱۷۳،۱۸۵، ۱۹۰، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۱،
۲۱۴، ۲۲۱، ۲۳۸، ۲۷۶، ۲۹۱، ۲۹۹،
۳۰۸،۳۱۶،۳۲۴،۳۵۲،۳۶۶،۳۷۳

ایشیا:۱۴۱،۲۷۷،۳۵۲،۳۵۵
ایشیائے کوچک: ۱۷۳
ایکول پولی ٹیکنک: ۱۲۹
ایلیا: ۲۲۰
اینگلواورینٹل کالج: ۳۴۲

ب

بابل: ۱۹۴،۲۰۳،۳۲۶
بادیہ: ۶۰
بارہ دری کامران: ۳۴۵
بازنطین: ۱۵۷
باغِ سلمان: ۳۶۴
بانگرمئو: ۳۷۸
بحراحمر: ۲۰
بحرظلمات: ۱۸۶
بحرین:۳۸۳
بخارا:۱۳۷،۱۷۴،۲۷۸،۳۴۳،۳۸۶
بدایوں:۳۴۳
بدخشاں:۲۰۷،۲۹۱
برٹش میوزیم لائبریری:۳۴۹
برصغیر: ۱۳،۱۹۴،۲۱۶،۲۲۱،۲۳۷، ۲۷۲، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۶۲، ۳۷۷، ۳۷۸،۳۸۴،۴۶۵،۴۷۹
برطانیہ: ۱۸۸،۲۱۷
برما: ۱۸۱
برلن: ۱۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۱،۱۷۵،۲۵۷،۳۴۹
برہان پور: ۲۷۲
بصرہ: ۳۳۳
بغداد:۱۴۰،۱۴۷،۱۷۳،۲۲۱،۲۷۷،۳۲۴، ۳۳۲،۳۳۳،۳۶۰،۳۶۵،۳۶۶
بلاطہ:۳۳۹
بطلیوس: ۲۷۱
بکسر: ۱۸۹
بلخ:۱۷۴، ۲۴۵، ۲۹۱
بلغاریہ: ۱۵۷، ۱۸۸
بمبئی:۳۴۶، ۳۷۷
بنارس:۲۴۳
بندول:۲۷۵
بنگال: ۱۸۹،۱۹۴،۱۹۸،۲۰۵
بوسٹن:۲۶۵
بوسنیا: ۱۵۷
بون: ۱۲۴،۱۲۵،۱۲۷،۲۵۷
بہار،صوبہ: ۱۸۹،۳۸۶
بہاولپور: ۳۸۲،۳۸۶
بھوپال:۱۱،۳۷۷
بیت المقدس:۲۱۴،۳۳۱،۳۳۵
بیجاپور:۲۷۶
بیستوں:۱۸۰

پ

پاکستان:۱۸۱،۲۴۳
پانی پت: ۲۰۸،۲۲۳،۲۶۹،۳۲۲
پٹنہ:۳۸۶،۳۸۷
پٹیالی:۲۴۷
پراگ: ۱۲۷
پرشن سیکسنی: ۱۲۴
پرشیا: ۱۳۲
پرنسٹن یونیورسٹی: ۱۲۸
پسا:۱۷۴
پشاور:۲۰۸،۳۴۸
پنجاب:۴،۱۳،۱۷۲،۱۹۱،۳۵۰،۳۸۶
پنجاب یونیورسٹی: ۳۴۸
پوربندر:۲۴۰
پورٹ لینڈ:۲۶۶
پونٹس: ۳۵۵
پیٹرزبرگ،سینٹ: ۱۲۵، ۱۷۵
پیرس : ۱۱، ۱۲۶، ۱۳۰، ۲۰۴، ۲۲۰، ۲۳۷،۲۳۸،۲۵۸
پیسا: ۱۸۲
پے ویا،یونیورسٹی:۱۸۶

ت

تاتار: ۱۷۳،۱۷۴
تبّت: ۱۸۱،۲۰۷
تبریز: ۱،۱۷۴، ۲۵۷،۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۵،۳۰۸
تبوک: ۴۴۷
ترکی: ۱۳۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۱۹، ۲۳۳،۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،۳۲۴،۴۶۶
ترکستان: ۳۵۲
تل ابیب:۳۷۵
تکریت: ۱۶۹
تھانیسر: ۱۷۲
تہران:۲۳۸
توران: ۲۷۸

ٹ

ٹانڈہ:۳۷۸
ٹھٹھہ: ۳۱۶،۳۲۶

ج

جابیہ: ۳۳۱
جاپان:۱۸۱،۳۴۶
جارجان:۱۴۷

جارجیا: ۱۹۲
جالندھر: ۳۱۶
جام: ۲۴۶
جامعہ عثمانیہ: ۳۹۳
جبل الطّارق: ۱۷۱
جدہ: ۲۰۴
جرمنی: ۵، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۷۵، ۲۱۷، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۶۴، ۲۶۶، ۳۴۴، ۳۴۹، ۳۶۲
جلاب: ۳۲۴
جنجیرہ: ۳۸۴
جنیوا: ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۸
جودی: ۴۶
جوناگڑھ: ۲۱۱
جہان آباد: ۲۶۹
جہلم: ۱۹۱، ۲۱۷

چ

چمپانیر: ۲۱۱
چین: ۹۳، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۱، ۲۲۱، ۳۵۲، ۳۷۴

ح

حبرون: ۳۳۹
حجاز: ۹۳، ۲۰۴، ۲۱۹
حرا: ۱۹۳
حرم: ۷۲، ۲۱۱
حضرموت: ۳۷۰
حلب: ۲۲۱
حمص: ۳۳۱
حیدر آباد، دکن: ۲۶۹، ۳۱۷، ۳۷۸، ۳۸۵، ۳۹۰، ۳۹۳

خ

خافطین: ۳۵۸
خانہ کعبہ: ۲۷
خراسان: ۱۵۰، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۶، ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۴۱، ۳۶۵
خرطوم: ۳۶۲
خوارزم: ۱۵۸، ۲۱۱
خوجند: ۱۷۴
خوزستان: ۳۲۴
خیبر: ۹۲، ۱۸۵، ۱۹۱

د

دارالترجمہ والتالیف: ۳۹۳
دارالامارت: ۱۸۷
دجلہ: ۱۷۴، ۳۵۷، ۳۷۱
درا: ۲۱۴
درنہ: ۲۳۴
دریائے سندھ: ۱۹۱
دلاس: ۲۵۳
دکن: ۲۰۷، ۲۲۱، ۲۷۶، ۳۱۰، ۳۱۷
دمشق: ۱۳۷، ۱۴۷، ۱۶۹، ۲۲۱، ۲۳۳، ۳۳۱، ۳۳۳
دہلی: ۵، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۴۷، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۸۱، ۳۰۲، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۴۳، ۳۹۰
دیارِبکر: ۲۱۱
دیارِربیعہ: ۲۱۱
دیوارِچین: ۳۵۱
دیوبند: ۳۷۸، ۳۹۰
دیون ہلی: ۲۰۸

ڈ

ڈانزگ: ۱۲۳
ڈنمارک: ۲۱۷
ڈیرہ مبارک: ۳۸۲

ر

راج کوٹ: ۲۴۰
رام پور: ۳۱۷
راوی، دریائے: ۱۸۳، ۳۴۵
رائے بریلی: ۳۷۶
ربذہ: ۳۳۲
رنگٹن: ۱۳۱
روس: ۱۲۵، ۱۷۵، ۲۲۰، ۲۳۷، ۲۳۸، ۳۵۲
روم: ۱، ۹۳، ۱۶۰، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۳۸، ۳۲۷، ۳۴۷، ۳۶۱
رے: ۱۳۹، ۱۷۴
ریاض: ۲۰۴، ۲۰۵

ز

زابلستان: ۲۱۰
زرافشاں: ۳۴۹
زمخشر: ۳۶۹
زندہ رود: ۳۶۴
زیورچ: ۱۲۷

س

سامرہ: ۳۵۷
سائبیریا، مشرقی: ۱۷۵
ستلج: ۲۰۷
سجز: ۳۲۵
سربیا: ۱۵۷
سرنگاپٹم: ۲۰۶
سرووالا مقبرہ: ۲۰۶

سرہند:۳۶۳
سعودی عرب:۲۰۵
سمبرسک:۱۷۵
سمرقند:۱۵۸،۱۷۴،۲۰۶،۲۲۰،۲۲۱، ۳۲۵
سمرنا:۲۳۳
سندھ: ۲۰۷
سومنات: ۱۷۲
سوئٹزرلینڈ:۱۲۷،۱۶۸،۲۱۷
سہارنپور:۳۹۰
سیالکوٹ:۱،۳۴۴،۳۴۵،۳۴۸،۳۸۱
سیام: ۱۸۱
سیستان:۳۲۶
سینا: ۴،۴۶
سینٹ پیٹرزبرگ: ۱۲۵،۱۷۵

ش

شادباغ: ۲۴۶
شام: ۱۴۹،۱۷۰،۱۷۳،۲۰۴،۲۱۴، ۲۱۹، ۲۹۹، ۳۲۴، ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۵،۳۵۲،۳۶۱
شاہجہاں آباد: ۳۱۶
شبستر:۲۸۵
شمال مغربی سرحدی صوبہ: ۱۹۴
شہرسبز: ۲۲۱
شہرِ قیصر: ۱۸۵
شیراز:۲۵۶،۲۷۴،۲۷۷،۳۰۰،۳۷۳
شیروان: ۳۰۸

ص

صفا:۲۲۸
صہبائے خیبر: ۹۲

ط

طاسین: ۳۵۸
طائف:۱۹۳
طبرستان:۱۳۹،۳۲۴
طرابلس:۱۸۸،۲۳۳
طنجہ:۱۷۱
طور:۴۵،۴۶،۷۱،۸۷
طوس:۱۴۰،۱۴۷،۱۹۲،۳۰۰
طہران: ۲۳۸،۳۷۳

ع

عجم: ۲۵۶،۳۱۷
عدن:۳۸۲
عراق: ۴۶، ۱۵۶،۲۰۴، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴،۳۲۵،۳۲۶،۳۵۲،۳۵۷،۳۷۱
عرب:۱۵۶،۱۶۱،۲۲۷، ۴۵۶
عقبہ: ۳۴۷
علی گڑھ: ۷،۳۴۱، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۸،۳۹۱
علی گڑھ کالج، یونیورسٹی: ۳۵۳، ۳۸۷،۳۹۳
عوض: ۳۲۱

غ

غرناطہ: ۲۷۰
غزنی: ۱۷۲،۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۹۵، ۲۹۶،۳۰۰
غزہ: ۱۵۰
غور: ۲۱۰، ۲۱۷

ف

فاراب: ۱۳۷
فارس: ۲۰۰،۲۱۹،۳۴۱
فارلی: ۲۴۱
فاریاب: ۲۵۶
فرات: ۳۵۷
فرانس:۱۱،۱۲۶،۱۲۹، ۲۱۷،۲۲۰۲۲۹، ۲۳۷،۲۶۶،۳۵۲،۳۵۸،۳۷۵
فرانک فرٹ:۱۲۳، ۲۵۷
فرنگ: ۲۲۳
فلسطین:۲۱۴،۲۱۹،۳۲۱،۳۳۹،۳۵۲

ق

قادسیہ: ۱۵۵
قادیان:۳۶۶
قازان: ۱۲۴
قاہرہ: ۲۳۸
قراقرم: ۱۷۴
قزوین:۲۷۶،۳۳۴
قسطنطنیہ: ۲۲۴،۲۳۳، ۳۴۷
قشمرود: ۳۵۸
قصور: ۳۸۸
قطب الاسلام، مسجد: ۱۹۸
قم: ۲۷۶
قندھار: ۲۰۷،۲۰۸
قنسرین: ۳۳۱
قنوج: ۱۷۲، ۲۱۷
قوت الاسلام، مسجد: ۱۹۸
قوت العمارۃ: ۱۷۴
قونیہ: ۲۴۵،۳۲۷
قہستان: ۳۲۴

ک

کابل: ۲۰۷،۳۸۶
کاٹھیاواڑ:۲۱۱،۲۴۰

کاشان: ۲۷۶
کاشغر: ۲۰۷
کاظمہ: ۲۹۸
کراچی:۲۴۳، ۳۸۴
کربلا: ۲۲۱،۱۵۸
کرتارپور: ۱۹۰
کردستان: ۲۲۱
کرمان: ۳۲۴،۲۱۰
کرنال: ۳۲۲
کشمیر:۳۱، ۲۰۷، ۲۲۱، ۲۵۸، ۳۶۴، ۳۸۰
کلدانیہ:۳۲۶
کلکتہ: ۲۰۹
کنعان: ۵۴، ۱۰۴
کوفہ: ۱۵۸، ۱۶۴، ۳۶۰
کوہِ اضم: ۲۹۸
کوہ البرز: ۱۹۲
کوہستان: ۳۲۴
کوہ قاف: ۱۹۲
کیمبرج:۵، ۱۰، ۲۶۰، ۳۴۸، ۳۶۵
کیمبرویل: ۲۶۱

گ

گجرات: ۷، ۲۱۱، ۲۷۲
گلاتیا: ۳۵۵
گلیل: ۳۳۵
گنجہ: ۳۰۷
گنگا، دریائے: ۳۴۶
گوالیار: ۱۸۵
گوٹنجن: ۱۲۳، ۲۵۷، ۲۵۸
گوجرانوالہ: ۳۴۵، ۳۸۶
گورداس پور:۳۶۶
گورنمنٹ کالج، لاہور: ۴، ۳۴۵، ۳۵۰
گولکنڈہ: ۱۸۵
گونزبرگ:۱۳۲

ل

لال باغ: ۲۰۹
لاہور: ۱، ۴، ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۲۱، ۲۴۳، ۲۹۶، ۳۱۶، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۳، ۳۶۵، ۳۸۲، ۳۹۲
لدھیانہ:۳۴۶
لکھنؤ:۲۸۶، ۳۴۶، ۳۷۶
لندن : ۵، ۱۰، ۱۲۶، ۱۴۱، ۱۸۳، ۳۴۳، ۳۴۴، ۲۶۰، ۳۴۷، ۳۹۱
لنکا: ۱۸۶
لنکنز اِن: ۲۴۳
لیبیا: ۱۹۴
لیپزگ: ۱۲۴
لیڈن: ۲۷۱

م

مادرایہ: ۱۷۴
مادریہ: ۱۷۴
مازندران:۲۵۶، ۳۶۶
ماسکو: ۱۲۴، ۱۲۵
مالٹا: ۲۳۸
مالوہ: ۱۸۵
مالیرکوٹلہ: ۳۴۹
متھرا: ۱۷۲، ۳۴۶
مدائن: ۳۲۸
مدرسہ نظامیہ: ۲۷۷
مدین: ۷۳، ۳۷۰
مدینہ: ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۹۳، ۳۳۲، ۳۴۷، ۳۶۱، ۳۷۸
مرشد آباد: ۳۱۰
مرو: ۲۱۱، ۳۶۰
مسجد اقصیٰ: ۱۹، ۷۶
مسجد الحرام: ۱۹
مسجدِ نبوی: ۳۲۸
مصر: ۴، ۵، ۱۰۴، ۱۵۰، ۱۷۰، ۱۸۸، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۹۱، ۳۳۴، ۳۴۶، ۳۵۲
مصلّیٰ: ۲۷۴
معرّۃ: ۲۹۹
مغرب: ۱۸۷
مکّہ: ۱۵، ۱۴۷، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۲۹، ۳۶۹
مقامِ ابراہیم: ۲۷
مقدونیہ: ۱۴۰، ۱۷۶، ۲۳۳
ملان: ۲۴۱
ملتان: ۲۰۷، ۳۸۸
منگولیا: ۱۷۳، ۳۵۱
موآب: ۱۶۵
موصل: ۲۱۱
میرٹھ:۱۹۸
میسور: ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۰۹
میواڑ: ۲۲۳
میونخ: ۵، ۱۲۷، ۱۸۳

ن

نابلس: ۳۳۹
ناصرہ:۳۳۵

نجد: ۱۸۴، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۸۹
نجف: ۱۷۹، ۲۵۶
نخلہ: ۱۶۵
نگرکوٹ: ۱۷۲
نمارق: ۱۵۶
نور: ۳۶۶
نہاوند: ۳۶۰
نیدرلینڈ: ۳۱۷
نیشاپور: ۱۴۷، ۱۷۴، ۲۱۰، ۲۴۶، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۹۰، ۳۳۳
نیل، دریائے: ۲۰، ۶۴، ۲۲۷، ۴۷۰
نینوا: ۳۵۷

و

والگا، دریائے: ۲۲۱
ولایت: ۶، ۲۴۰، ۳۴۲
وینس: ۱۲۳، ۲۶۲
ویمر: ۱۱، ۲۶۴

ہ

ہارورڈ یونیورسٹی: ۲۶۶
ہارون: ۳۲۵
ہالینڈ: ۱۷۵
ہامبرگ: ۱۲۳
ہائیڈل برگ: ۱۲۶
ہجویر: ۳۲۴
ہرات: ۱۷۴، ۲۰۸، ۲۴۶
ہسپانیہ: ۲۱۹
ہفت مرگ وادی: ۳۵۹
ہمدان: ۱۳۷، ۲۱۰، ۲۵۲، ۲۶۷، ۳۳۳، ۳۶۴
ہندوپاک: ۱۸۵
ہندوستان، ہند: ۱، ۴۱، ۴۶، ۱۵۲، ۱۸۰، ۲۰۷، ۲۴۰، ۳۳۸، ۳۵۰، ۳۶۶، ۳۸۶
ہندو یونیورسٹی: ۲۴۳
ہنگری: ۲۶۱
ہوشیار پور: ۳۸۶
ہےرو: ۲۶۰

ی

یابر: ۲۷۱
یرغمید: ۳۵۸، ۳۵۹
یروشلم: ۳۳۹
یلدرم: ۳۵۸
یمن: ۴، ۵، ۱۰۴، ۱۴۹، ۲۰۳، ۲۱۹، ۳۴۳
یورپ: ۵، ۱۵۷، ۱۶۸، ۱۸۱، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۶۵، ۲۸۶، ۳۴۹، ۳۵۲
یونان: ۱۲۱، ۱۴۰، ۱۶۱، ۴۶۷

❁❁❁

کتب، رسائل، اخبارات، منظومات

آ

آفتاب داغ: ۲۶۹
آن دی ریسیٹ آف مائی مدرز پکچر، نظم: ۴۵۱، ۴۵۲
آئینِ اکبری: ۱۵۳
آئینۂ سکندری: ۲۴۷

الف

ابرِ کرم: ۲۶۹
ابنِ ماجہ: ۱۰۷
ابوالعلامعرّی، نظم: ۴۵۹
ابوداؤد: ۱۰۹، ۱۲۰
اپنشد: ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۵۴
احسان، روزنامہ: ۳۸۹
احصاءالعلوم: ۱۳۷
احیاءالعلوم: ۱۴۷
اخلاق ناصری: ۱۴۰
ارتنگ: ۰۵۵۱۷۳
ارجح المطالب: ۹۳
ارژنگ: ۱۷۳
اساس الاخلاق: ۳۸۶
اساس البلاغت: ۳۶۹
اسرارِ خودی: ۳۴۸
اسرارالخرق والمؤنات: ۳۲۴
اسنی المطالب: ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۶
اعجاز خسروی: ۲۴۷
اقبال ریویو: ۴۴۵
اقلیدس: ۱۴۰
اکبرنامہ: ۱۵۳
الاسرارالالٰہیہ: ۳۳۴
الاستیعاب: ۲۵۲
المسند: ۱۱۷
الٰہی نامہ: ۲۴۶
الٰہیات (ارسطو): ۱۳۷
البشامہ: ۲۷۱
الرسالہ: ۱۵۰
الرعایۃ لحقوق اللہ: ۳۲۴
الطہارت فی الحکمۃ عملی: ۱۴۰
الغزالی: ۱۴۷، ۲۷۵
الفاروق: ۲۷۵

الکواکب الدرّیہ: ۲۵۴
المفصّل: ۳۶۹
المدینۃ الفاضلہ: ۱۳۷
المصنوع فی الاحادیث: ۱۰۳،۹۶
المقاصدالحسنہ: ۹۹، ۱۰۱
المنطق بالشعر: ۱۳۷
النعمان: ۲۷۵
امیراللغات: ۲۶۹
انجیل: ۳۵۵
انشائے فیضی: ۲۷۶
انیس الارواح: ۳۲۵
اونتی: ۲۴۱
اوصاف الاشراب: ۱۴۰
ایڈوانسمنٹ آف لرننگ: ۱۴۱
ایرانی الٰہیات: ۵
ایسٹ اینڈ ویسٹ: ۳۴۸
ایسّے آن سول گورنمنٹ: ۱۳۱
ایسّے آن ہیومن انڈرسٹینڈ نگ: ۱۳۱
ایک آرزو، نظم: ۴۳۱
ایک پہاڑ اور گلہری، نظم: ۴۲۰
ایک گائے اور بکری، نظم: ۴۲۱
ایک مکڑا اور مکھی، نظم: ۴۱۶
اینا کری نینا: ۱۲۵
اے چائلڈز ہم:، نظم: ۴۲۶
اے وش، نظم: ۴۳۳

ب

بانت سعاد: ۲۵۲
بائبل: ۲۵۸
بچّے کی دعا، نظم: ۴۲۶
بحرالقلوب: ۳۲۴
بحرالمعانی: ۱۴۰
بخاری، صحیح: ۹۳، ۹۷، ۱۱۱، ۱۶۳
برکھارت: ۲۷۰
برہان احمدیہ: ۳۶۶
بستان المحدثین: ۳۳۴
بلوغ المرام: ۱۰۸،۹۷
بوستانِ سعدی: ۲۲۶، ۲۷۷
بہارستان: ۲۴۷
بھرتری ہری شتک: ۲۹۱
بھگوت گیتا: ۱۴۲، ۱۸۰

پ

پاژند: ۲۱۶
پائیڈ پائپر: ۲۶۲
پران: ۱۴۴
پریچنگ آف اسلام: ۳۴۲،۳۲۲
پندنامہ: ۲۴۶
پہاڑ اور گلہری، نظم: ۲۶۵
پیامِ صبح، نظم: ۴۳۴

ت

تاریخ ابن کثیر: ۵۹
تاریخ ادبیاتِ ایران: ۲۸۶
تاریخِ اسلام: ۳۷۶
تاریخ بغداد: ۳۳۳
تاریخِ فلارنس: ۲۳۱
تاریخ فلسفہ: ۱۲۲
تاریخ ہمدان: ۳۳۴
تاریخ ہند: ۱۵۳
تاریخ یافعی: ۳۶۱
تالمود: ۳۵۰
تبصرۃ العوام: ۱۷۴
تجلیات: ۳۶۶
تحفۃ العراقین: ۳۰۸
تذکرۃ الاولیا: ۲۴۶
ترانہ ہندی: ۹۱
ترمذی: ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۲،
۱۶۳، ۴۴۷
تزک بابری: ۱۸۵، ۲۲۳
تغلق نامہ: ۲۴۷
تفسیر کبیر: ۱۴۰
تمیز الطیب من الخبیث: ۱۱۷
تنقید تصدیق: ۱۳۳
تنقید عقل عملی: ۱۳۲
تنقید عقل محض: ۱۳۲
توالی التاسیس: ۱۵۰
توریت: ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۹،
۳۵۱، ۳۷۱
تہافۃ التہافتہ: ۱۴۷
تہذیب الاخلاق: ۳۴۱
تیمور نامہ: ۲۲۶

ج

جامع الصغیر: ۹۹
جاوید نامہ: ۳۶۳
جذباتِ ہمایوں: ۳۵۰
جمع الفوائد: ۹۱، ۹۳
جوئے آب، نظم: ۴۰۹، ۴۱۴

چ

چپ کی داد، نظم: ۲۷۰
چہار عنصرِ بیدل: ۲۷۸

ح

حدیث المعارف: ۳۲۵

حدیقۃ الحقیقت:۲۹۵
حسنات العارفین:۱۵۴
حق العین فی معرفۃ رب العالمین: ۲۸۵
حکایتِ فلسفہ:۱۲۲
حکم الرفاعی: ۳۳۴
حقیقتِ حسن، نظم: ۴۴۴
حور و شاعر، نظم: ۳۹۵
حیاتِ جاوید:۲۷۰
حیاتِ سعدی: ۲۷۰

خ

خریطہ ءجواہر: ۳۱۴
خزائن الفتوح: ۲۴۷
خسرو شیریں: ۳۰۷
خصائص کبریٰ: ۹۷
خضرِ راہ: ۱۰
خطباتِ احمدیہ: ۳۷۶
خمسۂ نظامی: ۲۷۶

د

دارمی: ۱۰۷
داغ، نظم: ۴۴۱
دستورِ ہند: ۱۳
دعوتِ اسلام: ۳۴۲
دلیل العارفین: ۳۲۵
دنیا میری نظر میں: ۱۲۸
دی اسپائڈر اینڈ دی فلائی، نظم: ۴۱۸
دی ٹمپسٹ، نظم:: ۲۷۸
دی کاؤ اینڈ دی ایس، نظم: ۴۲۴
دی ماؤنٹین اینڈ دی اسکوئرل، نظم: ۴۲۱
دی مدر پرز ڈریم، نظم: ۴۳۱
دی نائٹنگیل اینڈ دی گلو وارم، نظم: ۴۲۸
دیوانِ فارسی بیدل: ۲۷۸
دیوانِ معین: ۳۲۵
دیوانِ مولانا روم: ۲۴۵

ذ

ذکرِ میر: ۳۱۹

ڈ

ڈے بریک، نظم: ۴۳۵

ر

راحت المحبین: ۳۴۳
رامائن: ۱۸۶، ۳۱۸
رباعیاتِ خیام: ۲۸۹
رحیق الکوثر: ۳۳۴
رخصت اے بزمِ جہاں، نظم: ۴۳۸
رسالۃ المالک الرشید: ۱۶۲
رسالۂ حق نما: ۱۵۴
رسالہ در کسبِ نفس: ۳۲۵
رسالہ شاہد: ۲۸۵
رسالہ عشقیہ: ۳۲۳
رسالہ قشیریہ: ۳۶۱
رسالۂ وجودیہ: ۳۲۵
رقعاتِ بیدل: ۲۷۸
رگ وید: ۱۳۴
رموزِ بےخودی: ۲
روشنائی نامہ: ۲۹۱
رومیو جولیٹ: ۲۷۸
رہنش گزٹ: ۱۲۶
ریاست: ۱۲۱
ریڈنگ آن دی اسٹیٹیوٹ آف یوزز: ۱۴۱

ز

زاد المسافرین:۲۹۱
زبور، صحیفۂ آسمانی: ۳۳۸
زمیندار: ۳۸۹
زندگی و عمل، نظم: ۴۰۷
زیچ ایلخانی: ۱۴۰

ژ

ژند: ۲۱۶

س

سائمن کمیشن: ۱۳
سبعۃ معلّقۃ: ۲۸۹
سرِّ اکبر: ۱۵۴
سرمایہ: ۱۲۶
سرمۂ بصیرت: ۲۶۹
سعادت نامہ: ۲۸۵، ۲۹۱
سفرنامہ: ۲۹۲
سفینۃ الاولیا: ۱۵۴
سکندر نامہ: ۱۷۹، ۳۰۷
سکینۃ الاولیا: ۱۵۴
سنن: ۱۵۰
سواطع الالہام: ۲۷۶
سیر الاولیا: ۳۴۳
سیرۃ النبی، شبلی: ۲۷۵

ش

شاہنامہ (ایران): ۱۶۰، ۱۷۰، ۲۹۹، ۳۰۰
شاہ و درویش: ۳۱۴
شرحِ اشارات: ۱۴۰

شرح ملا جامی: ۲۴۷
شرف نامہ: ۱۷۹
شعب الایمان: ۱۱۷
شعرالعجم: ۳۷۵
شطحیات: ۱۵۴
شکوہ، نظم: ۱۰
شنکراوچیے: ۱۴۲
شواہد النبوۃ: ۲۴۷
شہرِ آشوب: ۲۷۰
شیریں خسرو: ۲۴۷

ص

صبحِ ازل: ۲۶۹
صدّیق، نظم: ۴۴۶
صفات العاشقین: ۳۱۴

ض

ضرب الامثال: ۳۸۶
ضیاالعیون: ۳۲۶

ط

طبقات الفقہا: ۱۶۲
طلوعِ اسلام، نظم: ۴۶۶

ع

عروۃ الوثقیٰ: ۲۳۷
عشّاق نامہ: ۲۵۳
عشق اور موت، نظم: ۲۶۶، ۴۳۶
علم وعشق، نظم: ۴۶۲
علوم القرآن: ۳۸۶
عون المعبود: ۱۲۰
عیون الحکمت: ۱۳۷

غ

غرّۃ الکمال: ۲۴۷
غفران: ۴۵۹

ف

فاؤسٹ: ۲۶۵
فتاویٰ عالمگیری: ۱۵۲
فتح الباری: ۹، ۱۱۹
فراگن، نظم: ۴۰۷
فردوس: ۳۳۴
فضل الفواد: ۳۴۳
فلاسفی پازیٹو، (فلسفہ ایجابیت): ۱۲۹
فلاسیفیکل ٹرانز کشنز: ۱۸۳
فلسفۂ تاریخ، (ہیگل): ۱۲۷
فلسفۂ فنون ومذہب، (ہیگل): ۱۲۷
فنون لطیفہ: ۳۸۶
فوائد الفواد: ۳۴۳

ق

قرآن پاک، مجید، عزیز، حکیم، کریم: ۲، ۱۱، ۷۸، ۸۱، ۱۵۴، ۱۶۴، ۹۳، ۲۰۰، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۷۶، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۵۸، ۴۶۶
قران السعدین: ۲۴۷
قصص القرآن: ۵۹
قصیدہ بردہ شریف: ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۹۸
قلم نامہ شرف الدین: ۳۲۳
قید خانہ میں معتمد کی فریاد، نظم: ۴۵۵

ک

کاشف الحقائق: ۳۸۷
کامریڈ (روزنامہ): ۳۹۱
کائنات بحیثیت خواہش اور تصور: ۱۲۳
کتاب الاقدس: ۳۶۶
کتاب الایقان: ۳۶۶
کتاب البیان لاھل العیان: ۳۲۴
کتاب الحواشی علی القانون: ۱۳۷
کتاب السنن: ۱۶۳
کتاب الطبقات: ۳۶۱
کتاب الطہارت فی الحکمت العملی: ۱۴۰
کتاب الطّواسین: ۳۵۸
کتاب الفناوالبقا: ۳۲۴
کتاب المسائل: ۱۶۲
کتاب الملوک: ۲۳۱، ۴۶۷
کتاب المناسک: ۱۶۲
کشّاف: ۳۶۹
کشف المحجوب: ۳۲۴
کلماتِ فردوسیہ: ۳۶۶
کلیات قصائد وغزلیات (جامی): ۲۴۶
کملا: ۳۴۹
کنز العمال: ۹۶، ۹۷، ۱۰۸
کنوز الحقائق: ۱۱۴
کھجور کا پہلا درخت، نظم: ۴۵۶
کیمیائے سعادت: ۱۴۷

گ

گدائی، نظم: ۴۵۸
گڈ بائی، نظم: ۴۴۰
گلزارِ داغ: ۲۶۹
گلستاں: ۲۷۷، ۳۶۰
گلشنِ راز: ۲۸۵، ۲۸۶
گنج الاسرار: ۳۲۵
گیتا: ۱۴۲، ۲۳۶

ل

لاجک (ہیگل): ۱۲۶
لامیسکئیر: ۲۳۱
لزومات: ۴۵۹
لسان العرب: ۱۳۷
لمعات: ۲۵۳
لوائح جامی: ۲۴۷
لیلۃ القدر: ۲۶۹
لیلیٰ مجنوں: ۲۴۷، ۳۰۷

م

ماں کا خواب، نظم: ۴۲۹
ماہومت سانگ، نظم: ۴۱۲
ماہومت گیز انگ، نظم: ۴۱۴
مثنوی رومی: ۲۴۵، ۳۲۴، ۴۷۷
مثنوی کنزالاسرار: ۳۲۳
مجمع البحرین: ۱۵۴
مخزن، (ماہنامہ): ۳۴۷، ۴۴۵
مخزن الاسرار: ۳۰۷
مرکز دوّار: ۲۷۶
مرکند: ۱۴۴
مسدس حالی (مدّ وجزرِ اسلام):
۱۱۰، ۲۷۰
مسلم، صحیح: ۹۴، ۱۰۳، ۱۶۳
مسند: ۱۵۰
مسند احمد: ۳۳۷
مشکوٰۃ: ۸۹، ۹۵، ۹۷، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷
مصیبت نامہ: ۲۴۶
مطلع الانوار: ۲۴۷
مظاہرِ حق: ۹۵
معلّقات: ۲۸۹، ۳۰۹
مفاتیح الغیب: ۱۴۰
مقاصد الفلاسفہ: ۱۴۷
مقدمہ شعروشاعری: ۲۷۰
مکاشفاتِ یوحنا: ۳۵۱
مکتوبات بنام اختیارالدّین: ۳۲۳
مناجاتِ بیوہ، (نظم): ۲۷۰
منتخب التواریخ: ۱۵۳
منطق الطیر: ۳۴۶
منہاج الدین: ۳۲۴
موازنہ انیس ودبیر: ۲۷۵
موضوعاتِ کبیر: ۹۴
موطا: ۱۶۲
مہابھارت: ۱۴۲، ۱۸۵
مہتاب داغ: ۲۶۹
میٹافزکس آف پرشیا: ۵
میثاقِ لکھنو: ۱۳
میخانہ: ۲۵۳
میرا فلسفہ: ۱۲۸
میزان العمل: ۱۴۷
میکبتھ: ۲۷۸
میکسمز آف دی لا: ۱۴۱
میموریل ورسز، نظم: ۴۴۳
مینوئے خرد (روحِ فراست): ۲۱۶

ن

نالۂ فراق: ۳۴۲
نالۂ یتیم، نظم: ۹
نسرین: ۳۴۹
نشاطِ امید، نظم: ۲۷۰
نفحات الانس: ۲۴۶، ۲۵۳، ۳۲۷
نکات اشّعراء: ۳۱۹
نکاتِ بیدل: ۲۷۸
نورِ تجلی: ۲۶۹
نور جہاں: ۳۴۹
نل دمن: ۲۷۶
نہرو رپورٹ: ۱۳
نہ سپہر: ۲۴۷

و

وار اینڈ پیس: ۱۲۵
والدہ مرحومہ کی یاد میں، نظم:
۳۴۴، ۴۴۸، ۴۵۲
وائس فرام دی ایسٹ: ۳۴۹
وید: ۱۳۵

ہ

ہسٹری آف انگلش ایجوکیشن ان
انڈیا: ۳۷۶
ہسٹری آف ہنری سیوینتھ: ۱۴۱
ہشت بہشت: ۲۴۷
ہفت اورنگ: ۲۴۶
ہفت پیکر: ۳۰۷
ہمالہ: ۹
ہمایوں: ۳۵۰
ہمدرد، روزنامہ: ۳۹۱
ہمدردی، نظم: ۲۶۵، ۴۲۷
ہوری، نظم: ۴۰۱
ہیملٹ: ۲۷۸

ی

یادگارِ داغ: ۲۶۹
یادگارِ غالب: ۲۷۰
یاسا: ۱۷۴

❁❁❁

اصطلاحات وتلمیحات

آ

آب الملک، خاندان: ۳۲۷
آبائی خصوصیت: ۲
آبِ حیواں: ۱۷۶
آبِ کوثر: ۹۲، ۹۳
آتش پرستی: ۲۰۲، ۳۲۸
آتشِ نمرود: ۵۱
آفتاب: ۱۳۶، ۱۸۲
آفل: ۵۶
آگ: ۴، ۱۷، ۱۹۴
آلِ بابلہ: ۱۶۵
آلِ ساسان: ۱۵۵
آلِ عثمان: ۱۵۷
آلِ غنی: ۱۶۵
آمدِ مہدی: ۱۲۰
آمرِ مطلق: ۲۴۱
آویزش: ۱۸۱
آئینِ فراق: ۱۰۸

الف

ابدال، قبیلہ: ۲۰۸
ابلہ جنّت: ۱۱۶، ۴۷۶
ابوالہول: ۲۲۶
اتحاد اسلام (پین اسلامزم): ۱۶۸، ۲۳۷
اتّحادی طاقتیں: ۲۴۱
اثبات: ۱۲۷، ۴۷۸
اجتماعیت: ۲۱۸
اجتہادی رجحانات: ۲۳۷
اجزائے لایتجزیٰ: ۱۳۶
اچھوت: ۲۴۰
احسن التقویم: ۷۹
احکامِ فقیہہ: ۱۶۳
احیاء الاسلام: ۴۷۹
اخلاق: ۱۴۱، ۲۳۲
اخلاقِ حسنہ: ۱۵۹
اخلاقیات: ۲۳۱
ادعونی: ۵۷
ادراک: ۱۳۲
ارادت: ۶
اردو شاعری: ۲۴۷
ارض: ۶۵
ارم، باغ: ۱۸۳
ارنی: ۴۴، ۴۷
اڑہ: ۵۹
ازبک: ۲۰۸
استقرا: ۱۴۱، ۱۴۲
استقلال: ۱۷۱
اسلام: ۲، ۱۱، ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۸۷، ۱۹۲، ۴۶۶، ۴۶۷
اسلامی اقدار: ۴۶۵
اسلامی تصوّف: ۱۵۴
اسلامی تمدن: ۱۶۱
اسلامی دنیا: ۱۷۰
اسلامی شعائر: ۱۵۳
اسلامی مملکت، سلطنت: ۲۰۶:
اسلامی نظامِ عدل: ۱۵۲
اسمٰعیلیہ، فرقہ: ۱۷۳، ۱۹۲، ۳۵۳
اسمٰعیلی: ۱۴۷
اسمٰعیلی خلافت: ۲۹۱
اسیری: ۲۳۵
اشتراک فی العلم: ۱۳۰
اشتراکیت: ۵، ۱۷۵، ۲۴۱
اشراقیت: ۱۳۹
اشراقیت: ۱۳۹
اصلاح: ۲۹
اصلاحات: ۱۵۲
اصلاح دیں: ۲۱۵
اصولِ اولیٰ: ۱۲۱
اصول پرستی: ۱۱
اضافیت، نظریہ: ۱۲۸
اعتقاد: ۱۱
افراط: ۱۴۱
افغان: ۱۸۹
اقلیدس: ۱۴۰
اکادی، زبان: ۳۵۷
الارض للہ: ۶۱
الحاد: ۱۵۲
الحکم للہ: ۸۲
الصلوٰۃ: ۱۱۵
الملک للہ: ۸۲
الٰہیات: ۱۳۶
الرحمٰن: ۸۱
الست: ۵۶
الطلاق: ۱۰۸
الفقر فخری: ۱۰۳
الوقتُ سیف: ۴۶۸، ۴۷۷
اقوامِ متحدہ (یو این او): ۲۳۴
امامِ ہند: ۱۸۶

امانت: ۴۳
امّتِ مرحوم: ۱۸۸
امتداد: ۱۳۲
امرِ حق: ۶۵
امن پسندی:۱۳۱
امّی: ۱۹۳
امیرِ صف شکن: ۲۲۴
امین: ۱۹۳
اناالحق: ۳۴۱
انّ الملوک: ۵۱
انجمنِ اتّحادوترقّی: ۲۳۳
انجمن حمایت الاسلام:۸،۹،۱۰،۳۸۰
انجمنِ دانش:۲۳۷
انڈین نیشنل کانگریس: ۲۴۰
انصار: ۱۵۹
انقلابِ روس: ۱۲۵، ۱۷۵
انقلابِ فرانس:۲۱۷
انکارِ جہاد: ۳۶۶
انگریز: ۱۸۹،۲۰۴،۲۰۵،۲۰۶،۲۰۸
انگریزی: ۴
انگریزی ادب:۴۷۸
اوادنیٰ: ۸۷
اوتار: ۱۸۶
اولی الامر: ۶۶
اہرامِ مصر: ۱۵۷، ۲۲۶
اہلِ بیت: ۳۲۸
اہلِ علم: ۱۷۲
اہلِ قلم: ۲۱۸
ایثر (ایتھر): ۱۷۴
ایجابیت: ۱۲۹
ایرانی الٰہیات: ۵
ایسٹ انڈیا کمپنی: ۱۸۹
ایقان: ۱۱

ب

باب العلم: ۹۳
بابیہ، فرقہ: ۲۹۰
باطل: ۱۵۰،۱۵۸
باطنی: ۱۹۲
بالشوزم: ۱۷۵
باہلہ، قبیلہ: ۳۶۰
بتانِ بازاری: ۱۴۲
بتانِ تھیٹر: ۱۴۲
بتانِ شخصی: ۱۴۲
بتانِ نسل وقوم: ۱۴۱
بت پرستی: ۱۹۳
بت شکن: ۱۷۲
بت فروش: ۱۷۲
بدھ مذہب: ۱۸۱
برت: ۲۴۰
برٹش آل انڈیا مسلم لیگ: ۱۲
برزخ لایبغیان: ۷۶،۱۱۳
برگِ حشیش: ۱۹۲
برہم رشی: ۱۴۴
برہمن: ۱۳۵،۱۴۴،۱۷۲،۲۴۰
برہمن زادہ: ۱
برہمنیت: ۱۴۴،۱۸۱
بسیط: ۱۲۱
بشریٰ لکم: ۱۲۰
بشیری: ۷۴
بعل: ۶۴،۲۰۳
بلبل: ۲۹۰
بناتِ آشیاں: ۳۲۳
بنات البحر: ۳۲۳
بنائے لا الٰہ: ۲۵۰
بنی آدم: ۲۶۱
بنی افطس: ۲۷۱
بنی امیّہ :۱۵۸
بنی بکر: ۱۶۵
بنی تغلب: ۳۰۹
بنی خزرج: ۳۴۷
بنی عماد: ۲۱۸
بنی غطفان: ۱۶۵،۲۸۹
بنی کنانہ: ۱۶۵
بنی مالک: ۱۶۵
بنی مزینہ: ۲۸۹
بنی نجار: ۳۴۵
بوذاسف: ۲۳۰
بوئے پیرہن: ۱۰۴
بوئے یمن: ۱۱۲
بیت الحکمت: ۱۶۱

پ

پارتھین: ۲۲۰
پامردی: ۱۷۱
پانی: ۱۷۴
پرندہ: ۱
پروٹسٹنٹ انقلاب: ۲۱۷
پہلوی، زبان: ۲۱۶
پہلی جنگِ عظیم: ۲۳۳،۳۶۲
پیرس امن کانفرنس: ۲۰۴
پیرِ سنجر: ۳۲۴

پیرِ عجم: ۳۱۷
پیشینگوئیاں: ۳۳۸
پیغامِ اقبال: ۴۶۵

ت

تاتاری: ۳۵۱
تاریخ: ۱۲۶
تاریخ وفلسفہ: ۱۲۶
تجرِ علمی: ۱۶۲
تثلیث: ۱۷۰
تجاویزِ دہلی: ۱۳
تحریکِ خلافت: ۲۴۰
تحریکِ عدم تعاون: ۲۴۰
تدوینِ نظام: ۱۲۴
ترسِ مرگ: ۱۰۸
ترک: ۱۹۵، ۲۰۴، ۲۰۷
ترک جرمن اتحاد: ۲۳۸
ترکِ نسب کن: ۲۵۵
ترکی، جمہوریہ: ۱۵۲، ۲۳۳
تسخیر: ۵۷
تسنیم: ۴۲
تشکیک: ۴۶۷
تشیّع: ۱۷۹
تصوّر: ۱۳۲
تصورِ خیر: ۱۲۱
تصورِ مطلق: ۱۲۶
تصوّریت: ۱۲۹
تصوف: ۲، ۱۵۳
تعریفات وقیاسات: ۱۴۲
تطبیق: ۱۴۷
تعصّباتِ نسل وقوم: ۱۴۱
تعلیم: ۱۲۲، ۱۲۴
تعلیمِ نسواں: ۱۶۸
تعمیرِ مساجد: ۲۱۰
تفریط: ۱۴۱
تفسیر: ۱۵۲
تفضیلِ علیؓ: ۱۷۹
تقدیر: ۶۶
تقسیمِ بنگال: ۱۹۴
تقسیمِ ملک: ۲۴۳
تقسیمِ ہند: ۲۴۰
تلاوت قرآن: ۲
تنازع للبقا: ۱۲۴
تنقید: ۱۴۷
توحید: ۱۹۱
تودہِ واہیات: ۳۳۴

ٹ

ٹالبوٹ: ۳۴۹

ث

ثنویت: ۲۰۲

ج

جابر (حکمراں): ۲۳۱
جامِ جم، جامِ جمشید: ۱۷۹، ۲۱۵
جامِ جہاں نما: ۱۷۹
جامد مذہبیت: ۴۶۵
جانِ پاک: ۴۹
جبر: ۱۳۹
جبر وقدر: ۱۰۴
جدلی عمل: ۱۴۷
جدّ وجہد: ۱۲۲
جرمن زبان وادب: ۴۷۸
جزویت از پیغمبری: ۲۷۳
جزئی: ۱۲۱
جسد: ۹۷
جماعت: ۹۵
جمالیات: ۱۳۳
جمہوریت: ۲۱۸
جمعیت الاقوام: ۲۳۳، ۳۸۷
جمعیت العلمائے ہند: ۳۷۸
جناں: ۹۹
جنگِ آزادی: ۳۹۱، ۴۶۵
جنگِ عظیم اوّل: ۱۷۵
جنگِ عظیم دوم: ۲۰۵
جنگِ میسور: ۲۰۵
جنگِ یرموک: ۳۳۱
جوہرِ اصلی: ۱۴۶
جہاد: ۱۰۸
جہاں دوست: ۱۴۴، ۳۵۸
جھروکہ: ۱۵۳

چ

چاہِ بابل: ۲۰۱
چراغِ مصطفوی: ۲۷۵
چشمہ ہائے علم وعرفان: ۱۳۹
چلیپا: ۸۶
چمکدار اشیاء کا خزانہ: ۱۳۵
چنگیزی: ۲۳۲
چوبِ خشک: ۸۹
چوبِ کلیم: ۵۴
چینیاں: ۲۹۵

ح

حادث: ۱۲۱

حباب آسا: ۲۷۳
حبر الامّت: ۳۳۲
حبِّ مال: ۱۰۸
حبیب اللہ: ۹۱
حجابِ اکبر، علم: ۳۶۴
حجۃ الوداع: ۱۹۳
حدودِ اسلام: ۱۵۳
حدیث شاذ: ۳۳۳
حدیث ضعیف: ۳۳۳
حدیث مرسل: ۳۳۳
حرص: ۲۱۴
حرفِ حق: ۹۸
حرکت: ۱۲۲
حرکی تصوّرِ دین: ۴۶۶
حُسن: ۱۳۳
حسّیت: ۱۳۱
حسّین: ۱۳۷
حشیش (بھنگ): ۱۹۲
حضور: ۱۴۶
حکمائے مشرق: ۴۶۷
حق: ۱۵۰، ۱۵۸
حقّانیت: ۱۵۴
حق رابسجودے: ۲۹۷
حقیقت: ۱۴۷
حقیقت حقہ: ۱۳۹
حقیقتِ عالم: ۳۷
حکماء: ۱۸۱
حکمت: ۳۹، ۱۴۱، ۲۷۷
حملہ سکندری: ۲۰۰
حنین، غزوہ: ۱۹۳
حواس: ۱۴۷
حور: ۷۱
حیاتیت: ۱۳۰

خ

خادمِ حرمین شریفین: ۲۱۹
خارجی: ۱۲۱
خاک: ۱۷۴
خالقِ کائنات: ۱۳۶
خاندانِ پیش دادیان: ۲۱۵
خاندانِ غلاماں: ۱۹۸
خاندانِ مرتضوی: ۳۴۳
خداپرستی: ۲۰۲
خرقہ پوش: ۴۶
خرقۂ نبی: ۳۴۳
خدمت: ۶۵
خسروِ روشن ضمیر: ۲۲۳
خصیمٌ مبین: ۴۰
خطابِ شیر خان: ۱۹۸
خطّاط: ۱۵۲
خلافت: ۲۳۳
خلافتِ الٰہی: ۱۶۰
خلافت کانفرنس: ۲۳۶
خلافت کمیٹی: ۲۳۵
خلفائے عبّاسیہ: ۲۱۹
خلق: ۶۶
خلقِ عظیم: ۷۴
خلیفہ: ۲۳۷
خلیفۂ وقت: ۱۸۷
خواب، شیخ نور محمّد: ۱
خواجہ بدر حنین: ۹۲
خوجہ، فرقہ: ۳۵۳
خودکشی: ۱۲۴
خودی: ۸۰، ۱۴۵، ۳۷۴
خیام: ۷۱
خیرالملل: ۹۶
خیرِ کثیر: ۶۲

د

دامِ ہمرنگِ زمین: ۲۵۸
دردِ لایطاق: ۱۹۴
درشن: ۱۵۳
درفشِ کاویانی: ۱۵۵
درّہ داریال: ۲۰۱
دریائے نور، ہیرا: ۱۸۵
دریوزۂ خلافت: ۲۳۶
دستورِ ہند: ۱۳
دعویٰ نبوّت: ۱۹۲
دمِ عیسیٰ: ۵۶
دنیا: ۱۶۰
دورِ تقلید: ۱۳۳
دوسری جنگِ عظیم: ۲۰۵
دولتِ عثمانیہ: ۱۵۷
دہریت: ۱۲۶
دینِ الٰہی: ۱۵۳، ۳۶۳
دینِ حق غریب: ۱۰۶
دینیات: ۲۳۷
دیوارِ یتیم: ۴۹
دیوتا: ۱۹۴

ذ

ذہنی: ۱۲۱
ذی الکلاع: ۲۰۳

ر
راج رشی: ۱۴۴
راستبازی: ۹۳
رام بھگتی: ۱۳۴۵
ربِّ زدنی: ۴۰
رحمت اللعالمین: ۶۶،۹۷
رفاہِ عام: ۱۶۸
رقص وسرود: ۱۵۲
رنگِ حجاز: ۱۱۲
رحمٰن: ۶۴،۲۰۳
رمزِ لولاک: ۱۱۶
روایت: ۱۰۴
روح: ۶۵،۹۷،۱۳۳
روح الذہب، دوا: ۳۸۹
روحِ خیر: ۲۰۱
روحِ شر: ۲۰۱
روزِ بلا: ۱۰۷
روزِ صفا: ۱۰۷
روشنی: ۱۷۴
رومانی شعراء: ۴۷۸
رومی سلطنت: ۱۶۱،۲۰۹
روئے زمین: ۱۱۴
رہبانی اسلام: ۱۰۸
ریاضات: ۱۴۴
ریاضی: ۱۳۰،۱۸۲،
ریاضیات: ۱۳۲،۱۳۹
ریفارمیشن: ۲۱۷
ز
زاغ البصر: ۶۴
زر: ۱۷۴
زر پرستی: ۲۱۴
زرکش: ۶۲
زمانِ مطلق: ۱۲۸
زمان ومکان: ۴۶۶
زمانہ: ۹۴
زمانہ باتو نسازد: ۲۹۴
زمرۂ غم نباشد: ۲۰۵
زمین: ۱۷۴
زن: ۱۷۴
زندہ رود: ۳۶۴
زوالِ خلافت: ۲۳۶
س
ساحرِ الموط: ۱۹۲
ساسانی خاندان: ۲۲۰
ساسانی عہد: ۲۰۰
سامی: ۲۰۳،۳۵۷
سامی زبان وادب: ۱۷۶،۳۴۹
سائل: ۲
سائنٹفک طریقِ تحقیق: ۱۴۱
سجدہ: ۶۷،۱۵۳
سدرۃ المنتہیٰ: ۴۲
سدِّ سکندری: ۲۰۰
سرِّ دلبراں: ۲۴۷
سرمایہ دار: ۵۳
سرمایہ داری: ۱۲۵،۱۲۶
سرودِ ازلی: ۸۱
سرور: ۱۴۶
سروری: ۱۰۱
سکھ ایجوکیشنل کانفرنس: ۳۴۸
سلامِ مسنون: ۱۵۲
سلجوقی خاندان: ۲۰۹
سلجوقی سلطنت: ۲۰۹
سلسبیل: ۴۸
سلطان: ۵۸
سلسلہ اسرائیلیہ: ۳۳۳
سلسلہ قادریہ: ۱۵۴
سلطنتِ اندلس: ۲۱۹
سلطنتِ عثمانیہ: ۱۵۷
سمیری، زبان: ۳۵۷
سمیری، قوم: ۳۵۷
سنّتِ نبوی: ۱۶۴
سنسکرت: ۱۳۵،۱۳۶، ۲۷۶
سنگ: ۲۴۷
سیاحتِ مشرق: ۱۳۶
سیاست: ۲۳۲
سیاستداں: ۲۳۲
سیاسیات: ۱۳،۲۳۱
سیتھین: ۳۵۱
سیف القاطع: ۱۵۰
سیف اللہ: ۲۵۲
سیفِ برّاں: ۱۵۰
سیوتر: ۱۳۶
سیوف الہند: ۲۵۲
ش
شاخ آہو: ۳۵۱
شاخ نبات: ۱۹۲
شام گرد: ۳۲۳
شامی: ۱۵۸
شانِ فقر: ۴۷۸
شاہِ تیموری: ۱۸۹

شبانی: ۷۳،۸۱
شبستانِ ازل: ۱۳۲
شجاعت: ۱۴۱
شخصی تعصّبات: ۱۴۲
شرابِ طہور: ۷۴
شرارِ بولہبی: ۲۷۵
شرعی وکیل: ۱۵۲
شرک: ۲۲
شریعت: ۷۹،۱۵۲
شش روز: ۶۶
شقّ القمر، معجزہ: ۹۱،۴۷۴
شمس الدولہ: ۲۰۷
شہادتِ حسین: ۱۵۸
شہسوارِ چغتائی: ۱۸۳
شہ لولاک: ۱۰۲
شہنشاہِ نکوفر جام: ۲۲۹
شیخِ شیراز: ۳۱۸

ص

صابی مذہب: ۲۳۰
صاحبِ باطن: ۱۴۴
صاحبِ خودی: ۴۶۶
صاحبِ صدق ویقین: ۷۴
صاحبِ مازاغ: ۸۱
صادق: ۱۹۳
صبحِ ازل: ۶۷
صبحِ حجاز: ۳۲۳
صحرانشین: ۷۴
صحرانوردی: ۱۸۴
صلیب: ۵۹
صوفی: ۸۶،۱۴۷
صوفیہ: ۱۵۳
صوفی شعراء: ۴۷۸

ض

ضربِ کلیم: ۸۰
ضربِ قلندری: ۲۰۰

ط

طٰہٰ: ۶۵،۷۰
طاعت: ۹۶
طائرِ سدرہ آشنا: ۴۲
طب: ۲۷۶
طبقاتی تضاد: ۱۲۶
طبقاتی جدلیت: ۱۲۶
طبقاتِ سلاطینِ اسلام: ۲۱۱
طبیعیات: ۱۳۲
طریقِ فکر: ۱۲۱
طلائی تمغہ: ۴
طوّاسین: ۳۵۸،۳۵۹
طہارت: ۱۳۵
طہارتِ نفس: ۲۰۲
طیب: ۹۶

ظ

ظواہر: ۱۱،۱۲۹

ع

عارفِ ہندی: ۱۴۴
عاقبت: ۱۵۳
عالَم: ۱۳۲
عالَمِ اعیان: ۱۲۱
عالَمِ ہیئت: ۱۸۷
عبادت: ۱۵۳
عبّاسی حکومت: ۱۶۱
عجمی تصوّرات: ۴۶۵
عدالت: ۱۴۱
عدل وانصاف: ۱۶۹
عدلِ فاروقی: ۱۰۱
عدمِ تشدّد: ۲۴۰
عراقی: ۱۵۸
عرب: ۳۵۷
عرب بغاوت: ۲۰۴
عرب قومی تحریک: ۲۰۴
عربی: ۳،۴،۲۷۶
عربی ادب: ۱۵۰
عربی اور ایرانی تمدن: ۱۶۱
عرش: ۱۱۸
عزم للقوۃ: ۱۲۴
عزّیٰ (بت): ۱۶۵
عسر: ۶۴،۲۰۳
عشق: ۱۲
عصا: ۷۲
عفّت: ۱۴۱
عقائد: ۱۵۴
عقل: ۱۳۳،۱۴۷،۱۵۳
عقلِ نظری: ۱۲۱،۱۴۶
عقلیّت: ۱۲،۱۲۱،۱۸۱
عقلیّین: ۱۳۷،۱۳۹
عقیدت: ۶
علم: ۱۳۱،۱۳۲،۱۵۳
علّم الاسماء: ۵۷،۸۰
علمِ حدیث: ۲۵۴
علمِ حقیقت: ۱۳۹
علم دوستی: ۱۳۱

علمِ سلوک: ۲۷۷
علم کلام: ۳۴۱
علمِ ملل والنحل: ۱۳۵
علم ہیئت: ۱۸۲
علم وادب: ۲۷۷
علم وفضل: ۱۵۹
علمی احسان: ۳
علمی تحقیق: ۱۳۱
علمی ذوق: ۴
عمرانیات: ۱۳۰
عنصر: ۱۷۴
عہد: ۵۹
عہد قبل از سکندر: ۳۰۰
عیسائی: ۱۵۷
عیسائی دنیا: ۱۷۰

غ

غزوۂ احد: ۱۶۴، ۳۳۱
غزوۂ بدر: ۳۳۱، ۳۵۹، ۳۷۰
غزوۂ بنی قریظہ: ۳۳۱
غزوۂ تبوک: ۱۸۷، ۱۹۰، ۴۴۷
غزوۂ حدیبیہ: ۱۶۴
غزوۂ حنین: ۱۶۴
غزوۂ خندق: ۱۶۴، ۳۲۸، ۳۳۱
غزوۂ موتہ: ۳۳۷
غسر: ۲۰۳
غلط فہمیاں: ۱۴۲
غیبتِ کبریٰ: ۱۲۰

ف

فارسی: ۳، ۲۷۶
فارسی ادب: ۵
فارسی شاعری: ۲۴۷، ۲۷۷
فاشزم: ۲۴۱
فاصبحتم: ۷۹
فال (نکالنا): ۲۷۴
فتحِ مکّہ: ۱۶۳
فدائی: ۱۹۲
فراعنہ: ۱۵۷
فردوس گوش: ۲۵۵
فرقہ اسمٰعیلیہ: ۱۷۳، ۱۹۲، ۳۲۷
فریبِ مغربیاں: ۸۱
فزکس: ۱۲۷
فسر: ۶۴، ۲۰۳
فضائلِ اخلاق: ۱۴۲
فطرت: ۸۱
فطرتِ مسلم: ۸
فکرِ انسانی: ۱۴۱
فقر: ۱۹۸
فقرِ حاضر: ۱۱۱
فقرِ حیدری: ۱۰۱
فقہ: ۱۱
فقہ حنفی: ۱۶۴
فقہ مالکیہ: ۳۶۵
فلارنساویِ باطل پرست: ۲۳۱
فلاسفہ: ۱۸۱
فلسفہ: ۴، ۱۴۰، ۲۳۷، ۲۷۶، ۲۷۷
فلسفہ اخلاق: ۵
فلسفہ ایجابیت: ۱۲۹
فلسفۂ تاریخ: ۱۲۷
فلسفہ دانی: ۱
فلسفہ حرکت: ۴۰۹
فلسفہ حسّین: ۱۳۱
فلسفۂ حیاتیت: ۱۳۰
فلسفۂ قانون ومملکت: ۱۳۱
فلسفہ ویدانت: ۱۵۴
فلسفی: ۱۴۷
فلسفیانہ وقار: ۱۳۲
فلکیات: ۱۸۲
فنِ حدیث: ۱۴۹
فوق المحسوسات: ۱۳۶
فیّاضی: ۱۸۷

ق

قابَ قوسین: ۸۷، ۱۱۸
قانونِ توارث: ۱
قبائے کہنہ: ۱۱۴
قدرتی اسباب: ۲۳۲
قدسیان: ۹۶
قدیم (اصطلاحِ فلسفہ): ۱۲۱
قرآن وحدیث: ۴۶۷
قربِ الٰہی: ۹۴
قربِ نوافل: ۹۱
قرن، قبیلہ: ۳۴۳
قرشی: ۱۱۹
قریش: ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۰۳
قصّہ دار ورسن: ۳۴۱
قلبِ سلیم: ۴۸
قل العفو: ۸۲
قلندری: ۲۶۰
قل ھواللہ: ۸۱
قمری: ۲۹۰

قنوطی نظریہ حیات: ۱۲۳
قوم پرست: ۲۴۳
قومیت: ۵،۱۰،۲۱۸،۲۳۲
قومی یعلمون: ۶۶
قیاسی طریقِ فکر: ۱۴۲
قیامت: ۱۶،۳۰،۳۵۵
قیدخانہ: ۲۱۸

ک

کارآفریں: ۱۱۲
کارساز: ۱۱۲
کارکشا:۱۱۲
کاس الکرام: ۲۹۷
کاسب: ۹۱
کامیاب حکمراں: ۱۹۸
کائنات: ۱۲۳،۱۳۳
کتب خانہ: ۱۷۳
کثرت: ۱۴۲
کراماً کاتبین: ۳۱۱
کرسی: ۸۵
کرم: ۵۹
کسبِ ضیا: ۱۳۶
کشتیِ مسکین: ۴۹
کششِ ثقل: ۱۸۲
کشمیری برہمن: ۱
کعبہ: ۱۱۸
کفر: ۱۵۴
کلام: ۱۳۹
کلیمِ بے تجلّی: ۳۱۳
کلیمی: ۸۱
کلیسا: ۱۸۱، ۱۸۲
کلّ یوم: ۶۲
کم لبثتم: ۵۵
کمیٹی آف یونین اینڈ پراگریس: ۲۳۸
کمیونسٹ لیگ،مینفیسٹو: ۱۲۶
کُن: ۴۳
کنادرشی: ۱۴۴
کن فکاں: ۹۹
کوثر: ۴۲،۹۲
کورانہ تقلید: ۱۴۲
کوڑا: ۹۰
کوہِ نور: ۱۸۴،۱۸۵
کھتری: ۱۴۴،۱۹۰
کیانی خاندان: ۲۱۰
کیتھولک: ۲۱۷
کیمیا: ۱۳۰

گ

گائے: ۱۵۳
گایتری: ۱۳۵
گدائے گوشہ نشینی: ۲۷۴
گردشِ زمین: ۱۸۲
گردِ صلیب: ۱۸۸
گردِ قمر:۱۸۸
گردوں: ۵۸
گردوں آستاں: ۱۵۲
گریۂ آدم: ۳۹۳
گفتارِ زیبا: ۱۳۶
گکھڑ: ۲۱۷
گنیش: ۱۵۴
گورگان: ۱۵۲
گول میز کانفرنس:۱۳، ۳۷۸

ل

لاالہ الاّ ھو: ۸۶
لات (بت): ۶۴،۱۶۵
لاتدع مع اللہ: ۸۱
لاتخف: ۷۷
لاتفسدوا: ۶۵
لاتسبّو الدہر: ۹۴
لاتقربا: ۸۷
لاتقنطوا: ۷۵
لادینی: ۸۳
لاشریک لہ: ۸۲
لاطینی:۸۳
لاغالب الاّ ھو: ۸۳،۵۸
لاقیصر وکسریٰ: ۱۰۶،۱۱۵
لامذہبیت: ۱۵۳،۱۵۴
لاموجود الاّ ھو: ۹۸
لانبی بعدی: ۹۵
لاونعم: ۳۰۵
لحمک لحمی: ۱۱۸
لسان العصر:۵۲
لسان الغیب: ۲۷۴
لن ترانی: ۸۴
لی خرقان: ۷۶،۱۱۳
لی مع اللہ: ۹۴،۱۰۶

م

مابعدالطبیعیات:۵،۱۲۷،۱۳۳،۱۳۷
مادّہ: ۱۳۲،۱۴۶
مادّی آفتاب: ۱۳۶
مادّیین: ۱۳۷
ما رمیت:۶۶

ماعرفنا: ۸۷،۱۰۲،۱۱۸
ماعرفناک: ۱۱۶
مافوق الانسان: ۱۲۳
مالِ صالح: ۱۱۴
ماورائی حقائق: ۱۳۹
ماورائی شعائیں: ۱۸۳
ماہرِ تعلیم: ۲۴۳
مبتلائے درد: ۱۰۲
متکلّم: ۱۴۷
مثالیہ نگاری: ۲۵۸
مجاہدات: ۱۳۹،۱۴۴
مجدّد: ۳۶۶
مجوسیت: ۳۲۸
محتسب: ۱۵۲
محرّکات: ۱۳۲
محسوس: ۲۲۱،۱۳۹
محکمہ احتساب: ۱۸۱
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس: ۳۸۷
محوری طاقتیں: ۲۴۱
مذہب: ۱۲۶،۲۰۱،۲۳۲،۲۷۶
مذہبی آزادی: ۱۵۷
مذہبی تقدّس: ۱
مرابطین، دربار: ۲۷۱
مرثیہ: ۲
مردِ حر: ۷۸
مردِ حق: ۶۲
مردِ دانشمند: ۱۴۶
مردِ فرنگی: ۳۷۴
مردوخ: ۶۴،۲۰۳
مرکّب (اصطلاحِ فلسفہ): ۱۲۱
مرہٹہ: ۱۸۹، ۲۰۸
مزدا: ۲۰۱
مزدائیت: ۲۰۱
مزدور: ۵۳
مژدہ صبح: ۲۶۰
مسافر: ۹۹
مساوات: ۱۹۱
مسجد: ۹۷
مسکیں دلکم: ۳۰۶
مسلمان: ۸۴
مسلمان فلاسفہ: ۱۴۱
مسلم کانفرنس: ۱۳
مسلم لیگ: ۲۴۳
مسندِ نبی: ۱۱۹
مسیحِ موعود: ۳۶۶
مسیحی تقویم: ۳۳۵
مسیحی عقیدہ: ۳۳۵
مشّائی: ۱۳۹
مشّائیت: ۱۳۹،۱۴۱
مشتِ خاک: ۱۸۸
مصری دیومالا: ۲۲۶
مصلحت: ۱۳۲
مصوّری: ۱۷۳
معراج، واقعہ: ۱۹۳
معرفت: ۲۴۶
معقول: ۱۲۲
معقولات: ۲۵۳، ۳۲۶
معلّمِ دین: ۱۶۳
مغربیت: ۲۳۳
مغرب زدگی: ۶
مغربی تہذیب: ۱۶۸
مقامِ لاتخف: ۸۴
مکان: ۱۳۲،۱۳۷
مکانِ مطلق: ۱۲۸
مکّی خفتہ در بطحا: ۲۹۵
ملّا: ۸۶
ملت: ۱۱۲،۳۵۰
ملت بیضا: ۱۴
ملوکیت: ۲۱۸
ممکن (اصطلاحِ فلسفہ): ۱۲۱،۱۳۷
منات: ۶۴،۱۶۵
من رآنی: ۱۱۶
منزلِ ما کبریاست: ۲۵۹
منطق: ۱۳۰
منقولات: ۲۵۳
من یرانی: ۱۰۵،۱۱۶
من یظہر اللہ: ۳۶۶
موضوعات: ۹۲
مومن: ۳۸،۶۲،۹۹،۱۱۰،۱۱۲،۱۱۵،۱۱۸
مومیائی: ۲۷۹
مہاجر: ۱۵۹
مہارشی: ۱۴۴
مہدی: ۱۲۰
میثاق: ۵۹
میرِ سپاہ: ۸۱
میخ: ۸۶
میگر، قبیلہ: ۳۵۱
مینونظیر: ۲۵۸

ن

نار: ۲۴۷

نازک حالت، انڈیا: ۳۹۱
نازو نیاز: ۱۱۰
نازیت: ۱۲۸
ناصر الحدیث: ۱۴۹
ناکامل توحید: ۲۰۱
ناموس: ۱۶۰
نائبِ اللہ تعالیٰ: ۴۲۶
نبوّت: ۱۹۳
نخلِ خاویہ: ۶۰
ندرتِ فکر و عمل: ۴۲۶
نذیر: ۴۷
نساء: ۶۹
نسر (بت): ۲۰۳،۶۴
نصرانیت: ۳۲۸
نظامِ ارتقا: ۱۲۷
نظامِ حقیقت: ۱۲۷
نظریہ ایجابیت: ۱۲۹
نظریہ حقیقت: ۱۴۷
نظریہ خودی: ۱۴۵
نظریہ وجدانیت: ۱۳۰
نعم الجمل: ۹۶
نغمہ داؤد: ۳۳۸
نفس: ۱۲۷،۱۳۱،۱۴۶،۱۵۰
نفسانی خواہشات: ۱۵۳
نفسِ واحدۃ: ۶۳
نفسیات: ۱۳۸
نفسیاتِ جدید: ۱۳۱
نفسیاتی تجزیہ:
نفیِ خودی: ۴۲۸
نقدِ مومن: ۹۹
نقطہ اعتدال: ۱۴۱
نمودِ بے بود: ۱۴۲
نمودِ محض: ۱۴۲
نوبل انعام: ۱۳۰،۱۲۸
نور: ۱۴۶،۵۵، ۱۷۴
نورِ ازل: ۴۵
نور کامنبع: ۱۳۵
نیکی: ۱۳۲
نیمہ پیری: ۱۱۱

و

واجب (اصطلاحِ فلسفہ): ۱۲۱، ۱۳۷
وارثِ پیغمبراں: ۱۱۳
واقعہ کربلا: ۱۵۸
واقفیت: ۱۳۲
والشّمس: ۴۳
والنّجم: ۸۰،۶۱
والتور: ۴۴
وجدان: ۱۲،۱۳۰،۱۳۹،۱۴۷
وجود: ۱۴۶،۱۴۲
وحدت: ۱۴۲
وحدت ادیانِ عالم: ۲۳۶
وحدت الوجود: ۳۴۱
وحیِ الٰہی: ۱۹۳
وطنیت، وطن پرستی: ۵، ۲۳۲
وقت: ۱۵۰
وہبی تصورات: ۱۳۱
ویدانت: ۱۴۲، ۳۴۵

ہ

ہالک: ۶۲
ہائی کورٹ: ۶
ہبل: ۲۰۳،۱۶۵
ہدایت: ۶۶
ہزوارش: ۲۱۶
ہشت گونہ مسلک: ۱۸۱
ہفتاد و دو ملّت: ۱۱۱
ہندو: ۲۰۸
ہندوستانی اسپیکنگ یونین: ۱۴۷
ہندومت، مذہب: ۱۵۳
ہندی: ۱۵۲
ہمہ اوست: ۱۴۲
ہوا: ۱۷۴
ہوائے دشت: ۸۱
ہیئت، علم: ۲۸۹،۱۴۰

ی

یٰسین: ۸۷،۸۶،۷۰
یدِ بیضا: ۱۰۶،۷۴،۴۶
یدِ موسیٰ: ۵۶
یعوق: ۲۰۳،۶۴
یقین: ۱۳۲
ینظر بنور اللہ: ۱۱۴
یوسفِ ثانی: ۳۴۴
یونانی: ۲۳۸
یونانی مذہب: ۲۰۲
یونانی فلسفہ: ۱۲۲
یومِ الست: ۳۰
یہودی: ۶۰، ۱۸۵، ۳۴۹
یہودیت: ۱۲۶،۲۰۱